★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پینھابھا
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرما
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1977-5-

حقوق الطبع محفوظۃ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ

شیعان آل محمد خصوصاً واعظین و مبلغین کے لئے نادر و نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المجلد الثامن فی تفسیر

انوار النجف
فی
اسرار المصحف

مصنفہ

حجۃ الاسلام علامہ حسین بخش صاحب قبلہ جاڑا بانی و سرپرست مدرسہ علمیہ باب النجف جاڑا

ناشر مکتبہ باب النجف جاڑا ضلع ڈیرہ اسماعیل خان

معاونین تفسیر کا شکریہ

اس گئے گذرے دور میں ایسے افراد کا وجود غنیمت ہے جو باطل کے ہمہ گیر سیلاب کے سامنے کوہِ گراں بن کر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اب جب کہ قرآن مجید کی تعلیمات سے دلچسپی کا وجود کالعدم ہو چکا ہے۔ لائقِ صد تحسین اور قابلِ صد ستائش ہیں قوم کے وہ مایۂ ناز سپوت جو علوم قرآن کی ترویج و اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں اور سچ ہے اگر روسائے ملت علماء کا ساتھ نہ دیں تو تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں قابل افسوس تعطل پیدا ہو جائے۔ ہم نے جن توقعات کی بنا پر قرآن مجید کی تفسیر کا بیڑا اٹھایا تھا وہ قوم کی بے حسی کا شکار ہو گئیں لیکن خدا خوش رکھے قوم کے ان حساس روسا کو جنہوں نے ہر جلد کی اشاعت میں دست تعاون بڑھایا جن کا شکریہ ہر چھپنے والی جلد کے شروع میں ادا کیا گیا۔ دورِ حاضر میں علمائے خلاف جہلا کے ہنگاموں نے جہاں عوام کو **تفسیر انوار النجف** کے مطالعہ سے متنفر کیا وہاں خواص کے طبقہ کو بھی متاثر کیا لیکن سچی بات ہے حق کی آواز کے سامنے باطل کی غوغا آرائی ایسی ہے جیسے شیر کی گرج کے مقابلہ میں مینڈک کی ٹٹاخ۔ خدا والوں کی اب بھی کمی نہیں چنانچہ باطل کی تمام تر غوغا آرائیوں کے باوجود ضلع جھنگ کے ایک معزز سادات خاندان کے قابل فخر سپوت نے اشاعت علوم تفسیر کے لئے لبیک کہی اور وہ ہیں حکیم سید حسین احمد شاہ ولد سید غلام مرتضےٰ شاہ اعلی اللہ مقامہ خداوند کریم ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور روسائے ملت کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ ہم قارئین کرام سے استدعا کرتے ہیں مولانا سید غلام مرتضےٰ شاہ صاحب مرحوم کے لئے سورہ فاتحہ پڑھ لیں جن کے لائق فرزند قوم کی روحانی زندگی کی خاطر قربانی پیش کرتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا یہ ایثار اپنے اور اپنے اکابر مرحومین کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے ہم ان کے دل و جان سے شکر گذار ہیں۔

حسین بخش
مصنف تفسیر انوار النجف

تمثال

عالیجناب مخدوم

سید خدا یار شاہ صاحب مرحوم

رئیس اعظم کری والا ضلع جھنگ

تمثال

عالیجناب مخدوم سید غلام علی شاہ

خلف الرشید مخدوم سید محمد صالح شاہ مرحوم واد

مخدوم سید خدا یار شاہ مرحوم

رئیس اعظم کری والا

جنھوں نے اپنے اکابر خصوصاً اپنے والد مرحوم کے

ایصال ثواب کیلئے تفسیر انوارالنجف کی اشاعت

میں دست تعاون بڑھایا

maablib.org

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برّصغیر
maablib.org

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
● کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھابھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1-8-1977

تفسیر انوار النجف

نتیجۂ فکر

جناب علامہ حافظ سید مصطفےٰ حسین صاحب تاجدار دہلوی القائم منزل سول لائن سرگودھا

ارمغانِ زندگی تفسیر انوار النجف
نعمتِ خود آگہی تفسیر انوار النجف

بیکراں گنجینۂ اسرار اقلیم شرع
نورِ حق کی روشنی تفسیر انوار النجف

شرح پیغامِ خدا سرمایۂ نوعِ بشر
رہ نمائے بندگی تفسیر انوار النجف

قول معصومینؑ حجت قول پیغمبرؐ کے بعد
اس طرح لکھی گئی تفسیر انوار النجف

ہو بہو تنزیلِ قرآں کے مطابق گرد و پیش
مصحفِ خود مکتفی تفسیر انوار النجف

اے خوشا قسمت کہ بر پیشانیٔ لوحِ دوام
نقش با خطِ جلی تفسیر انوار النجف

موجبِ بارانِ رحمت توشۂ روزِ جزا
کاشفِ کنزِ خفی تفسیر انوار النجف

مظہرِ شانِ ائمہ مصدرِ عترتِ بتول
مرتبہ دانِ علیؑ تفسیر انوار النجف

تاجدارِ کشورِ دیں، رہبرِ فہم و ذکا
وجہِ لطفِ ایزدی تفسیر انوار النجف

فہرست

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۱	فضائل سورہ یوسف	۶
۲	شان نزول	۷
۳	اسرار وانوار	۸
۴	مقام نبوت	۱۰
۵	خواب کی حقیقت	۱۱
	رکوع نمبر۱۲	۱۲
۶	قصہ یوسفؑ	۱۳
۷	جبریل کی تیز رفتاری	۱۷
۸	یوسفؑ کی دعا	۱۸
۹	کنوئیں سے نجات	۲۱
	رکوع ۱۳	۲۲
۱۰	یوسف بازار مصر میں	۲۳
۱۱	عصمت یوسف	۲۵
۱۲	بچے کی گواہی	۳۰
۱۳	زنان مصر کا مکر	۳۲
	رکوع نمبر ۱۵	۳۵
۱۴	زندان مصر میں	۳۵
۱۵	طریق تبلیغ	۳۶
۱۶	یوسف کا گریہ	۴۱
	رکوع نمبر۱۶	۴۲
۱۷	بادشاہ کا خواب	۴۲
	رکوع نمبر۱۷	۴۴
۱۸	حضرت یوسفؑ کی رہائی	۴۴
	پارہ ۱۳	
	رکوع نمبر۱	۴۷
۱۹	بادشاہ کے خواب کی تعبیر	۴۸
۲۰	شباب زلیخا	۴۹

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۲۱	حکومت یوسفؑ	۵۰
۲۲	حکومت وسلطنت	۵۱
۲۳	حکومت عدل	۵۲
۲۴	کلام الامام	۵۴
۲۵	حکومت جور	۵۶
	رکوع نمبر۲	
۲۶	بھائیوں سے ملاقات	۵۷
۲۷	نظر بد	۶۲
۲۸	بھائیوں کا دوبارہ مصر میں آنا	۶۴
	رکوع نمبر۳	۶۵
۲۹	جواز تقیہ	۶۶
	رکوع نمبر۴	۷۱
۳۰	کیا رونا بے صبری ہے؟	۷۳
۳۱	غم حسینؑ	۷۷
۳۲	حضرت یعقوبؑ کا خط	۸۰
۳۳	قمیص یوسف	۸۲
	رکوع نمبر۵	
۳۴	بشیر کی آمد	۸۵
۳۵	حضرت یوسف کا مصر میں ورود	۸۶
۳۶	سجدۂ تعظیم	۸۹
۳۷	تعبیر خواب	۹۱
۳۸	حق اور صدق میں فرق	۹۴
۳۹	زلیخا سے شادی	۹۵
۴۰	دعائے فرج	۹۸
	رکوع نمبر۶	۹۹
۴۱	مرسلوں کا شرک	۹۹
۴۲	دعوت توحید	۱۰۱

نمبر شمار	نام مضمون	صفحہ
۴۳	سورہ رعد کے فضائل	۱۰۵
	رکوع نمبر۷	۱۰۶
۴۴	بیان توحید	۱۰۸
۴۵	دعا کرنا اور پکارنا	۱۱۳
۴۶	دلیل خلافت	۱۱۵
۴۷	زمانہ حجت خدا سے خالی نہیں	۱۱۵
	رکوع نمبر۸	
۴۸	بیان توحید	۱۱۸
۴۹	قدریہ کی رد	۱۱۹
۵۰	سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے	۱۲۴
۵۱	اللہ ہر شئی کا خالق ہے	۱۲۶
۵۲	غالی ومفوضہ کی رد	۱۲۷
۵۳	حق کی مثال	۱۲۸
	رکوع نمبر۹	
۵۴	وفائے عہد اور صلہ رحمی	۱۳۱
۵۵	سوء الحساب کی تفسیر	۱۳۲
۵۶	صبر کی تفسیر	۱۳۳
۵۷	مسلمانوں کی عہد شکنی	۱۳۶
	رکوع نمبر۱۰	
۵۸	طوبیٰ کی تفسیر	۱۳۸
۵۹	کفار کی معجزہ طلبی	۱۴۰
	رکوع نمبر۱۱	۱۴۲
	رکوع نمبر۱۲	۱۴۴
۶۰	محو واثبات	۱۴۴
۶۱	علم کتاب علی کے پاس ہے	۱۴۷
۶۲	سورہ ابراہیم کے فضائل	۱۴۹
	رکوع نمبر۱۳	۱۵۰

	رکوع نمبر۱۴	۱۵۱	۸۱	غلاۃ کی رد	۱۹۲	۱۰۰	دعوتِ توحید	۲۳۱
	رکوع نمبر۱۵	۱۵۲		رکوع نمبر ۶			رکوع نمبر ۱۷	
۶۳	درودِ حل	۱۵۶	۸۲	قوم صالح کا ذکر	۱۹۴	۱۰۱	مسئلہ علم غیب	۲۳۳
	رکوع نمبر ۱۶	۱۵۷	۸۳	سبع مثانی	۱۹۵		رکوع نمبر ۱۸	
۶۴	شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ	۱۵۸	۸۴	دشمنانِ پیغمبر کو سزا	۱۹۷	۱۰۲	بروزِ قیامت آئمہ کی گواہی	۲۳۷
۶۵	عالم برزخ کا حال	۱۶۰	۸۵	ایمانِ ابوطالب	۱۹۸	۱۰۳	علم آئمہ کی وسعت	۲۳۸
	رکوع ۱۷	۱۶۱	۸۶	سورہ نحل کے مسائل	۲۰۰	۱۰۴	حضرت موسیٰ و خضر	۲۳۹
	رکوع ۱۸	۱۶۲		رکوع نمبر ۷			رکوع نمبر ۱۹	
۶۶	ابراہیمؑ کی دعا	۱۶۳	۸۷	حضرت قائمؑ کی آمد	۲۰۱	۱۰۵	درسِ اخلاق	۲۴۰
	رکوع نمبر ۱۹	۱۶۵	۸۸	بیانِ توحید	۲۰۱	۱۰۶	عہدِ غدیری	۲۴۴
۶۷	ہولِ محشر	۱۶۵		رکوع نمبر ۸		۱۰۷	حکمِ استعاذہ	۲۴۶
۶۸	نمرود کی سرکشی	۱۶۶	۸۹	نعماتِ خداوندی	۲۰۳		رکوع نمبر ۲۰	۲۴۸
۶۹	سورہ حجر کے فضائل	۱۶۹	۹۰	درسِ معرفت	۲۰۴	۱۰۸	بیانِ تقیہ اور عمار کا واقعہ	۲۴۹
	پارہ ۱۴			رکوع نمبر ۹	۲۰۸		رکوع نمبر ۲۱	۲۵۱
	رکوع نمبر ۱	۱۷۱		رکوع نمبر ۱۰	۲۰۹	۱۰۹	روٹی کی بے قدری کا انجام	۲۵۱
۷۰	تحریفِ قرآن کا مسئلہ	۱۷۳		رکوع نمبر ۱۱	۲۱۱		رکوع نمبر ۲۲	۲۵۴
	رکوع نمبر ۲	۱۷۶		رکوع نمبر ۱۲	۲۱۴	۱۱۰	طریقہ تبلیغ	۲۵۵
۷۱	معجزاتِ ولادتِ رسول	۱۷۷	۹۱	اہلِ ذکر کون ہیں	۲۱۴			
۷۲	مسئلہ خلق و رزق	۱۷۸		رکوع نمبر ۱۳			پارہ ۱۵	
	رکوع نمبر ۳	۱۸۰	۹۲	دعوتِ توحید	۲۱۹	۱۱۱	سورہ بنی اسرائیل کے فضائل	۲۵۸
۷۳	خلقتِ انسان	۱۸۰	۹۳	عربوں کی بد رسوم	۲۲۱	۱۱۲	امکانِ معراج	۲۵۹
۷۴	قوم جن کی پیدائش	۱۸۱	۹۴	ہماری رسوم	۲۲۳	۱۱۳	معراج جسمانی	۲۶۰
۷۵	خلقتِ آدم	۱۸۲	۹۵	المثل الاعلیٰ	۲۲۴	۱۱۴	براق کا حلیہ	۲۶۱
۷۶	سجدہ ملائکہ	۱۸۳		رکوع نمبر ۱۴	۲۲۵	۱۱۵	اہلِ مکہ کا ردِ عمل	۲۶۲
۷۷	اسرارِ روحانیہ	۱۸۷	۹۶	مسائل مشکلہ	۲۲۵	۱۱۶	معراج کا سفرنامہ	۲۶۳
	رکوع نمبر ۴	۱۸۸		رکوع نمبر ۱۵		۱۱۷	جہنم میں جلنے والے	۲۶۷
۷۸	متقی جنت میں جائیں گے	۱۸۸	۹۷	تذکرۂ نعمات و عبرت	۲۲۷	۱۱۸	مقصدِ معراج	۲۶۸
	رکوع نمبر ۵		۹۸	وحی کا معنیٰ	۲۲۸	۱۱۹	حضرت علیؑ کی مثال	۲۷۰
۷۹	قوم لوط کا ذکر	۱۹۰	۹۹	شہد کی مکھی	۲۳۰	۱۲۰	کیا حضرت علیؑ	
۸۰	امر کی وضاحت	۱۹۱		رکوع نمبر ۱۶			شریکِ معراج تھے	۲۷۲

سورۂ یوسف

یہ سورہ مکیہ ہے اور اس کی آیات ایک سو گیارہ ہیں۔

بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص اس کی تلاوت کرے اور اپنے گھر والوں اور غلاموں کو اس کی تعلیم دے خداوند کریم اس پر سکرات الموت آسان کرے گا اور اس کو توفیق دے گا کہ کسی مسلمان سے حسد نہ کرے (مجمع)

بروایت ابوبصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو شخص ہر دن یا ہر رات سورۂ یوسف کی تلاوت کرے تو بروز محشر خدا اس کو جمال یوسف کے ساتھ محشور کرے گا اور قیامت کی گھبراہٹ سے وہ محفوظ رہے گا۔ نیز اس کا شمار خدا کے برگزیدہ بندوں سے ہوگا۔ (مجمع) بروایت عیاشی زانی اور بدکار ہونے سے محفوظ رہے گا (برہان)

بروایت اسماعیل بن ابی زیاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بسلسلہ آبائے طاہرین علیہم السلام بیان فرمایا کہ حضورؐ نے فرمایا عورتوں کو بالاخانوں پر جگہ نہ دو اور لکھنا نہ سکھاؤ نیز سورہ یوسف کی تعلیم بھی ان کو نہ دو بلکہ انہیں چرخہ کاتنا سکھاؤ اور سورۂ نور کی تعلیم دو (مجمع البیان)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص اس کو لکھ کر تین دن گھر میں رکھے پھر گھر کے باہر کی دیوار کے نیچے اس کو دفن کر دے تو اچانک سلطان وقت کی جانب سے اس کو دعوت پہنچے گی اور وہ اپنے حوائج کی برآوری کے لئے اس کو معین کرے گا۔ باذن پروردگار

اور سب سے بہتر یہ ہے کہ اس سورہ مبارکہ کو لکھ کر اگر پی لے تو خدا اس کا نزع آسان کر دے گا۔ اور باذن خدا وہ صاحب جنت ہوگا۔ (برہان)

maablib.org

رکوع نمبر ۱۱ ۔ **الٓرٰ** ۔ حروف مقطعات قرآنیہ میں سے ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں اس کے آیت شمار نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ رؤس آیات کے ساتھ اس کی مشاکلت نہیں ہے۔ بخلاف اس کے طٰہٰ کو آیت شمار کیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس میں مشاکلت موجود ہے۔

تِلْكَ ۔ صرف سورہ یوسف کی آیات کی طرف اشارہ ہے یا پورے قرآن مجید کی طرف اشارہ ہے یعنی هٰذِهِ الْاٰيَاتُ تِلْكَ الْاٰيَاتُ الَّتِيْ وُعِدْتُمْ بِهَا ۔ (ترجمہ) یہ وہی آیتیں ہیں جن کا تورات میں تمہارے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔

شانِ نزول تفسیر مجمع البیان میں ہے۔ علمائے یہود نے سرداران قریش سے کہا تم محمدؐ سے پوچھو کہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد شام سے مصر کی طرف منتقل کیوں ہوئی اور حضرت یوسفؑ کا قصہ کیا ہے؟ چنانچہ یہ سورہ مبارکہ نازل ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ کے نام سے جو رحمن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

الٓرٰ۔ یہ کتاب مبین کی آیتیں ہیں تحقیق ہم نے اس کو اتارا قرآن

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ

عربی تاکہ تم سوچو ہم تم کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں

بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

ساتھ اس وحی قرآنی کے جو تم پر ہوئی اگرچہ تم قبل ازیں اس سے غافل تھے

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ضمیر مفعول سے بدل ہے۔ بروایت ابن عباس حضرت رسالتمآبؐ سے منقول ہے۔ میں عربوں کے ساتھ تین وجوہ سے محبت کرتا ہوں (۱) میں خود عربی ہوں (۲) قرآن مجید عربی ہے (۳) اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔

تفسیر صافی میں بروایت خصال امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ عربی زبان سیکھو کیونکہ یہ وہ زبان ہے جس کے ذریعے سے اللہ نے اپنے بندوں سے خطاب فرمایا۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ یعنی جب یہ کلام عربی ہے اور تم بھی عرب ہو پھر اسلوب بیان، سلاست فصاحت اور بلاغت میں اس کے مقابلہ سے تمہارا عاجز آجانا تمہارے لئے دعوتِ فکر ہے۔ جس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ یہ واقعاً اللہ ہی کا کلام ہے۔

اَحْسَنَ الْقَصَصِ یہ مصدر ہے اور احسن کی نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ معنی میں دو احتمال ہیں۔

(۱) پورا قرآن احسن القصص ہے کیونکہ فصاحت حُسنِ معنی خوبی مطلب، سلاستِ لفظ، تسلسلِ بیان اور تشاکل و تناسب ظاہری کے لحاظ سے یہ اپنی مثال خود آپ ہے۔

(۱) صرف سورہ یوسف اس سے مراد ہے کیوں کہ اس میں جو عجائب و غرائب اور فوائد موجود ہیں وہ اور کہیں نہیں نیز اس قصہ میں جو تفصیل ہے وہ کسی دوسرے قرآنی قصہ میں موجود نہیں ہے۔

(۱) خداوند کریم کے اسمائے طاہرہ توقیفیہ ہیں یعنی اس پر صرف ان ناموں کا اطلاق ہو سکتا ہے جو زبان وحی اسرار و انوار سے صادر ہو چکے ہیں (۲) اگرچہ عَلَّمَ الْقُرْاٰن میں عَلَّمَ کا فاعل اللہ ہے، لیکن توقیف کے لحاظ سے اُس کو معلّم یا مدرس کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا، اسی طرح یُفْتِیْکُمْ فِی النِّسَآء میں یُفْتِیْ کا فاعل اللہ ہے لیکن اسے مفتی کے نام سے یاد نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح اس کا نام کریم ہے، سخی نہیں۔ و علیٰ ہٰذا القیاس۔ بنابریں آیت مجیدہ میں نَحْنُ نَقُصُّ دہم قصہ سناتے ہیں) موجود ہے، لیکن خدا کو قصہ خوان کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ (۳) توقیف کا مقصد یہ ہے کہ اس کے نام صرف وہی ہیں جو صاحب شرع کی لسان وحی ترجمان سے ہم تک پہنچے ہیں، اور وہی اس کے اسمائے حسنہ ہیں جن سے اس کو پکارا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دوسرے ناموں کا اس پر اطلاق ہی ناجائز ہے پس اگرچہ دُعا و ندا میں نہ سہی عام استعمال میں اس پر دوسرے نام بولے جا سکتے ہیں جن کے معانی اس کی ذات میں موجود ہوں مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت یوسف کا قصہ خوان خدا ہے۔ یا خدا نیک لوگوں کا مداح ہے یا فلاں مسئلہ میں مفتی خود خدا ہے یا یہ کہ نبیوں کا معلّم و مدرس وہی ہے۔ و علیٰ ہٰذا القیاس۔ ہاں دُعا و ندا کے مقام پر صرف انہی ناموں سے اس کو پکارا جائے گا جو اس کے اسماء حسنہ ہیں اور توقیف کے ذریعہ سے ہم تک پہنچے ہیں

(۴) خداوند کریم کے وہ نام جو غیر عربی ہیں ان سے پکارنا یقیناً جائز اور صحیح ہے اور یہ منافئ توقیف نہیں ہیں، مثلاً خدا کا لفظ فارسی زبان کا ہے، اسی طرح پروردگار، پالنہار وغیرہ ناموں سے پکارنا درست ہے۔

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ

جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا۔ بابا جان! میں نے دیکھا ہے کہ گیارہ

كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ○

ستارے اور سورج اور چاند میرے لئے سجدہ کر رہے ہیں

اِذْ قَالَ۔ اس کا فاعل اُذْکُرْ محذوف ہے اور نَقُصُّ کا معمول اس کو نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ یوسف و یعقوب کے باہمی مکالمہ کے وقت یہ قصہ نہیں بیان کیا گیا۔

رَاَیْتُ۔ رؤیا سے ہے یعنی میں نے خواب میں دیکھا ہے، اس کے بعد دوبارہ رَاَیْتُهُمْ کا تکرار تاکید کے لئے ہے

اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا۔ تفسیر صافی میں بروایت خصال جابر بن عبداللہ سے مروی ہے۔ ایک دفعہ ایک یہودی جس کا نام بستان تھا خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے یُوسف کے سامنے خواب میں سجدہ کرنے والے ستاروں کے نام پُوچھے آپ خاموش ہوئے تو جبریل وہ نام لے کر نازل ہوا۔ آپ نے بستان کو بلوا کر نام بتا دیئے۔ پس وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ وہ نام یہ تھے۔

(۱) جربان (۲) طارق (۳) ذوالکتفین (۴) قابس (۵) وثاب (۶) عمودان (۷) فیلق (۸) مصبح (۹) صدوح

(۱۰) ذبال (۱۱) ذوالفروغ (۱۲) ضیاء (سورج) (۱۳) نور (چاند)

بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اس کی تاویل یہی تھی کہ آپ مصر کے بادشاہ ہوں گے۔ گیارہ ستاروں کی تاویل ان کے گیارہ بھائی سورج کی تاویل ماں اور چاند کی تاویل ان کا باپ ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے یعقوب کو اسرائیل اللہ کہا جاتا تھا یعنی اللہ کا خالص بندہ، بعض کہتے ہیں حضرت یوسف نے سات برس کی عمر میں خواب میں دیکھا تھا کہ زمین میں گڑی ہوئی گیارہ لمبی لکڑیوں کو ایک چھوٹی لکڑی نے اکھاڑ پھینکا۔ جب یہ خواب انہوں نے اپنے باپ یعقوب کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا پھر بارہ برس کی عمر میں گیارہ ستاروں اور سورج و چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ بروایت قمی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آپ کی عمر نو برس منقول ہے (صافی) اور بروایت ابن عباس جس رات کو خواب دیکھا تھا وہ شب جمعہ اور لیلۃ القدر تھی۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ

فرمایا۔ اے فرزند! اپنے بھائیوں کے سامنے اپنا خواب بیان نہ کرنا شاید وہ تیرے در پے

كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵ وَكَذٰلِكَ

ایذا ہو جائیں کیونکہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے اور اسی طرح

يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ

خدا تجھے برگزیدہ کرے گا اور تجھے خوابوں کی تعبیروں کا علم عطا کرے گا اور تجھ پر اپنی

نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ

نعمت تمام کرے گا اور اولاد یعقوب پر جس طرح اس نے نعمتیں تمام کیں اس سے پہلے

مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ لَقَدْ

تیرے باپ دادا اولاد ابراہیم و اسحٰق پر تحقیق تیرا رب علیم و حکیم ہے البتہ

عَلٰٓى اِخْوَتِكَ علامہ فیض کاشانی قدہ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کے بھائیوں کے نام ہم نے کسی معصوم کی روایت میں نہیں دیکھے البتہ جو بیان کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) یہودا (۲) روبیل
(۳) شمعون (۴) لاوی
(۵) زبالون (۶) یشجر

ان چھ کی ماں کا نام لیا تھا جو حضرت یوسف کی خالہ تھی اس کے بعد حضرت یعقوب نے اس کی بہن راحیل سے شادی کی تھی اور اس سے (۷) بنیامین اور (۸) حضرت یوسف پیدا ہوئے۔ ان کے علاوہ حضرت یعقوب کی دو کنیزیں تھیں زلفہ اور بلہہ اور ان سے چار بیٹے پیدا ہوئے تھے۔ (۹) دان (۱۰) نفتالی (۱۱) جاد (۱۲) آشر

فَيَكِيْدُوْا ۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ نبی کا خواب وحی خداوندی ہوا کرتا ہے اور حضرت یوسف کا خواب

چونکہ ان کی علوِ مرتبت کا غماز تھا۔ لہٰذا بھائیوں کا حسد غیر متوقع تھا۔ بنا بریں فرمایا کہ بھائیوں کے سامنے ظاہر نہ کرنا مبادا وہ اس کی تاویل کو ملحوظ رکھ کر حسد کی آگ میں جلیں اور درپے ایذا ہو جائیں۔

مقامِ نبوت

یَجْتَبِیْکَ اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آیت مجیدہ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ نبی پہلے سے بن کر نہیں آتے بلکہ یہاں آنے کے بعد ان کو خدا کی جانب سے عہدہ نبوت عطا ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب نے اپنے بیٹے حضرت یوسف کو فرمایا کہ خدا تجھے چنے گا جیسا کہ مضارع کے صیغے سے صاف ظاہر ہے اگر نبی پیدائشی ہوتے تو صیغہ ماضی کا ہوتا مثلاً اِجْتَبَاکَ یعنی خدا نے تجھے چن لیا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یوسف میں ابتداء سے ہی وہ خواص و آثار موجود تھے جو نبی کے لئے ہونے چاہئیں اور اسی معیارِ نبوت کے ماتحت ہی حضرت یعقوب نے پیشین گوئی فرمائی۔ اور یہ بات قرینِ انصاف و عدل نہیں کہ کوئی شخص کسی عہدے کا معیار اپنے اندر رکھتا ہو پھر اسے طویل عرصہ تک بلا وجہ اس عہدہ سے محروم رکھا جائے۔ جب کسی کو یہ کہا جاتا ہے کہ میں تجھے انتخاب کروں گا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوا کرتا کہ معیارِ انتخاب بھی تجھ میں بعد میں پیدا ہوگا بلکہ حتمی انتخاب کی پیش کش موجودہ معیار کی خود غماز ہے۔ پس اس جگہ کا مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اپنے مقام پر تو میری نظروں میں تو منتخب ہو چکا ہے۔ لیکن چونکہ ابھی اعلان و اظہار کا موقعہ نہیں لہٰذا وقت آنے پر تیرا ہی اعلان کیا جائے گا۔ پس اس مقام پر بھی یہی مقصد ہے کہ اے یوسف تو برگزیدۂ خدا ہے لیکن تیری برتری و برگزیدگی کے اظہار کے لئے ایک وقت معین ہے جب وہ وقت آئے گا تو خدا تیرے بھائیوں پر اور تمام لوگوں پر تیری برتری کو ظاہر کر دے گا۔ اسی طرح علم تعبیر کا ملکہ و ملاک تجھ میں موجود ہے لیکن وقتِ اظہار بعد میں ہوگا اور اسی بنا پر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا اعلانِ نبوت اٰتَانِیَ الْکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا (مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے) حالانکہ عہدِ طفولیت اور گہوارہ کی زندگی کا مقامِ تبلیغ سے کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ پس مقصد یہ ہے کہ وہ معیار و ملاک جس کے ماتحت نبوت عطا ہوتی ہے وہ مجھ میں موجود ہے جس کی بنا پر میں کتاب و نبوت کا دعویٰ کر رہا ہوں اگرچہ تبلیغ کا مقام بعد میں ہوگا۔

خواب کی حقیقت

انسان کے دماغ میں ایک قوت ہے جس کا نام حس مشترک ہے اور یہ ایک ایسا خزانہ ہے جس میں جمع کرنے کے مختلف راستے ہیں یا ایسا تالاب ہے جس میں مختلف اطراف سے نالیاں پہنچتی ہیں یا ایک ایسا دربار ہے جس میں داخلہ مختلف طرق سے ہوا کرتا ہے۔ گویا مملکت انسانیہ میں حس مشترک وزارتِ داخلہ کی نوعیت رکھتی ہے کہ ملک کے داخلی حالات کی رپورٹ مختلف ذرائع سے وہاں پہنچتی ہے اور بیرون از ملک کی خبریں بھی وہاں جمع ہوتی ہیں پھر نیک و بد میں امتیاز اور مفید و مضر میں فرق اور آخری فیصلہ صادر کرنے کے لئے قوائے حافظہ کو میدانِ عمل میں آنا پڑتا ہے۔

حس مشترک میں بیرونی رپورٹر پانچ ہیں جنہیں حواس خمسہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قوت باصرہ قوت شامہ قوت سامعہ قوت ذائقہ اور قوت لامسہ اور اندرونی حالات قوتِ خیالیہ و واہمہ کے ذریعے سے اس تک پہنچتے ہیں۔ علاوہ ازیں

maablib.org

قوتِ خیالیہ ہر آنے والے تصور کا خیر مقدم کرتی ہے خواہ اس تصور کا تعلق حواس خمسہ میں سے کسی کے ساتھ بھی کیوں نہ ہو پس وہ دیکھنے کے قابل چیزوں کا تصور کرتی ہے، خوشبو و بدبو کا تصور کرتی ہے۔ اسی طرح آوازوں اور ذائقوں کا تصور بھی وہ کر لیتی ہے اور ملموسات میں سرد گرم یا نرم و سخت کا تصور بھی اس میں آسکتا ہے۔

حس مشترک کی توجہ جس طرح حواس ظاہرہ کی طرف رہتی ہے اسی طرح وہ خیال کی طرف بھی متوجہ رہتی ہے۔ پس بعض اوقات جب کسی حس ظاہری میں جذب و دل کشی موجود ہو تو جس طرح حس مشترک اس کے علاوہ باقی حواس ظاہرہ سے عنانِ توجہ پھیر لیتی ہے اسی طرح وہ خیال سے بھی غضِ بصر کر لیا کرتی ہے۔ پس کوئی خیالی تصور اس کے اندر راہ نہیں پا سکتا۔ مثلاً آنکھوں کا منظر اگر دل کش اور روح پرور ہو تو حس مشترک ہمہ تن اسی منظر کی تصویر کشی میں منہمک رہتی ہے نہ اس کی توجہ کسی آواز کی طرف نہ کسی بو و ذائقہ کی طرف اور نہ کسی ملائم و منافر کی جانب ہوتی ہے اور نہ کوئی دوسرا خیال اس کو اپنی طرف منعطف کر سکتا ہے۔ اسی طرح آوازوں و نغموں کی پرکشش گونج اُسے دوسرے تمام مدرکات سے غافل بنا دیتی ہے۔ خواہ وہ حواس ظاہریہ کی وساطت سے ہوں یا قوائے باطنہ خیال و وہم وغیرہ کے ذریعے سے ہوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس تمام قوائے ظاہریہ کا یہی حال ہے اسی طرح یہی حس مشترک اگر قوتِ خیالیہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو تو حواس ظاہریہ کے مدرکات کے جذب سے وہ یکسر غافل ہوا کرتی ہے مثلاً کسی محبوب کے تصور میں ڈوبے ہوئے انسان کے سامنے سے کوئی گذر جائے بلکہ اس کے سامنے کھڑا رہے۔ اُس کی آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود اس کا ادراک نہ کر سکیں گی۔ اُس کے کان صحیح و سالم ہونے کے باوجود قریب کی آواز بھی اس تک نہ پہنچا سکیں گے۔ اسی طرح وہ اس حالت میں کسی بو و مزہ کا ادراک نہ کر سکے گا۔ پس اس کی نظر صرف ایک ہی جانب مرکوز ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس کی آنکھیں ہر جانب سے بند ہوا کرتی ہیں۔

خیال میں باطنی طور پر حواس ظاہرہ کی سی سب قوتیں موجود ہیں۔ پس خیال باطنی طور پر جب محبوب کی آواز پیش کر رہا ہو، تو حس مشترک قوتِ سامعہ ظاہریہ سے توجہ پھیر کر اسی طرف ہی متوجہ ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ کان ظاہری آوازوں کو نہیں سُن سکتے۔ جب تک خیالی سماعت، خیالی آواز کی دل کشی کی طرف حس مشترک کو مسحور رکھے۔ یہ آنکھیں ظاہری شکلوں سے غضِ بصر کر لیتی ہیں۔ جب تک خیالی بصارت، خیالی نقوش کی گرویدہ رہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس سب حواس ظاہرہ کی یہی کیفیت ہے۔

پس جب تک انسان بیدار رہتا ہے تو حس مشترک حواس ظاہرہ کی طرف اچھی خاصی توجہ دیا کرتی ہے بلکہ بالعموم انہی کو اپنے ادراکات کا ذریعہ سمجھتی ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ دیکھنا آنکھ کا فعل نہیں بلکہ حس مشترک کا فعل ہے اور آنکھ اس کا راستہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنکھ کھلی ہونے کے باوجود پاس اور سامنے کی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی۔ جب کہ حس مشترک صورتِ خیالیہ کے تعاقب میں ہو اسی طرح سننا کان کا فعل نہیں بلکہ راستہ ہے۔ نیز ناک زبان اور ہاتھ بو ذائقہ وغیرہ کا ادراک نہیں کرتیں بلکہ یہ راستے ہیں اور مدرک حس مشترک ہوا کرتی ہے جب وہ ان کی طرف متوجہ ہو۔

جب انسان سو جاتا ہے تو حس مشترک کے ادراک کے خارجی راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔ پس اس کی توجہ صرف خیال ہی کی

طرف ہوتی ہے۔ جاگتے ہوئے بھی بعض اوقات خیالی صورتیں اس قدر قوت پکڑ لیتی ہیں کہ انسان ان کو سچ مچ محسوس مبصر سمجھنے لگتا ہے تو سوتے ہوئے جب، کہ ادراکات کے ظاہری راستے سب بند ہوتے ہیں۔ خیالی صورتوں کا وہم کے نزدیک حقیقت کے رنگ میں ڈھل جانا بالکل قرین قیاس اور واقع امر ہے۔ پس صورت خیالیہ کا نیند میں محسوس ہو کر سامنے آنے کا نام خواب ہے پس باتیں بھی ہوتی ہیں شنوائی بھی ہوتی ہے۔ دید و باز دید کے مناظر آمادوں کی فریب کاری اور سوز و گداز وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے غرضیکہ جو خیال پیدا ہوا وہ حقیقت کا جامہ پہنتے ہوئے سامنے آتا جاتا ہے۔

بعض اوقات یہ خیالات شکم پری کے بعد بالکل لغو و بیہودہ ہوا کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات ان میں مستقبل کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے۔ گویا وہ آنے والے واقعات اور رونما ہونے والے حادثات کی قبل از وقت غمازی کرتے ہیں۔ لیکن ان سے واقعات کا صحیح اندازہ کرنا بہت مشکل امر ہے۔ کیونکہ وہ آنے والے واقعات کا بہت دھندلا سا خاکہ پیش کرتے ہیں اور سوائے علم مخصوص کے جس کو اللہ نے عطا فرمایا ہو کوئی دوسرا صحیح نتیجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسی علم کا نام علم تعبیر خواب ہے جس کے متعلق حضرت یعقوب نے اپنے فرزند حضرت یوسف سے فرمایا کہ خداوند کریم تجھے "تاویل احادیث" پر مطلع فرمائے گا اس کو تاویل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ مآل اور بازگشت کا غماز ہوتا ہے۔ اور روایات عامہ میں ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا ۷۰/۱ حصہ ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر کی دوسری جلد یا علی مدد کے عنوان میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ برے خواب جو بالکل بے حقیقت ہوتے ہیں ان کو اضغاث احلام بھی کہا جاتا ہے اور رویائے صادقہ کو الہام یا وحی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام پر وحی کی ایک قسم رویائے صادقہ بھی تھی۔

رکوع نمبر ۱۲

كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ ⑦ إِذْ قَالُوا

یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصہ میں ڈھونڈنے والوں کے لئے کئی سبق ہیں جب انہوں نے

لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَى أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ

تجویز کی کہ یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو بہ نسبت ہمارے زیادہ عزیز ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں تحقیق

أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ⑧ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ

ہمارا باپ صاف غلطی پہ ہے۔ یوسف کو قتل کر دو یا اس کو کہیں دور چھوڑ آؤ تا کہ خالص

آیات - آیت کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے نشانیاں اور ہم نے مرادی ترجمہ کیا ہے مقصد یہ ہے کہ حضرت یوسف اور اس کے بھائیوں کے عجیب و غریب واقعات کا مطالعہ کرنے سے انسان کو جہاں عبرت حاصل ہوتی ہے وہاں کئی سبق بھی ملتے ہیں ① بھائیوں کی ایذا رسانی ② ان کے قتل کی تجویز ③ از راہ حسد اس کو کنوئیں میں ڈالنا ④ متمکن ہونے کے بعد حضرت یوسف کا ان کو معاف کر دینا احسان کرنا اور نہ جتلانا ⑤ بحیثیت غلام کے فروخت

ہونا (۶) زلیخا کی گرفت سے نجات پانا (۷) قید و بند کی صعوبتیں دیکھنا (۸) دکھ کے بعد سکھ اور غلامی کے بعد تختِ حکومت پر متمکن ہونا (۹) خواب کی عملی تصدیق (۱۰) حضرت رسالت مآبؐ کا تفصیل سے اس قصہ کو پیش کرنا۔ حالانکہ ظاہری طور پر کسی سے پڑھا نہ تھا وغیرہ زیرک طبائع کے لئے عبرتیں اور نصیحتیں ہیں۔ نیز دنیا و دین کی فلاح و بہبود کے لئے اس میں ناقابلِ فراموش قیمتی سبق بھی ہیں۔

حضرت یوسفؑ کے قصہ کی ابتدا

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسفؑ حسن میں یکتائے روزگار تھے اور حضرت یعقوبؑ کی ان سے بہت محبت تھی۔ نیز یوسف اور اس کا بھائی چونکہ دوسرے بھائیوں سے سن میں چھوٹے تھے اس لئے بھی حضرت یعقوبؑ ان دونوں کی نازبرداری زیادہ کرتے تھے پس باقی بھائیوں کے دل میں ان کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ اور جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب بیان کیا اور بھائیوں تک وہ کسی ذریعہ سے پہنچا تو ان کے حسد کی چنگاری شعلہ بن کر بھڑک اٹھی۔ پس انہوں نے باپ کی محبوبیت حاصل کرنے کے لئے یوسفؑ کو راستے سے ہٹانے کی تجویز پر غور کرنا شروع کر دیا۔

ادھر زوالِ نعمت کا ظاہری سبب یہ ہوا جیسا کہ ابوحمزہ ثمالی نے امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا دستور تھا ہر روز ایک دنبہ ذبح کر کے اس کے گوشت میں سے صدقہ کرتے تھے اور خود بمع عیال بھی اس سے تناول فرمایا کرتے تھے۔ اتفاق سے شب جمعہ ان کے دروازہ پر ایک مومن سائل پہنچا جو رہگذر مسافر اور روزہ دار بھی تھا اس نے دستک دے کر افطاری کے لئے سوال کیا۔ حضرت یعقوبؑ اور ان کے افراد کنبہ نے سنا تو اس کی بات پر باور نہ کیا۔ چنانچہ اسے کچھ بھی نہ دیا اور وہ مایوس ہو کر روتا ہوا خالی پلٹا اور خالی شکم اس نے دوسرے دن پھر روزہ رکھ لیا۔ ادھر حضرت یعقوبؑ اور اس کے خاندان نے شکم پری سے رات بسر کی جب کہ ان کے ہاں کھانا بچا ہوا بھی موجود تھا۔ خدا کی جانب سے وحی ہوئی کہ امتحان کے لئے تیار ہو جاؤ اور میری قضا پر راضی ہو کر مصائب کا مقابلہ صبر سے کرو۔ اور اسی رات حضرت یوسفؑ نے خواب دیکھا جو بیان ہو

لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿٩﴾ قَالَ قَائِلٌ

ہو جائے تمہارے لئے باپ کی محبت اور اس کے بعد (توبہ کر کے) نیک لوگ بن جاؤ ان میں سے ایک نے

چکا ہے۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس کے بعد ہر صبح کو آواز دیا کرتے تھے کہ روزہ دار۔۔ سویرے کی روٹی یعقوبؑ کے ہاں کھائیں اور شام کو اعلان کرتے تھے کہ جس نے دن بھر روزہ رکھا ہو وہ یعقوبؑ کے دسترخوان پر آ کر کھانا کھائے۔

وضاحت۔ (۱) یوسف کے ساتھ یوسف کا سگا بھائی بن یامین بھی باقی بھائیوں کے حسد کا شکار تھا چنانچہ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ کی صراحت بتاتی ہے (۲) آیت سے ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی خود اپنے باپ یعقوبؑ کا محبوب بننا چاہتے تھے جس سے باپ کی نبوت پر ان کے ایمان اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے (۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

سے عثمان بن سدیر نے سوال کیا کہ اولاد حضرت یعقوب انبیاء تھے ؟ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ اسباط تھے اور دنیا سے توبہ کے بعد سعید ہو کر گئے ④ محبت اور شہوت میں عام خاص من وجہ کا فرق ہے مثلاً بیٹے سے محبت ہوتی ہے شہوت نہیں ہوتی اور بیوی کی محبت میں شہوت بھی شریک ہوتی ہے اور بعض مقامات پر صرف شہوت ہی شہوت ہوتی ہے اور محبت موجود نہیں ہوتی۔ اور محبوب و مرغوب میں بھی یہی فرق ہے ⑤ عُصبۃ اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو ایک دوسرے سے خصوصی ارتباط رکھتے ہوں اور اس کا

مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ
کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو ۔ اور اس کو کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو کوئی قافلہ
بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِينَ ⑩ قَالُوا يٰاَبَانَا مَا لَكَ لَا
اس کو اٹھا کر لے جائے گا اگر تم نے یہ کام کرنا ہے کہنے لگے بابا جان! کیا بات ہے

واحد کوئی نہیں۔ جیسے قوم قبیلہ وغیرہ کی لفظیں ہیں اور اس کا اطلاق دس سے پندرہ تک ہوتا ہے اور بعض کے نزدیک چالیس تک بھی جائز ہے ⑥ حضرت یعقوب کے بیٹوں کا باپ کو ضلال کی طرف نسبت دینے کا مقصد دینی گمراہی نہیں ورنہ وہ اسلام سے خارج ہو جاتے حالانکہ ان کے مومن ہونے پر اتفاق ہے بلکہ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ فرطِ محبت کو اُنہوں نے ضلال سے تعبیر کیا ہے جس کا ترجمہ ان کی حاسدانہ روش کے ماتحت بے راہ روی یا غلطی سے کیا جا سکتا ہے ⑦ پہلا مشورہ (کہ یُوسف کو قتل کر دیا جائے یا کہیں دُور کنوئیں میں ڈال دیا جائے جہاں سے باپ کی طرف واپس نہ آسکے) پیش کرنے والا شمعون اور بعض کے نزدیک روبیل تھا۔ اور دوسرا مشورہ (کہ قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی قافلہ آئے گا تو اس کو وہاں سے نکال کر اپنے ہمراہ لے جائے گا جس سے اس کا واپس پلٹنا مشکل ہو جائے گا) پیش کرنے والا روبیل یا یہودا یا لادی تھا۔ باختلافِ اقوالِ مفسّرین ⑧ اس کنوئیں کے محلِ وقوع کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں بیت المقدس کا کنواں مُراد ہے۔ بعض کے نزدیک وہ اُردن کے علاقہ میں تھا۔ بعض کا قول ہے کہ مدین و مصر کے درمیان تھا اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی جائے رہائش سے اس کا فاصلہ تین فرسخ تھا۔

لَا تَاْمَنَّا در اصل لَا تَاْمَنُنَا ہے چونکہ دو حرف ایک جنس کے جمع ہو گئے ہیں لہذا عربی قاعدہ کے مطابق پہلے کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کر دیا گیا۔ اور بعض قاریوں نے اس کو بغیر ادغام کے اپنے اصلی تلفظ کے ساتھ بھی پڑھا ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ کیا آپ کو یُوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد و وثوق نہیں ہے ؟ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب پہلی مرتبہ حضرت یُوسف کو اُن کے ہمراہ بھیجنے پر رضامند نہیں ہوتے تھے۔

يَرْتَعْ ۔ مجمع البیان میں اس کی دو وجوہ لکھی ہیں ① باب افتعال اِرتعاء سے ہے اور اس کا فاعل اِبل محذوف ہے۔ اس بنا پر اس کی جزم حذف آخر کے ساتھ ہونی چاہیے کیونکہ امر کے جواب میں واقع ہے لیکن عین کا سکون

maablib.org

شاید نلعب کی مشاکلت کی وجہ سے ہے ۲ رَتَعَ یَرْتَعُ سے ہے اور رَتْعٌ کا معنی ہے فائدہ حاصل کرنا اور پالینا اور تفسیر صافی میں رَتْعَۃٌ کا معنی سرسبزی و شادابی لکھا ہے اور مرادی ترجمہ یہ کیا ہے کہ اس کو ہمارے ساتھ بھیجئے۔ تاکہ پھل و میوہ جات کھائے اور یَلْعَبْ کا معنی ہے تفریح طبع جو چلنے پھرنے سے یا تیر اندازی سے حاصل ہو۔ چونکہ حضرت یوسف نبی تھے لہذا لہو و لعب جو عامیانہ طریق کار ہے ان کی شان سے بعید ہے اور حضرت یوسف کے بھائی اگرچہ ہمارے اعتقاد کی رُو سے نبی نہ تھے (اگرچہ بعض لوگ ان کو بھی نبی مانتے ہیں) تاہم وہ مومن تھے۔ اور حضرت یعقوب کے فرمانبردار تھے لہذا بعید ہے کہ حضرت یوسف کو ساتھ لے جانے کے لئے یعقوب کے سامنے درخواست میں ایسا کلمہ

تَأْمَنَّا عَلٰى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنٰصِحُونَ ⑪ أَرْسِلْهُ مَعَنَا

یوسف کے بارے میں آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں اس کو بھیجئے کل ہمارے

غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ⑫ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي

ساتھ تاکہ سیر و تفریح کرے اور ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں فرمایا میں غمزدہ ہوتا ہوں کہ

أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ⑬

تم اس کو ساتھ لے جاؤ اور ڈرتا ہوں مبادا اس کو بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے غافل ہو

پیش کریں جو منافی شانِ نبوت ہو لہذا لعب سے مُراد ایسی تفریح ہے جو حدودِ شریعت کے اندر ہو۔ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے ہر لعب حرام ہے سوائے تین چیزوں کے (۱) تیر اندازی (۲) گھوڑ دوڑ (۳) اپنی منکوحہ کے ساتھ۔ بعض قاریوں نے غائب کی بجائے نون متکلمؔ کے ساتھ پڑھا ہے۔ نَرْتَعُ وَنَلْعَبُ

بعض کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر سترہ برس تھی اور اسی برس کے بعد والد سے ملاقات ہوئی پھر تیئیس برس کے بعد کل ایک سو بیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ نیز ۷ یا ۹ یا ۱۰ یا ۱۲ برس کی عمر میں باپ سے جُدائی اور ۴۰ برس کے بعد ملاقات کی روایات بھی موجود ہیں۔

وَاَخَافُ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس علاقہ میں بھیڑیئے بکثرت تھے اور کہتے ہیں حضرت یعقوب نے خواب میں دیکھا تھا کہ دس بھیڑیوں نے یوسف پر حملہ کیا اور دیکھا کہ ایک بھیڑیا ان میں سے حضرت یوسف کی طرفداری کرتا تھا۔ پس اچانک زمین پھٹی اور حضرت یوسف اس میں داخل ہو گئے اور تین روز کے بعد وہاں سے نکلے۔ حضرت رسالتمآبؐ سے مروی ہے کہ کسی کو جھوٹا بہانہ نہ سکھاؤ۔ کیونکہ حضرت یعقوب کے بیٹے اس سے پہلے یہ نہیں جانتے تھے کہ بھیڑیا انسان کو کھایا کرتا ہے پس باپ نے ان کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا (اور وقت ضرورت انہوں نے وہی بہانہ پیش کر دیا)

اَلذِّئْبُ۔ اس کا معنی ہے بھیڑیا۔ اس کی جمع اَذْؤُب۔ ذِئَاب اور ذُؤْبَان ہوتی ہے۔ اور اس کے بیشہ کو مَذْأَبَہ

کہا جاتا ہے۔

اَجْمَعُوْا ۔ یعنی اتفاق آراء کے بعد پختہ ارادہ کر لیا۔ اجماع سے ہے۔

الْجُبِّ ۔ الف و لام عہد خارجی کا ہے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ کنواں ان کے نزدیک مشہور و معروف تھا۔ جہاں قافلے وارد ہوا کرتے تھے۔ اور بعض نے یہ الف و لام عہد ذہنی کا بتایا ہے کہ وہ کسی کنوئیں کی تلاش میں تھے جس کا پانی یوسف کو غرق نہ کر دے۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾	
کہنے لگے اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں تو تحقیق ایسی صورت میں ہم زیاں کار ہوں گے	
فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ	
پس جب اس کو لے گئے اور ارادہ کر لیا کہ اس کو کنوئیں کی گہرائی میں پھینک دیں اور	
وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾	
ہم نے اس کو وحی کی کہ تو (وقت آنے پر) ان کو ان کے اس کرتوت سے مزید آگاہ کرے گا جبکہ وہ نہ جانتے ہوں گے	

قصہ۔ بیٹوں کے اصرار سے مجبور ہو کر آخر کار حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو ان کے ہمراہ روانہ کر دیا اور بھائی اس کو نہایت اکرام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے چلے جب جنگل میں پہنچے تو ان کے حسد کی قلعی کھل گئی۔ اور پوشیدہ عداوت ہاتھ اور زبان سے ظاہر ہونے لگ گئی پس وہ مارتے جاتے تھے اور یوسف ہر ایک کو دہائی دیتا اور فریاد کرتا تھا لیکن کوئی شنوائی نہ ہوتی تھی پس وہ بابا۔ بابا کر کے روتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے جب قتل کا ارادہ کیا تو لاوی نے روک دیا۔ جیسا کہ بروایت مجمع البیان آئمہ طاہرین علیہم السلام سے منقول ہے۔

مروی ہے کہ بھائی آخر کار اس کو ایک کنوئیں کے کنارے پر لے آئے اور جب وہ اس کو اس میں لٹکاتے تھے تو وہ کنوئیں کے کنارہ سے لٹک جاتے تھے۔ بھائیوں نے یوسف کی قمیص اتار لی اور وہ بار بار التجا کرتا تھا کہ مجھے برہنہ نہ چھوڑو اور مجھے اپنی قمیص واپس کر دو۔ اس کے جواب میں وہ کہتے تھے کہ چاند، سورج اور گیارہ ستاروں کو بلاؤ تاکہ تیرے ساتھ ہمدردی کریں۔ پس انہوں نے کنوئیں میں لٹکا دیا جب نصف تک پہنچا تو انہوں نے چھوڑ دیا تاکہ چوٹ لگنے سے اس کا کام تمام ہو جائے لیکن چونکہ کنوئیں میں پانی تھا اس لئے چوٹ نہ لگی پس وہ اٹھ کر ایک بلند پتھر پر آ بیٹھے جو اس میں تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہودا اس کو وہیں کھانا پہنچا جایا کرتا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت یوسف کی برکت سے کنوئیں میں روشنی پیدا ہو گئی اور اس کا پانی میٹھا ہو گیا اور اس میں غذائیت پیدا ہو گئی جس کی بدولت وہ دنیاوی اشیائے خوردنی و نوشیدنی سے بے نیاز ہو گئے۔ اس سے قبل وہ پانی گندلا اور ناقابل استعمال تھا۔ اب صاف و شفاف اور شیریں و خوش ذائقہ بن گیا۔ خداوند کریم نے ان کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ موکل کر دیا بعض

کہتے ہیں وہ جبریل تھا۔ اور پتھر بھی اسی وقت پانی کی تہ سے اوپر ابھر آیا جس پر حضرت یوسف آ بیٹھے جب کہ بدن پر قمیص بھی

مجمع البیان میں بروایت مفضل بن عمر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خلیل خدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا تو ان کے بدن سے لباس اتار لیا گیا تھا تو فوراً جبریل نے حریر جنت سے ایک قمیص لا کر ان کو پہنا دی اور بعد میں یہی قمیص آپ کے پاس موجود رہی اور آپ کے بعد حضرت اسحٰق اس کے وارث ہوئے اور پھر حضرت یعقوب کے ورثہ میں پہنچی جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے وہی قمیص ایک تعویذ میں بند کر کے یوسف کے گلے میں لٹکا دی جو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اب جو بھائیوں نے برہنہ کر کے کنوئیں میں ڈال دیا تو جبریل نے آ کر گلے کا تعویذ کھولا اور وہی قمیص حضرت یوسف کو پہنا دی۔ اور یہی قمیص ہے جس کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام نے محسوس کی تھی جب کہ قافلہ مصر سے روانہ ہوا اور آپ فلسطین میں تھے۔ فرمایا۔ اِنِّی لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ۔ الآیۃ اسی کتاب میں بروایت مسمع بن سیار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب بھائیوں نے یوسف کو کنوئیں میں ڈالا تو جبریل نے آ کر پوچھا تجھے کس نے یہاں پھینکا ہے؟ تو جواب دیا کہ باپ کی محبت کی وجہ سے بھائیوں نے حسد کر کے مجھے یہاں پھینکا ہے۔ جبریل نے کہا کیا تو کنوئیں سے نکلنا چاہتا ہے؟ فرمایا یہ بات ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے پروردگار کی مشیت کے تابع ہے تو جبریل نے کہا ابراہیم اسحٰق و یعقوب کا پروردگار فرماتا ہے کہ تم دعا سے مجھے پکارو

جبریل کی تیز رفتاری

تفسیر برہان میں حضرت رسالت مآب سے مروی ہے آپ نے جبریل سے دریافت کیا کہ کبھی تجھے تھکان بھی ہوئی ہے تو عرض کی حضور! تین مرتبہ ایسا ہوا ہے (۱) جب حضرت ابراہیم کو آتش نمرود میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اور میرے خلیل کی جلد خبر لو مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ تیرے پہنچنے سے پہلے آگ میں چلا گیا تو فرشتوں کے دفتر سے تیرا نام کاٹ دوں گا پس میں نے تعمیل کی اور ابھی تک آگ میں نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں نے حاضر ہو کر عرض کی اے ابراہیم! کیا تیری کوئی حاجت ہے؟ تو کہنے لگے۔ اِلَی اللّٰہِ فَنَعَمْ وَ اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا یعنی بے شک اللہ کی طرف تو مجھے حاجت ہے لیکن تجھ سے نہیں (۲) جب ابراہیم کو اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کے ذبح کا حکم ہوا اور انہوں نے چھری اٹھائی تو مجھے حکم خداوندی ہوا کہ فوراً پہنچو اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر تیرے پہنچنے سے پہلے چھری اسمٰعیل کے حلق تک پہنچ گئی تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا پس میں فوراً پہنچا۔ اور چھری کو الٹا کر دیا اور فدیہ لا کر چھری کے نیچے لٹا دیا (۳) جب یوسف کو کنوئیں میں پھینکا گیا تو خدا نے مجھے وحی فرمائی کہ اے جبریل یوسف کی خبر لو اور مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم اگر وہ تجھ سے پہلے کنوئیں کی تہ میں پہنچا تو تیرا نام فرشتوں کے دفتر سے کاٹ دوں گا چنانچہ ابھی تک وہ تہ تک نہ پہنچنے پائے تھے کہ میں پہنچ گیا اور صحیح و سالم اس کو کنوئیں میں پڑے ہوئے ایک پتھر پر بٹھا دیا۔ پس مجھے تھکان محسوس ہوئی اس کنوئیں میں سانپ و اژدہا رہتے تھے جب انہوں نے دیکھا تو ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کرو کیونکہ آج ایک نبی کریم ہمارا مہمان ہے۔ پس وہ اپنی جگہ پر پابند رہے لیکن اژدہا

ایذاء رسانی کے لئے آگے بڑھے۔ پس ایک ایسا دھماکہ آیا کہ ان کے کان بند ہو گئے اور قیامت تک وہ ایسے رہیں گے۔

ابن عباس سے منقول ہے جب حضرت یوسف کنوئیں میں موذی جانوروں سے مطمئن ہو کر آرام فرما ہوئے تو اپنے بھائیوں کو آواز دے کر کہا کہ ہر مرنے والے کو وصیّت کرنے کا حق ہے پس میری چند وصیتیں سن لو۔ (۱) جب گھر پہنچنا میری تنہائی کو یاد کرنا (۲) جب امن کی زندگی گذارنا میری وحشت کو نہ بھولنا (۳) جب طعام کھانا تو میری بھوک کو یاد میں لانا۔ (۴) جب پانی پینا تو میری پیاس کو یاد کرنا (۵) جب کوئی جوان دیکھنا تو میری جوانی کو یاد کرنا۔ پس جبریل نے آکر کہا ان وصیتوں کو چھوڑیئے اور پروردگار سے مناجات کیجئے۔ الخ۔ نیز مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے یوسف کو بھائیوں کے ہمراہ روانہ کرنے سے قبل ان سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ عَلِیٌّ وَلِیُّ اللّٰهِ کے کلمہ طاہرہ کی دہائی دے کر یوسف کی سلامتی کا عہد لیا تھا۔ حضرت یوسف کو جو امر پروردگار سے دعا تعلیم کی گئی وہ یہ ہے۔

یوسفؑ کی کنوئیں کے اندر دعا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِاَنَّ لَكَ الْحَمْدُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْ تَجْعَلَ لِیْ فِیْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّ تَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ۔

اے اللہ۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ تو ہی حمد کا سزاوار ہے اور تیرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں تو ہی آسمانوں زمین کا خالق ہے اے جلال و اکرام کے مالک محمد و آل محمد پر رحمت نازل فرما۔ اور میرے لئے تنگی سے کشادگی اور اس قید و بند سے آزادی کی راہ پیدا کر اور مجھے رزق عطا کر جہاں سے مجھے توقع ہو اور جہاں سے توقع نہ ہو سمیع بن سیار کی روایت میں ہے کہ

آپ نے فرمایا پس حضرت یوسف کی دُعا مقبول ہوئی خدا نے اس کو کنوئیں کی تنگی اور قید سے فوراً نجات بخشی اور اسی دعا کے صدقہ میں وہ عورت کی فریب کاری سے بچے اور اسی کی بدولت خدا نے ان کو مصر کی حکومت عطا فرمائی جو ان کی توقعات سے بعید تھی۔ اور بروایت علی بن ابراہیم حضرت یوسف قید چاہ میں عرض کرتے تھے۔ اے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے پروردگار! میری کمزوری بے چارگی اور کم سنی پر رحم فرما

تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السّلام سے مروی ہے کہ بھائی جب حضرت یوسف کو لے چلے ابھی کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ حضرت یعقوب تیزی سے پیچھے آملے اور یوسف کو ان سے لے کر ایک بار پھر سینہ سے لگا لیا اور فرط محبت سے بہت روئے پھر ان کے حوالہ کر دیا چنانچہ اس دفعہ انہوں نے تیز رفتاری سے منزل کو طے کرنا شروع کر دیا۔ مبادا پھر حضرت یعقوب پیچھے سے پہنچ کر ہم سے یوسف کو لے لیں پس وہ درختوں کے ایک

۔۔۔گل میں پہنچے اور وہاں اس کے ذبح کی تجویز کی تاکہ بھیڑیے اس کے گوشت کو کھا جائیں ان میں سے جو بزرگتر تھا اس نے
۔۔۔ا۔ نہیں اس کو قتل نہ کرو بلکہ اگر تم نے کرنا ہے تو اس کو کنوئیں میں پھینک دو کوئی قافلہ اس کو وہاں سے نکال کر کہیں دُور
۔۔۔لے جائے گا۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا اور روانہ ہونے لگے تو حضرت یوسف نے کنوئیں کے اندر سے آواز دی میرے بابا
۔۔۔و میرا سلام کہہ دینا۔ جب انہوں نے آواز سُنی تو آپس میں کہنے لگے کہ ہمیں یہاں سے نہیں جانا چاہیے جب تک کہ اس کی موت
۔۔۔یقین نہ ہو جائے چنانچہ کافی دیر تک بیٹھے رہے اور آخر کار مایوس ہو کر واپس پلٹے۔ ایک روایت میں ہے جب انہوں نے کنوئیں
۔۔۔یں پھینکنے کا ارادہ کیا تھا تو یوسف سے کہا تھا کہ قمیص اتارو۔ حضرت یوسف نے معذرت چاہی تو ایک بھائی نے چھرا نکال کر
۔۔۔تل کی دھمکی دی اور زبردستی قمیص اتار لی پھر کنوئیں میں پھینک دیا۔ واپسی پر انہوں نے یہ طے کر لیا کہ یوسف کی قمیص کو کسی خون
۔۔۔سے آلودہ کر لیا جائے تاکہ باپ کے سامنے ہمارے اس عذر کی شنوائی ہو سکے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ راوی نے کہا بھائیو!
۔۔۔راہیم خلیل اللہ کے فرزند اسحٰق نبی اللہ تھے اور اس کے فرزند یعقوب اسرائیل اللہ ہیں۔ اور اس کی ہم اولاد ہیں۔ تم کیا سمجھے ہو کہ خدا
۔۔۔یوں سے یہ بات چھپائے گا؟ حیرت میں آکر کہنے لگے پھر کونسا حیلہ تلاش کیا جائے؟ آخر سوچ و بچار کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ اٹھو
۔۔۔سل کر لو اور نماز باجماعت ادا کر کے گڑگڑا کر اللہ سے دعا مانگو وہ جواد و کریم ہے شاید منظور کر لے اور ہمارا راز فاش نہ ہو۔ حضرت
۔۔۔راہیم و اسحٰق و یعقوب کی شریعت کا فیصلہ یہ تھا کہ گیارہ آدمیوں سے کم نماز باجماعت نہیں ہو سکتی تھی اور یہ دس تھے جب غسل
۔۔۔ر چکے اور صف باندھ کر کھڑے ہو گئے تو گیارہواں آدمی نہیں تھا جو فرائض امامت انجام دے پس حیران تھے کہ راوی نے کہا چلو
۔۔۔دا کو ہی اپنا امام قرار دے لو چنانچہ انہوں نے نماز ادا کی اور نہایت گریہ و زاری سے اپنی رازداری کی خدا سے درخواست کی۔
۔۔۔اَوْحَیْنَا۔ تفسیر صافی میں ہے کہ خدا نے بچپنے میں یوسف کی طرف وحی کی جس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ کی طرف ہوئی
۔۔۔۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ نبوت وہبی عہدہ ہے نہ کہ کسبی کیونکہ بچپنے میں کسب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آیت مجیدہ کے لفظ بتلاتے
۔۔۔ کہ حضرت یوسف اس وقت نبی تھے اگرچہ کم سن تھے اور اَوْحَیْنَا کی عہدہ نبوت پر دلالت التزامی ہے۔
لَتُنَبِّئَنَّهُمْ۔ مضارع کا صیغہ ہے لام اور نون تاکید اس پر داخل ہیں یعنی تمہارا بھائیوں کو ان افعال کے متعلق جتلانے
۔۔۔قت آئے گا جب کہ ان کو پتہ نہ ہو گا کہ تم ہی یوسف ہو۔ اس لفظ میں دو طرح کی پیشین گوئیاں موجود ہیں ایک یہ کہ تم گھبراؤ نہیں
۔۔۔عنقریب تم کو اس مصیبت سے نجات مل جائے گی اور دوسری یہ کہ مصائب کا دور گذرنے کے بعد تمہیں اقتدار حاصل
۔۔۔ اور یہی بھائی تمہارے در پہ حاضر ہوں گے اور تم ان کو گذشتہ امور کی خبر دو گے۔ چنانچہ زمانِ اقتدار یوسف میں جب وہ مصر
۔۔۔ے تو حضرت یوسف ان کو پہچان گئے لیکن وہ نہ جانتے تھے کہ آپ یوسف ہیں پس حضرت یوسف نے ایک کٹورے پر
۔۔۔سکی ماری تو اس سے جھنکار کی آواز پیدا ہوئی پس آپ نے فرمایا یہ کٹورا مجھے خبر دے رہا ہے کہ تمہارا ایک پدری بھائی تھا
۔۔۔ کو تم نے کنوئیں میں پھینکا تھا اور کھوٹے پیسوں میں بیچ ڈالا تھا۔
وَجَآءُوْا۔ رات کے وقت تاریکی میں پلٹنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ آنکھوں کو شرم نہ آئے۔ بہانہ بنانے میں جھجک

نہ ہے اور بناوٹی گریہ کی قلعی نہ کھلے آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ہر رو کر بات کرنے والا ضروری نہیں کہ سچا ہو بلکہ صداقت
کا معیار اس سے جدا ہے۔

وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ﴿١٦﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا

اور آئے باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے کہنے لگے بابا جان ہم تیر اندازی کے

نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ

مقابلے کے لئے گئے اور یوسف کو سامان کے پاس چھوڑا پس اس کو بھیڑیے نے کھا لیا

وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

اور آپ ہماری بات پر باور نہ کریں گے اگرچہ ہم سچ کہتے ہوں

وما انت - چور کی داڑھی
میں تنکا کا مقولہ یہاں خوب
منطبق ہو رہا ہے کہ اگرچہ ہم
سچ کہیں تب بھی آپ ہماری
باتوں پر باور کرتے نہیں
یعنی یہ انہوں نے اپنے منہ سے
خود ہی اپنی کذب بیانی
کو ظاہر کر دیا ہے یا ایسے
سے کہا کہ پہلے سے حضرت یعقوب یوسف کو ان کے ہمراہ بھیجنے پر راضی نہ تھے اور یوسف کے بارے میں ان پر اعتماد
نہ کرتے تھے کیونکہ ان کا حاسدانہ رویہ آپ پر آشکار تھا۔

بدم کذب کہتے ہیں ایک بکرا ذبح کر کے اس کا خون یوسف کی قمیص پر مل دیا اور بعض کہتے ہیں کہ ایک ہرن کے خون سے
اس کو رنگین کر لائے اور ان کو یہ خیال تک نہ تھا کہ بھیڑیا جب انسان کو پھاڑتا ہے تو اس کے لباس کو بھی وہ پھاڑ ڈالتا ہے ورنہ
حضرت یوسف کی قمیص کو بھی وہ پھاڑ ڈالتے پس حضرت یعقوب نے ان سے قمیص طلب کی دیکھا کہ وہ تو بالکل صحیح و سالم ہے
فرمایا بیٹے میں نے آج تک ایسا باحوصلہ درندہ نہیں دیکھا کہ اس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اس کی قمیص کو ذرہ بھر نقصان
نہیں پہنچایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ یوسف کی قمیص کو آنکھوں پر لگا کر کہا، اے یوسف تجھے کسی رحم دل بھیڑیے نے
کھایا ہے جس نے تیرا گوشت کھا لیا اور تیری قمیص کو گزند نہ پہنچایا۔ جب حضرت یوسف کے بھائیوں نے دیکھا کہ ہمارا یہ بہانہ
صحیح نہیں ثابت ہوا تو کہنے لگے نہیں بلکہ اس کو ڈاکوؤں نے قتل کر ڈالا ہے آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو یوسف کی قمیص لے
جاتے کیونکہ چور ڈاکو مال کی خاطر ہی چوری یا ڈاکہ کیا کرتے ہیں۔ لہذا یوسف کے قتل سے ان کے لئے یوسف کی قمیص زیادہ
بہتر و مناسب تھی۔ پس تمہارے نفسوں نے تمہیں دھوکہ میں ڈال کر ایک بات پر تمہیں آمادہ کر لیا ہے لہذا میرے لئے صبر
کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں۔

سولت لغت تسویل سے ہے اس کے دو معنے کئے گئے ہیں (۱) نفس کا ایسی شئی کو مزین کر کے پیش کرنا جو درحقیقت
اچھی نہ ہو (۲) نفس کا ایک مطلب کو تصور کر کے اس کی تکمیل کا طمع کرنا۔

سیارۃ کہتے ہیں یہ قافلہ مدین سے مصر کو جا رہا تھا کہ راستہ بھول کر اس طرف آ گئے۔ اور یہ کنواں آبادیوں سے کافی

دور تھا۔ اس کا پانی نمکین تھا پھر وہاں لوگ اس کو استعمال کیا کرتے تھے اور بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ لب شرک تھا۔ بہرکیف قافلہ والوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا جس کا نام مالک بن ذعر لکھا ہے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اور اس کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لائے فرمایا (یہ بات نہیں) بلکہ زینت دی تمہارے

لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي

لئے تمہارے نفسوں نے ایک بات پس صبر جمیل خوب ہے، اور اللہ سے طلب مدد کرتا ہوں اس

مَا تَصِفُوْنَ ⑱ وَجَاۗءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ

بات پر جو تم بیان کرتے ہو۔ اور ایک قافلہ آیا انہوں نے پانی لانے کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ اس

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ

نے ڈول لٹکایا تو حیرت سے کہنے لگا اے بشریٰ یہ تو لڑکا ہے اور انہوں نے اس کو چپکے سے اپنی

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ

پونجی بنا لیا اور خدا جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں اور بیچ دیا اس کو کھوٹے پیسوں میں جو چند

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ⑳

درہم تھے اور اس معاملہ میں وہ پرہیز کرنے والے تھے

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۔ ادلا کا معنی ڈول لٹکانا ہے پس جب پانی کے لئے اس نے ڈول لٹکایا تو حضرت یوسف نے وہ رسی پکڑ لی جب اس نے ڈول کو کھینچا تو ایک نہایت خوبصورت لڑکا اس میں بیٹھا ہوا پایا۔

يٰبُشْرٰى ۔ ایسے مقامات میں جب کہ منادی غیر ذوی العقول میں سے ہو تو ندا مخاطبین کی تنبیہ اور قصہ کی عظمت کے لئے لائی جاتی ہے۔ پس یہاں بشریٰ کو ندا حاضرین کو ملتفت کرنے اور واقعہ کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کیونکہ کنوئیں سے ایک خوبصورت لڑکے کا نکل آنا ایک خوشخبری بلکہ انتہائی نیک بختی کی علامت ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ ڈول میں بیٹھے اور وہ بھارا معلوم ہوا پس کھینچنے والے نے دیکھا تو لڑکے کو بیٹھا ہوا پایا پس اپنے ایک ساتھی بشریٰ نامی کو پکار کر کہا کہ یہ تو لڑکا بیٹھا ہے۔ لیکن پہلا قول قرین صحت ہے۔

اَسَرُّوْهُ ۔ یہ اسرار سے ہے جس کا معنی ہے پوشیدہ رکھنا۔ اس مقام پر اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں پہلی یہ کہ حضرت یوسف جن کے ہاتھ لگے تھے انہوں نے اس کو اپنے باقی رفقاء سے پوشیدہ کر لیا۔ پونجی کی حیثیت سے تاکہ وہ اس میں حصہ دار نہ بن سکیں اور یہ ظاہر کیا کہ یہ لڑکا کنوئیں کے مالکوں کی ملکیت ہے اور انہوں نے ہمیں فروخت کرنے کے لئے دیا ہے پس اس کے فروخت کرنے میں ہم ان کی طرف سے وکیل ہیں اور دوسری یہ کہ اَسَرُّوْهُ کی فاعل کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف کے بھائی ہوں یعنی انہوں

نے دل میں حضرت یوسف کو اپنی پونجی قرار دے دیا پس اس کا بھائی ہونا ظاہر نہ کیا بلکہ کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو ہم سے بھاگ کر یہاں آچھپا ہے۔ اور عبرانی زبان میں یوسف سے کہا خبردار اگر تو نے ہمارا بھائی ہونا ظاہر کیا تو ہم تجھے قتل کر دیں گے اور یہی دوسری توجیہہ درست معلوم ہوتی ہے۔

بِثَمَنٍ بَخْسٍ۔ بخس کا معنی کھوٹا کم قیمت یا حرام کیونکہ آزاد کو بیچنا حرام ہے لہذا اس سے حاصل شدہ قیمت بھی حرام ہے۔

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ۔ مروی ہے کہ بیس درہم تھے جو انہوں نے آپس میں دو دو کر کے بانٹ لئے۔ بعض روایات میں ۲۲ - ۴۰ اور ۱۸ بھی منقول ہیں۔

وَشَرَوْهُ بعض کہتے ہیں اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جنہوں نے کنوئیں سے نکالا تھا پس انہوں نے ہی بیچ دیا لیکن صحیح یہ ہے کہ جب کنوئیں سے حضرت یوسف کو مالک بن زعر نے نکالا تو یہودا دیکھ رہا تھا پس اس نے بھائیوں کو اطلاع کر دی پس وہ آئے اور انہوں نے یوسف کو مالک بن زعر پر فروخت کر دیا۔ اور ابوحمزہ ثمالی کی تفسیر سے منقول ہے کہ مالک اور اس کے ساتھیوں نے اس سفر میں بہت خیر و برکت دیکھی اور جب حضرت یوسف ان سے جدا ہوئے تو وہ برکات بھی ساتھ ساتھ رخصت ہو گئیں جو ان کے وجود سے معرض وجود میں آئی تھیں پس مالک کے دل میں کشش پیدا ہوئی اور حضرت یوسف کے پاس پہنچ کر نسب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا میں یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم کا فرزند یوسف ہوں پس مالک نے ان کو گلے سے لگا لیا۔ اور بہت رویا چونکہ بے اولاد تھا اس لئے حضرت یوسف سے دعا کی خواہش کی اور حضرت یوسف نے اس کے لئے اولاد نرینہ کی دعا کی پس خدا نے قبول فرمائی اور وہ صاحب اولاد ہوا تفسیر صافی میں بروایت علل و عیاشی حضرت سجاد علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف کے بھائی یوسف کو کنوئیں میں ڈال کر چلے گئے اور دوسرے دن واپس آئے تاکہ معلوم کریں کہ یوسف مر چکا ہے یا زندہ ہے پس یہاں پہنچے تو قافلہ کو فروکش دیکھا جب یوسف کنوئیں سے نکلے تو انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے جو کنوئیں میں کل گر گیا تھا اب ہم اس کو نکالنے کے لئے آئے ہیں پس ان سے لے لیا اور بعد میں بیچ دیا۔

مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔ اس کے معنی میں تین وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ جن لوگوں نے خریدا تھا وہ دل سے نہ چاہتے تھے کیونکہ وہ حضرت یوسف میں آزادوں، شریفوں اور بلند خصلت لوگوں کی سی عادات و اطوار ملاحظہ کر چکے تھے لہذا ڈرتے تھے کہ کہیں آزاد کو اپنا غلام بنا کر سرزنش کے حقدار نہ بن جائیں۔ دوسری یہ کہ خریدنے والے حضرت یوسف کے معاملہ میں پرہیزگار تھے کہ نیت بد سے خرید نہ کیا تھا بلکہ نفع خوری کی خواہش ان کے دل میں تھی۔ تیسری یہ کہ بیچنے والے یعنی حضرت یوسف کے بھائی دل سے اس کو بیچنا نہیں چاہتے تھے اور نہ ان کو اس قیمت میں کوئی طمع تھا صرف وہ اس کی باپ سے جدائی کے ہی خواہش مند تھے۔

رکوع ۱۳ - قصہ۔ پس مالک بن زعر حضرت یوسف کو خرید کر روانہ ہوا اور طے مسافت کے بعد مصر میں وارد ہوا۔ بروایت علل حضرت سجاد علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کے گھر سے مصر بارہ دن کا راستہ تھا، اور

بروایت کافی امام صادق علیہ السلام سے اٹھارہ دن کی مسافت منقول ہے اور مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خوشخبری سننے کے بعد یہ مسافت نو دن میں طے کی تھی۔

اس زمانہ میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید تھا جو قوم عمالقہ سے تھا یہ شخص حضرت یوسف پر ایمان لاکر فوت ہوا اس کے بعد عنانِ حکومت قابوس بن مصعب نے سنبھالی جو کافر تھا اور حضرت یوسف کی دعوتِ اسلام کو اس نے قبول نہ کیا

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اَكْرِمِیْ

اور اہل مصر میں سے جس نے اس کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کی ضیافت

مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ

اچھی کرو کہ شاید یہ ہمیں نفع دے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنالیں اور اسی طرح

مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ

ہم نے اقتدار دیا یوسف کو زمین میں اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر کا علم

الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ

دیں اور خدا غالب ہے اُس (یوسف) کے معاملہ پر لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ

اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب وہ اپنی جوانی کو

اس زمانہ میں مصر کے شہنشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا اور وزیر اعظم خزانچی اور سالارِ فوج کا عہدہ ایک شخص کے سپرد ہوا کرتا تھا جس کو عزیز کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ لقب دوسروں کے لئے ممنوع تھا حتیٰ کہ اگر کوئی دوسرا آدمی اپنا نام عزیز رکھتا تو اس کی بطور سزا کے زبان کاٹ دی جاتی تھی اس زمانہ میں عزیز مصر تطفیر یا اطفیر نامی ایک شخص تھا جو نامرد تھا اور اس کی عورت کا نام راعیل تھا جو زلیخا کے لقب سے مشہور تھی۔

مصر میں پہنچتے ہی حضرت یوسف کے حسن کا چرچا ہو گیا بازار میں خریداری کے لئے لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا لوگ حسن یوسف کے دیدار کے لئے جوق درجوق جمع ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر قیمت میں اضافہ کرتے جاتے تھے اور ہر خریدار اپنی موجودہ پونجی کو یوسف کی قیمت میں ادا کرنے کے لئے بے قرار تھا۔ پس قیمت بڑھتے بڑھتے عام خریداروں کی استطاعت سے اوپر چلی گئی اور طے پایا کہ حضرت یوسف کی قیمت اس کے وزن کے برابر سونا اور مسک ہوگا عزیز مصر کے ہاتھ میں چونکہ شاہی خزانہ کی کنجیاں تھیں پس اس نے مالک بن زعر سے اسی متعینہ قیمت پر خرید لیا اور اپنی عورت سے سفارش کی کہ اس کے طعام و قیام کا خاص خیال رکھے چونکہ حضرت یوسف کے چہرہ کا جمال اور اس کی عقل و فراست کا جلال عزیز مصر کو مسخر کر چکا تھا اس لئے

وہ حضرت یوسف کی خریداری کو گھاٹے کا سودا نہیں سمجھتا تھا بلکہ فروخت کی صورت میں ظاہری نفع کا امیدوار تھا اور بصورت دیگر اس کو اپنا متبنّیٰ بنا کر اپنا وارث بنانے کے لئے بھی تیار تھا اس لئے اپنی عورت کو واشگاف الفاظ میں ہدایت کی کہ اس کی خدمت میں کوئی فروگذاشت نہ ہو کیونکہ یا تو ہم اس سے فائدہ اٹھائیں گے اور یا اس کو اپنا بیٹا بنالیں گے لیکن عورت نے عزیز مصر کی ساری امنگوں پر پانی پھیر دیا جب حضرت یوسف جوان ہوئے تو وہ اس پر عاشق ہو گئی جس کا نتیجہ حضرت یوسف کی قید کے رنگ میں ظاہر ہوا اور مروی ہے کہ حضرت یوسف کے حسن کا یہ عالم تھا کہ مرد یا عورت جو بھی ایک دفعہ دیکھ لیتا اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر لیتی تھی۔

كَذٰلِكَ ۔ یعنی جس طرح ہم نے یوسف پر کنوئیں کی قید سے آزادی کی نعمت بخشی اسی طرح ہم نے یوسف کو کرسی وقعت و اقتدار بھی عطا کی۔

لِنُعَلِّمَهُ ۔ عبارت کی تقدیر یہ ہے دَبَّرْنَا ذٰلِكَ لِنُمَكِّنَهُ وَلِنُعَلِّمَهُ ۔ یعنی ہم نے یہ تدبیر کی تاکہ ہم اس کو اقتدار بخشیں اور خوابوں کی تعبیر کا اس کو علم عطا کریں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت یوسف قبل ازیں علم سے کورے تھے۔ کیونکہ نبی کو کسی زمانہ میں بھی جاہل نہیں کہا جا سکتا بلکہ خداوند کریم استعداد پہلے عطا فرما دیتا ہے اور حسب موقعہ اظہار کی توفیق تدریجاً عطا کرتا رہتا ہے اور اسی بنا پر اپنے حبیب کو فرمایا۔ قُلْ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ۔ اے پروردگار میرے علم میں زیادتی عطا کر۔

غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهِ ۔ ضمیر غائب کا مرجع یوسف ہے یعنی خدا حضرت یوسف کے معاملہ میں غالب ہے کہ بھائیوں نے اس کے گرانے اور ذلیل کرنے کی ہر ممکن تجویز کی لیکن خدا نے ان کی تمام تجاویز کو فیل کر دیا اور اس کی ہر طرح سے حفاظت و صیانت کر کے اس کے لئے اقتدار کی راہیں ہموار کر دیں اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ خدا اپنے معاملات پر غالب ہے اس کی تدبیر و تجویز کو کوئی بھی رد نہیں کر سکتا۔

آتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۚ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (۲۲)

پہنچے تو ہم نے اس کو نبوت و علم عطا کیا اور اسی طرح ہم محسن لوگوں کو بدلہ دیتے ہیں

أَشُدَّهُ ۔ جمع کا وزن ہے اور اس کا واحد کوئی نہیں اور بعض نے شَدّ کو اس کا واحد لکھا ہے معنی یہ ہے کہ جب حضرت یوسف اپنی طاقتوں اور توانائیوں کی حد پر پہنچے۔ اور ابن عباس سے منقول ہے کہ اس سے مراد ۱۸ برس کی عمر سے لے کر تیس ۳۰ برس عمر تک کا زمانہ ہے اور بعض نے چالیس برس تک اور بعض نے ساٹھ برس تک کہا ہے۔

حُكْمًا وَّعِلْمًا ۔ حکم سے مراد نبوت اور علم سے مراد شریعت ہے۔ یعنی ہم نے اس کو اعلانِ نبوت و اظہارِ شریعت پر مامور کیا بعضوں نے حکم سے مراد دعوتِ اسلام اور علم سے مراد امورِ شریعت کی وضاحت لی ہے۔ اسی بنا پر اہل علم کی مخصوص اصطلاح میں حقیقتِ دینیہ کا اطلاق اصولِ دین کے مطالب پر ہوتا ہے۔ اور حقیقتِ شرعیہ کا اطلاق علم فقہ کے مقاصد پر ہوتا ہے

آیت مجیدہ میں بھی حکم سے مراد دین کی دعوت ہے جس کا تعلق اصول سے ہے اور علم سے مراد امور شرعیہ فرعیہ کی وضاحت ہے جس کا تعلق فقہ سے ہے اور کہتے ہیں عزیز مصر کے پاس جس قدر مقدمات سماعت کے لئے پیش ہوتے تھے ان کے فیصلے حضرت یوسف ہی کیا کرتے تھے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ

اور خواہش کا مطالبہ کیا اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھا اس کے نفس کے متعلق اور دروازے

الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ

بند کر دئے اور کہنے لگی آجاؤ اس کام کے لئے جو تیرے لئے ہے فرمایا اللہ کی پناہ تحقیق وہ

رَاوَدَتْهُ اس کا مجرد رَادَ یَرُوْدُ ہے جس کا معنی ہے طلب کرنا اس مقام پر باب مفاعلہ شدت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے یعنی اس عورت نے حضرت یوسف سے خواہشِ نفسی کا پرزور مطالبہ کیا۔

هَيْتَ۔ اسمائے افعال میں سے امر کے معنی میں ہے یعنی آ۔ اور فصیح یہ ہے کہ ہاء کا فتحہ یاء ساکن اور بعد میں تاء مفتوحہ سے پڑھا جائے اور اس کو هِيْتَ هَيْتُ اور هَيْتِ کے تلفظ سے بھی پڑھا گیا ہے اور بعضوں نے هِئْتُ لَكَ اجوف یائی اور مہموز اللام کے باب سے پڑھا ہے بمعنی تَهَيَّأْتُ لَكَ یعنی میں تیرے لئے تیار ہوں۔

إِنَّهُ رَبِّيْ۔ ضمیر غائب کا مرجع تطفیر یعنی عزیز مصر ہے مقصد یہ کہ وہ میرا ظاہری لحاظ سے مالک ہے کیونکہ اس نے مجھے خریدا ہے نیز اس نے میری تربیت اور حسنِ سلوک میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی لہذا میں اس کے حق میں خیانت ہرگز نہیں کروں گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر غائب کا مرجع اللہ سبحانہٗ کو قرار دیا جائے مقصد یہ کہ وہ میرا پروردگار ہے جس نے میرے اوپر احسانات کی بارش کی بھائیوں کے تشدد سے نجات دی اور عہدہ نبوت پر بھی فائز کیا اور پھر طعام و قیام کے لئے اچھے اسباب مہیا فرمائے لہذا اس کی نافرمانی کر کے میں اس ظلم کا ارتکاب ہرگز نہ کروں گا اور یہ آیت صاف طور پر حضرت یوسف کی عصمت کا اعلان کر رہی ہے اور یہ کہ حضرت یوسف کے نزدیک یہ فعل ناقابل بخشش ظلم تھا جبھی تو فرمایا کہ ظلم کرنے والوں کو چھٹکارا نہیں ملے گا اور أَفْلَحَ يُفْلِحُ اگرچہ باب افعال ہے لیکن اس کے معنی میں تعدیہ نہیں۔

عصمت یوسف۔ شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء و مرسلین معصوم ہوا کرتے ہیں اور ابتدائے عمر سے لے کر آخر عمر تک ان سے گناہ کبیرہ و صغیرہ سرزد نہیں ہوتا کیونکہ یہ عہدہ ہمارے نزدیک کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے اور ناممکن ہے کہ خدا کسی غلط کار و گنہگار کو باقی امت کی اصلاح کے لئے عہدہ نبوت عطا کرکے بھیجے ہم نبوت کے عہدۂ وہبی ہونے پر اور عصمت انبیاء پر مدلل و مبرہن طریقے سے اچھوتے انداز میں اپنی تازہ تصنیف منیف لمعة الانوار فی عقائد الابرار میں واضح بیان سپرد قرطاس کر چکے ہیں جو صرف شیعی عقائد کے موضوع پر لکھی گئی ہے قارئین کرام عقائد کی صحت کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور

کریں نیز ہم اسی تفسیر کے مقدمہ: مقامات پر خصوصاً مقدمۂ تفسیر میں ایک خاص عنوان کے ماتحت عصمتِ انبیاء پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں اور حضرت یوسف چونکہ عہدۂ نبوت پر فائز تھے لہٰذا عقلی و نقلی دلیلوں سے ان کا معصوم ہونا ثابت ہے۔ اور آیت مجیدہ کے آخر میں اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ کا جملہ اس مطلب پر نص صریح ہے پس اگر کسی مقام پر کوئی لفظ ظاہری طور پر اس کے خلاف پر دلالت کرتا ہو تو عقلاً اس کی تاویل واجب ہے اور ہم چونکہ گناہانِ کبائر و صغائر سے ان کی پاکدامنی کے قائل ہیں لہٰذا آیت مجیدہ کے الفاظ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی توجیہ دو طریقوں سے کرتے ہیں

رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ

میرا مالک ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا ہے تحقیق ظالم لوگ چھٹکارا نہیں پائیں گے اور تحقیق اس

هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ

عورت نے بد ارادہ کیا اور وہ بھی بد ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کی جانب سے انہوں نے برہان

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ

نہ دیکھی ہوتی اور اسی طرح تاکہ دور کریں ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو

① وہی جو تحت اللفظی ترجمہ سے ظاہر ہے کہ زلیخا نے یوسف کے ساتھ بد ارادہ کیا اور اگر اللہ کی جانب سے یوسف نبی نہ ہوتے اس کا فضل خاص اور احسان ان پر نہ ہوتا اور پروردگار کی جانب سے برہان نازل ہو چکی ہوتی تو ان کے قدم بھی ڈگمگا جاتے اور وہی ارادہ کر بیٹھتے جو زلیخا چاہتی تھی لیکن چونکہ ان پر اللہ کا احسان عمیم و فضل جسیم تھا کیونکہ عہدۂ نبوت پر فائز المرام تھے پس فعل بد کا ارادہ ان سے نہ ہوا ② پہلے فقرہ کا معنی اپنے ظاہر پر ہے کہ اس عورت نے یوسف کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا اور اس کے قرائن بہت سے ہیں ① وہ غیر معصومہ تھی لہٰذا اس سے برائی کا ارادہ غیر متوقع نہیں تھا ② آیت گذشتہ ۲۳ کی دلالت واضح ہے کہ اس نے یوسف سے خواہشِ نفسی کی تکمیل کے لئے پر زور مطالبہ کیا اور دروازے بند کروائے ③ آیت آئندہ ۳۰ میں شہر کی عورتوں کی تصریح موجود ہے کہ انہوں نے زلیخا کے بد ارادہ پر اس کی ملامت کی ④ آیت ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ الخ کہ حق ظاہر ہو گیا ہے اور میں نے ہی اس کو خواہش نفسی کی دعوت دی تھی ⑤ تمام مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس نے بُرا ارادہ کیا تھا ⑥ بچے کی شہادت سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خطاکار تھی۔ یہ چھ قرینے اس امر پر ہیں کہ عورت نے خواہشِ بد کا ارادہ ظاہر کیا تھا اب رہا دوسرا فقرہ هَمَّ بِهَا (یوسف نے ارادہ کیا) تو دلائلِ عصمت نبوت بالعموم اور مقامی قرائن بالخصوص اس امر پر شاہد ہیں کہ یہاں ظاہری معنی مراد نہیں ہے۔ بلکہ مضاف محذوف ہے یعنی هَمَّ بِضَرْبِهَا کہ عورت نے برائی کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کو مارنے اور دفع کرنے کا ارادہ کیا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی اگر وہ پروردگار کی جانب سے برہان نہ دیکھتے تو اس

کو مارنے پیٹنے لگ جاتے جس کا نتیجہ دو میں سے ایک ضرور ہوتا یا تو جذبۂ انتقام میں اٹھ کر زلیخا کے رشتہ دار اس کی ہتک عزت کرتے یا مار ڈالتے اور یا یہ کہ زلیخا کو اپنی پاکدامنی کی سند مل جاتی چنانچہ وہ یہ دعویٰ دائر کر دیتی کہ مجھے یوسف نے غلط کاری کی دعوت دی ہے اور میں نے چونکہ انکار کیا ہے لہذا اس نے مجھے زدوکوب کیا ہے۔ بس ایسی صورت میں یوسف کو اپنی پاکدامنی کا ثابت کرنا مشکل ہو جاتا۔ پس تائیدِ ایزدی کی بدولت ان ہر دو نتائج سے محفوظ رہے یعنی قتل یا ہتک عزت سے بھی بچ گئے اور اتہام و بہتان سے بھی گلو خلاصی ہو گئی اور اس بنا پر نَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ میں سوء سے مراد قتل اور فحشا سے مراد تہمت ہو سکتی ہے۔ اور وہ قرائن ظاہریہ جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت یوسف نے برائی کا ارادہ نہیں کیا تھا وہ یہ ہیں (۱) گزشتہ آیت ۲۳ میں ان کا معاذ اللہ کہنا اور یہ کہ مالک کے حق میں خیانت ظلم ہے اور ظالم کی فلاح نہیں ہے اُن کے ارادۂ صالحہ کی دلیل ہے (۲) آیت ۳۲ میں زلیخا کا اپنا اعتراف ہے کہ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ۔ یعنی میں نے اس کو اپنی طرف دعوت دی اور وہ محفوظ رہا (۳) بچے کا گواہی دے کر حضرت یوسف کو اپنے دعویٰ میں صادق کہنا (۴) عزیز مصر کا خود اپنی عورت کو ڈانٹ کر کہنا اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ تحقیق یہ تمہارا مکر ہے۔ آیت ۲۸ اور پھر آیت ۲۹ میں یوسف سے معذرت کرنا کہ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا یعنی اس بات کا تذکرہ چھوڑ دیجئے اور عورت کو کہنا وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ اور اپنی غلطی کی معافی مانگ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِيْنَ۔ تحقیق تو ہی غلط کار ہے (۵) آیت ۵۱ میں عورتوں کا کہنا مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم نے اس پر برائی کا داغ نہیں دیکھا اور زلیخا کا کہنا کہ اب حق ظاہر ہو گیا ہے میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا اور وہ یقیناً سچا تھا (۶) خداوند کریم کا تصدیق کرنا اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔ کہ تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا۔ یہ سب قرائن وجوب عصمتِ انبیاء کے علاوہ ہیں جو اس معاملہ میں حضرت یوسف کی پاکدامنی کی شہادت دے رہے ہیں۔ بنا بریں جن لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ حضرت یوسف نے بھی ارادہ بد کیا تھا انہوں نے نبوت کے وقار پر ضرب کاری لگائی ہے اور نبی پر اتہام تراشی کر کے عہدۂ نبوت کو بچوں کا ایک کھیل سمجھا ہے اور یہ سب قرآن کو نہ سمجھنے بلکہ نہ سمجھ سکنے کے نتائج میں سے ہے۔ پس ہمارے بیان سے صاف واضح ہوا کہ حضرت یوسف اس اور اس قسم کی جملہ آلائشوں سے پاک و منزہ تھے۔ ہاں اگر اس مبرہن اور مدلل فیصلے کے بعد اگر کوئی روایت اس کے خلاف پائی جائے تو اس کی تاویل کر لی جائے ورنہ اُسے منافی عقل و نقل قرار دے کر رد کیا جائے۔ کیونکہ عقائد حقہ اور اُصول ضروریہ کے مقابلہ میں روایات آحاد کا کوئی مقام نہیں ہے۔

تفسیر صافی میں بروایت مجالس امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب کہ آپ نے ایک شخص کو تسلی و تسکین کے لئے فرمایا کہ لوگوں کی رضا حاصل نہیں کی جا سکتی اور لوگوں کی زبانوں پر پہرہ بھی نہیں بٹھایا جا سکتا پس ایسے لوگوں کی نیش زنی سے تم کیسے بچو گے جن کی زبان درازیوں اور بہتان تراشیوں سے اللہ کے نبی و رسول نہیں بچ سکے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ لوگوں نے حضرت یوسفؑ کے دامن کو بھی تہمت زنا کے کیچڑ سے ملوث کیا؟

بروایت عیون الاخبار حضرت امام رضا علیہ السّلام سے مامون نے عصمتِ انبیا کے بارے میں سوال کیا اور اس آیت مجیدہ کی تفسیر پوچھی لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ آپ نے فرمایا کہ وہ معصوم تھے اور معصوم نہ گناہ کا ارادہ کرتا ہے اور نہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور مجھے اپنے باپ نے خبر دی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام اس کی تفسیر اس طرح کرتے تھے زلیخا نے فعل بد کا ارادہ کیا اور یوسف نے اس کے نہ کرنے کا عزم کیا۔ هَمَّ بِهَا کا معنی ہے هَمَّ بِاَنْ لَا يَفْعَلَهَا اور دوسری روایت یہ ہے عورت نے معصیت کا ارادہ کیا اور حضرت یوسف نے اس کے قتل کا ارادہ کیا اگرچہ وہ باز نہ آئی پس خدا نے حضرت یوسفؑ سے اس کے قتل اور زنا کو پھیر دیا۔

بعض روایات میں ہے کہ جب زلیخا نے حضرت یوسف کو برائی کی طرف دعوت دی تو گھر میں رکھے ہوئے بتوں پر اس نے چادر ڈال دی حضرت یوسف نے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ مجھے اس بت سے حیا آتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ تجھے ایسے بت سے حیا مانع ہے جو نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ کسی کے نفع و نقصان کا مالک ہے تو مجھے بھی اس مالک سے حیا آتی ہے جو دیکھتا ہے اور سنتا ہے اور ہر نفع و نقصان کا مالک ہے۔

علامہ محسن فیض کاشانی اعلی اللہ مقامہ نے تفسیر صافی میں عصمت حضرت یوسف پر جو ایک مختصر نوٹ لکھا ہے نہایت جامع اور متین ہے اُسے افادہ کے لئے نقل کرنا ضرور سمجھتا ہوں، وہ فرماتے ہیں۔ عامہ کو خدا رسوا کرے انہوں نے حضرت یوسف کی طرف اس مقام پر ایسی باتیں منسوب کی ہیں اور ایسی روایات بنا کر پیش کی ہیں جن کو نقل کرنا بھی مومن کی شان سے بعید ہے چہ جائیکہ ان کو عقیدہ کی اساس قرار دیا جائے۔ اور اس بارے میں جو بہترین اور فیصلہ کن قول ہے وہ یہ ہے کہ یوسف کے واقعہ کا جن جن افراد سے تعلق ہے وہ یہ ہیں (۱) خود یوسف (۲) زلیخا (۳) زلیخا کا شوہر عزیز مصر (۴) شہر کی عورتیں جن کو زلیخا نے دعوت دے کر بلایا (۵) گواہ (۶) خود ذات پروردگار (۷) ابلیس

اور ان سات افراد میں سے ہر ایک یوسف کی عصمت برأت اور پاکدامنی کا قائل ہے (۱) حضرت یوسف کا صاف اعلان ہے هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ (اس عورت نے ہی میری طرف بُرا اقدام کیا ہے) رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ۔ اے پروردگار مجھے قید محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے بلاتی ہیں اور اس سے قبل یوسف کا قول گذر چکا ہے مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی پناہ بخدا تحقیق وہ میرا رب ہے جس نے مجھے اچھا ٹھکانا عطا فرمایا۔ تحقیق ظالم لوگوں کے لئے فلاح و رستگاری نہیں ہے یہ اعلانات حضرت یوسف کی برأت کا اپنی طرف سے ببانگ دہل اعلان کی حیثیت رکھتے ہیں (۲) آیت ۲۶ اور ۵۱ میں زلیخا کا اعتراف ہے کہ میں نے ہی یوسف کو فعل بد کی دعوت دی لیکن وہ محفوظ رہے (۳) آیت ۲۸ میں عزیز مصر کا صاف اعتراف ہے کہ عورتوں سے مخاطب ہو کر اس نے کہا اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ تحقیق یہ تمہارا مکر و فریب ہے اور تمہارا مکر بہت بڑا ہے اور عورت سے کہا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگ تحقیق تو ہی خطاکار ہے (۴) شہر

کی مدعوہ عورتوں نے بھی صاف لفظوں میں کہا مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ (ہم نے یوسف کے دامن پر برائی کا داغ نہیں دیکھا)، اور زلیخا کے متعلق اُن کے الفاظ یہ ہیں اِنَّا لَنَرٰھَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (ہم اس کو صاف اور واضح گمراہی میں دیکھتے ہیں) ⑤ گواہ نے صاف طور پر کہا کہ اگر حضرت یوسف کی قمیص سامنے کی طرف سے پھٹی ہے تو عورت سچی اور یوسف جھوٹا ہے لیکن اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہے تو عورت جھوٹی اور حضرت یوسف سچے ہیں اور نام لے کر حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی سے اس انداز میں گواہی دینا زیادہ موثر ہے کیونکہ اس میں دعویٰ دلیل کے ساتھ موجود ہے جو نفوس کے لئے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ ⑥ اللہ کا صاف اعلان ہے لِنَصْرِفَ عَنْہُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ (تاکہ ہم اس سے خیانت اور بدکاری کو دور رکھیں تحقیق وہ ہمارے مخلص بندوں سے تھا ، ابلیس کا ایک مقام پر صاف اعلان ہے لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (یعنی میں اولادِ آدم کو ضرور گمراہ کروں گا لیکن تیرے مخلص بندے (میرے دام سے بچ جائیں گے) گویا اس نے اعتراف کیا کہ اللہ کے مخلص بندوں کو میں گمراہ نہیں کر سکتا اور خدا نے اعلان فرمایا ہے اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ تحقیق یوسف ہمارا مخلص بندہ ہے تو صغریٰ وکبریٰ کو ملا کر نتیجہ یہی نکلا کہ ابلیس یوسف کی پاکدامنی اور پاکبازی کا معترف ہے جیسا کہ دلالت التزامی سے صاف واضح ہے۔ یہاں پہنچ کر یوسف کے دامنِ عصمت پر برائی کا کیچڑ اچھالنے والوں سے ہم دو ٹوک بات کرتے ہیں کہ اوّلاً تو واقعہ سے متعلق افراد سب کے سب جب یوسف کی عصمت کے مؤید و معترف و معلن ہیں تو عقل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسی پر اکتفا کر کے مزید ثبوت طلب کرنے سے گریزاں ہو کر عصمتِ یوسف پر ایمان کو استوار کر لو، اور ثانیاً یہ کہ اگر اللہ کو خوش کرنا ہے تو اللہ کی بات مان لو کہ وہ مخلص تھے اور اگر شیطان کی اتباع کرنی ہے تو شیطان کی بات مان لو کہ وہ پاکدامن تھے، انتہائی تعجب کی بات ہے کہ جس کو اللہ بھی مخلص کہے اور ابلیس بھی پاکدامن کہے لیکن بایں ہمہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے ایک تیسری راہ نکالنے پر مصر ہوں اور عصمت انبیاء کے دامن کو برائی کے چھینٹوں سے ملوث دیکھنے پر رضامند ہوں۔ اَعَاذَنَا اللہُ۔

اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَ
تحقیق وہ ہمارے برگزیدہ بندوں سے تھا اور دروازے کی طرف بڑھے اور
قَدَّتْ قَمِیْصَہٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَھَا لَدَا الْبَابِ ط
پھاڑ دی (زلیخا نے) اس کی قمیص پیچھے سے اور دونوں نے اُس (زلیخا) کے شوہر کو دروازہ پر موجود پایا

وَاسْتَبَقَا یعنی دونو یوسف اور زلیخا دروازہ کی طرف بھاگے۔ یوسف گلوخلاصی کے لئے اور زلیخا اس کو پھنسانے اور دروازہ بند کرنے کے لئے۔

قَدَّتْ۔ قد اور قط میں یہ فرق ہے کہ طول میں پھاڑنے اور چیرنے کو قد کہا جاتا ہے اور عرض سے پھاڑنے کو قط

سے تعبیر کیا جاتا ہے چنانچہ شجاعت حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق مجمع البیان میں مروی ہے کَانَتْ ضَرَبَاتُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اَبْكَارًا كَانَ اِذَا اعْتَلٰى قَدَّ وَ اِذَا اعْتَرَضَ قَطَّ - یعنی علی کی ضربیں نئی نرالی ہوا کرتی تھیں جب اوپر سے وار کرتے تھے تو سر سے قدموں تک چیر دیتے تھے اور جب ایک جانب سے وار کرتے تھے تو اپنے حریف کو دو حصوں میں کاٹ دیتے تھے۔ اس مقام پر معنی یہ ہے کہ زلیخا نے یوسف کی قمیص کو پیچھے سے پکڑ کر چیر دیا تھا کہتے ہیں سامنے سے دروازے کھلے تھے اور بعض کہتے ہیں بند تھے اور ہر دروازہ پر پہنچ کر انہیں کھولنا پڑتا تھا اسی لئے وہ پیچھے سے آ کر پکڑنے اور قمیص پھاڑنے میں کامیاب ہوئی۔

قَالَتْ مَا جَزَاءُ جب دروازہ پر اپنے شوہر کو دیکھا تو اپنے زنانہ مکر و فریب کا جال بچھاتے ہوئے اپنی پاکدامنی پر آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی دیکھو یوسف نے میری ہتک حرمت کی ہے اور سبقت اس لئے کی تاکہ اس کی فریب کاری کا پردہ قائم رہے پس مظلومانہ حیثیت سے پیش آئی اور یوسف کو مدعا علیہ قرار دے دیا۔ اور ہوشیار ظالم اسی طرح اپنے تئیں مظلوم ظاہر کر کے مطالب نکالا کرتے ہیں۔ اسی مقام سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ زلیخا کی محبت یوسف سے شہوانی و وقتی محبت تھی سچی محبت نہ تھی ورنہ اپنے محبوب کے لئے قید یا سزا کی تجویز نہ پیش کرتی کیونکہ جو سچے محب ہوتے ہیں وہ اپنے محبوب کو ہر مصیبت سے بچانے کی کوشش میں اپنے نفس کو ڈھال بنا کر مصائب کا نشانہ بنا دیا کرتے ہیں۔ جب عورت نے رپورٹ کر لی تو حضرت یوسف نے اپنے دامن کی پاکیزگی کے لئے

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ
کہنے لگی جو شخص تیری اہل کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا سوائے اس کے نہیں کہ قید
يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ
کر دیا جائے یا اس کو جسمانی دردناک سزا دی جائے (یوسف نے) کہا خود اسی عورت نے مجھے
عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ
اپنی خواہش کے لئے بلانے کی کوشش کی ہے اور اسی عورت کے خاندان کے بچے نے گواہی دی کہ اگر
قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ
اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہو تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ
اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو یہ
فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ
جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے جب دیکھا کہ اس کی قمیص

یہ بیان دیا کہ جس غلطی کی نسبت یہ عورت میری طرف دے رہی ہے غلط ہے حقیقت یہ ہے کہ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ اس نے خود مجھے چھیڑا ہے اور میں اپنی جان بچا کر بھاگ آیا ہوں۔

شَهِدَ شَاهِدٌ یوسف و زلیخا کے متذکرہ مقدمہ میں ایک بچے نے یوسف کی عصمت کی گواہی دی اور وہ بچہ کہتے ہیں زلیخا کا بھانجا تھا جس کی عمر تین ماہ تھی۔ تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ

پیچھے سے پھٹی ہے تو (عزیز مصر) کہنے لگا یہ تمہارا فریب ہے اور تحقیق تمہارا فریب

عَظِیْمٌ ۝۲۸ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ

بڑا ہے اے یوسف اس سے درگذر کر (پھر عورت کو خطاب کر کے کہا) اپنی غلطی

لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ۝۲۹ وَقَالَ نِسْوَةٌ

کی معافی مانگ تحقیق تو خطاکاروں میں سے ہے اور شہر کی عورتوں نے

عزیز مصر سے کہا کہ جھولے میں جو بچہ ہے وہ خود میری صداقت کی گواہی دے گا۔ چنانچہ جب عزیز مصر اس بچے کی جانب متوجہ ہوا تو وہ بچہ باذن پروردگار بول اٹھا اور گواہی کے الفاظ وہی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ جو صرف شہادت نہیں بلکہ دلیل و برہان ہے کہ اگر یوسف قصوردار ہوتا تو زلیخا سامنے سے اس کا دفاع کرتی پس یوسف کی قمیص سامنے سے پھٹی ہوئی ہوتی لیکن قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ یوسف جان چھڑانے کے لئے بھاگنا چاہتے تھے اور زلیخا نے پیچھے سے اس کو کھینچنا چاہا جس کی وجہ سے اس کی قمیص پھٹ گئی لہذا غلطی زلیخا سے ہے نہ کہ یوسف سے۔

یُوْسُفُ اَعْرِضْ۔ یا تو یہ عزیز مصر کا مقولہ ہے کہ یوسف کو صبر و ضبط کی تلقین کی کہ اس بات کو آگے نہ بڑھائیے اور اس سے درگذر کیجئے اور یا اُس بچہ کا قول ہے جس نے گواہی دی کہ اے یوسف آپ کی پاکدامنی ظاہر ہو چکی ہے بس اس قصہ کو یہیں رہنے دیجئے اور آگے نہ بڑھائیے اور پھر عورت کی طرف پلٹ کر کہا تو اپنے گناہ کی اپنے شوہر سے یا پروردگار سے معافی مانگ کیونکہ تو ہی خطاکار ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ گواہی دینے والا بچہ نہیں تھا بلکہ زلیخا کا چچازاد تھا جو دروازہ پر عزیز مصر کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا پس اُس نے مذکورہ دلائل سے یوسف کی برائت ثابت کی اور حضرت یوسف سے التجا کی گئی کہ اس بات کو ہوا نہ دیجئے بلکہ ختم کر دیجئے تاہم یہ خبر اُسی وقت روئی کی آگ کی طرح پورے شہر میں پھیل گئی

مِنَ الْخٰطِئِیْنَ۔ خَطَأٌ اور اَخْطَأَ میں یہ فرق ہے کہ عمدی غلطی کے لئے خَطَأَ ثلاثی مجرد استعمال ہوتا ہے اور سہوی غلطی کے لئے اَخْطَأَ باب افعال استعمال ہوتا ہے۔ اسی بنا پر مجتہد کو مجتہد خاطی نہیں کہا جاتا بلکہ مجتہد مخطی کہا جاتا ہے جب کہ اس کا فتویٰ خلاف واقع ہو۔

قَدْ شَغَفَهَا۔ شغاف سے ہے جس کا معنی ہے دل کا پردہ اور حُبًّا تمیز واقع ہے اور معنی یہ ہے کہ حضرت یوسف کی محبت نے اس کے دل کے پردوں کو چیر کر اس میں پوری طرح تسلط کر لیا ہے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں اہل بیت علیہم السلام کی قرأت شَعَفَهَا منقول ہے اور اس کا معنی محبت میں ”......“ ظاہر کرتا ہے کہ وہ یوسف کی محبت میں دور تک پہنچ گئی۔ یا یہ کہ اس کی محبت نے اس کے دل کو جلا دیا۔

فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ج

کہا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اپنے ساتھ بدکاری کی دعوت دیتی ہے تحقیق اس کے

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰىهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۰﴾ فَلَمَّا

دل پر اس کی محبت چھا گئی ہے، ہم اس کو صاف طور پر گمراہ سمجھتی ہیں پھر اس نے ان کی یہ چال

سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَیْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ

سنی تو ان کو دعوت دے کر بلا لیا اور ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا اور دے دی ہر ایک

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّیْنًا

کو ان میں سے ایک ایک چھری اور (یوسف سے) کہا

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَیْهِنَّ فَلَمَّا رَاَیْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ

نکل آؤ ان کے سامنے۔ پس جب انہوں نے اس کو دیکھا تو اس کی عظمت

بِمَكْرِهِنَّ۔ مکر ایسی بات کو کہتے ہیں جس کا ظاہر کچھ اور ہو اور باطن میں کچھ اور مراد ہو۔ شہر کی عورتوں کے طعنہ کو مکر اس لئے کہا کہ اگرچہ ظاہر کے لحاظ سے زلیخا کو طعنہ دے کر اپنی خودداری کو جتلا رہی تھیں لیکن اندرونی طور پر مقصد یہ تھا کہ زلیخا غصہ میں آکر کوئی ایسا اقدام کرے جس کی بدولت ہمیں بھی کسی طرح یوسف کا دیدار ہو جائے۔

مُتَّكَاً۔ لفیف مفروق وکی سے باب افتعال کا ظرف کا صیغہ ہے اور یہاں تکیہ مراد ہے اور کھانے سے کنایہ کیا گیا ہے کیونکہ جن کو کھانے پر مدعو کیا جاتا ہے آرام سے بیٹھنے کے لئے ان کو تکیہ دیا جاتا ہے اور چونکہ کھانے میں میوہ جات اور پھل شامل تھے جن کو کاٹنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے پس ہر ایک مہمان عورت کے سامنے اس نے ایک ایک چھری رکھ دی تھی۔

قَالَتِ اخْرُجْ۔ خلاصہ یہ کہ شہر کی عورتوں نے یوسف و زلیخا کی داستان سن کر واویلا کیا اور زلیخا پر زبان طعن کھولی تو زلیخا نے شہر کی تمام امیر زادیوں کو کھانے پر اپنے ہاں مدعو کر لیا جن کی تعداد بروایت مجمع البیان چالیس تھی۔ بس کھانا دستر خوان پر رکھا اور میوہ جات بھی لا کر آگے رکھ دیئے پھر ایک ایک چھری بھی ہر ایک کے سامنے رکھ دی۔ ادھر

maablib.org

ان کو کھانے کا حکم دیا اور ادھر یوسف کو جو الگ کمرہ میں بیٹھے تھے ان کے سامنے آنے کے لئے بلایا چونکہ ظاہری صورت میں وہ زرخرید غلام تھے لہٰذا تعمیل حکم میں مجبور تھے۔

اَکْبَرْنَہٗ - جب آپ عورتوں کے سامنے تشریف لائے اور ان کی نگاہ پڑی تو ان کے چہرۂ نورانی جو مظہر جمالِ خداوندی تھا کے دیدار کی تاب نہ لاکر دریائے حیرت میں ڈوب گئیں حتٰے کہ اپنے آپ سے غافل ہوگئیں چھری جو اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے تھیں اس قدر کھو گئیں کہ اس سے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور متوجہ نہ ہوئیں کہ ہاتھ کٹا ہے یا پھل۔

اَکْبَرْنَ کا معنی ہے کہ ان کی نظروں میں یوسف کا حسن اس قدر عظیم تھا کہ وہ آپے سے باہر ہوگئیں اور بعض نے کہا ہے اس کا ترجمہ ہے کہ ان کو اُسی وقت حیض جاری ہوگیا۔

وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ

گو مان گئیں اور اپنے ہاتھ محوِ حیرت ہو کر کاٹ ڈالے اور کہا معاذ اللہ یہ بشر نہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ

بلکہ یہ تو کوئی باکرامت فرشتہ ہے (زلیخانے) کہا بس یہی تو وہ ہے جس کے

لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ

بارے میں تم نے مجھے طعنہ دیا اور واقعی میں نے ہی اس کو اپنی طرف دعوت دی جو اس نے ٹھکرا دی اور اگر

وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

میری خواہش کے لئے میرا حکم نہ مانے گا تو ضرور قید کیا جائے گا اور ذلیل ہوگا

حَاشَا لِلّٰهِ بعضوں نے اس کو استثنا کا کلمہ قرار دیا ہے۔ یعنی حضرت یوسف کی بشریت کا انکار کر دیا اور انہیں صنف بشر سے مستثنٰی قرار دے کر کہنے لگیں یہ تو کوئی معزز فرشتہ ہے اور بعضوں نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ لام حرفِ جر ہے اور حرف حرف پر داخل نہیں ہو سکتا

لہٰذا حاشا فعل ماضی کا صیغہ ہے حَاشٰی یُحَاشِی محاشاۃ سے اور اس کا معنی دوری ہے مقصد یہ کہ حضرت یوسف اس اتہام والزام سے دور اور بری الذمہ ہیں جس کی ان کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ للہ یعنی رضا پروردگار کے لئے ہی یوسف سے ناشائستہ افعال کا صدور غلط اور بے بنیاد الزام ہے۔ کیوں کہ ان کا چہرہ جس پر جمالِ الٰہی کا نکھار ہے اور ان کا وقار جو مظہر جلال ایزدی ہے وہ مانع ہے کہ ان سے عام انسانی و بشری شہوانی و نفسی اور جذباتی و حیوانی افعال کا صدور ہو بلکہ وہ تو سیرت و صورت میں ایک معزز و مقتدر فرشتہ معلوم ہوتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں بروایت ابو سعید خدری حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ میں نے دوسرے آسمان پر ایک شخص کو دیکھا جو حسن و جمال میں چودھویں کے چاند کی مانند تھا۔ میں نے جبریل سے دریافت

کہا تو اس نے بتایا کہ یہ یوسف ہے، عورتوں کا حضرت یوسف سے بشریت کی نفی کر کے ملک کریم کہنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ فرشتے انبیاء سے افضل ہوا کرتے ہیں جیسا کہ بعض نااہل لوگوں کو اشتباہ ہوا ہے۔ کیونکہ عورتوں نے الزامات و اتہامات سے حضرت یوسف کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے یہ الفاظ کہے ہیں کہ وہ ان آلائشات سے منزہ ہیں جن میں عام انسان و بشر ملوث ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ تو فرشتہ سیرت انسان ہیں۔ بلکہ اگر دقتِ نظر سے دیکھا جائے تو اس میں انسان کی ملک سے افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ فرشتے آلائشات مادیہ سے الگ ہو کر برائی کا ارتکاب نہیں کرتے اور انسان باوجود جسمانی عوائق اور مادی علائق کے اگر برائی سے دور رہے تو وہ یقیناً فرشتوں سے افضل ہے اور اسی بنا پر عورتوں کے تعجب کی حد نہ رہی کہ ظاہری صورت میں بشر ہونے کے باوجود سیرت کے لحاظ سے یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ خصلت ہے اور ہم نے لمعۃ الانوار میں اس مطلب کو زیادہ واضح کیا ہے۔

قَالَتْ ۔ جب شہر مصر کی مخدرات یوسف کے حسن و عظمت کی قائل ہو گئیں اور انہوں نے اتہام و بہتان کو بھی بے سراپا قرار دے دیا تو زلیخا کہنے لگی یہی وہ نوجوان ہے جس کے متعلق تم نے مجھے طعنہ دیا ہے اور واقعی اس کا کوئی قصور نہیں ہے میں نے اس کو بدکاری کے لئے دعوت دی تھی لیکن اس نے قبول نہیں کی تم جب ایک دیدار میں اپنا آپ کھو چکی ہو حتیٰ کہ اپنے ہاتھ کاٹنے کے بعد بھی اس کے حسن و جمال نے تمہیں تکلیف و درد سے بے خبر کر رکھا ہے تو اندازہ کر دیکھیں تو صبح و شام اس کے حسن و جمال کا دیدار کرتی ہوں پھر اس اقدام میں مجھے ملامت کیوں کرتی ہو؟ جب حضرت یوسف نے زلیخا کا یہ ارادہ دیکھا تو دعا مانگی قَالَ رَبِّ اے پروردگار مجھے اس آزادی سے جس میں مجھے زنا کی دعوت دی جائے قید بہتر ہے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا
کہا یوسف نے اے رب مجھے قید محبوب ہے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں اور اگر تو

تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ
نہ پھیرے مجھ سے ان کا مکر تو میں ان کی طرف جھک جاؤں گا اور جاہلوں سے

الْجٰهِلِیْنَ ﴿٣٣﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ
ہو جاؤں گا پس اس کی دعا قبول کی اس کے رب نے پس پھیر دیا اس سے عورتوں

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿٣٤﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ
کے مکر کو تحقیق وہ سننے جاننے والا ہے پھر ان کو خیال آیا

یَدْعُوْنَنِیْۤ ۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ زلیخا کے دستر خوان پر حاضر ہونے والی مخدرات بھی یوسفؑ کے عشق میں کھو گئیں ۔ اور

انہوں نے بھی یوسف سے وہی مطالبہ کیا جو زلیخا نے کیا تھا۔

اَصۡبُ ھَبَا یَصۡبُوۡ مائل ہونا اصل میں اصبو تھا۔ شرط کی جزا واقع ہونے سے مجزوم ہے اور اس کی جزم حذفِ لام سے ہے۔

اَکُنۡ مِنَ الۡجَاھِلِیۡنَ۔ یہ لفظ ظاہر کرتے ہیں کہ جو عالم اپنے مقتضائے علم پر عمل نہ کرے اُسے جاہل کہنا درست ہے مروی ہے کہ شام ہوئی تو تمام مدعوہ عورتوں کی جانب سے حضرت یوسف کو پیغامات پہنچے اور ایک روایت میں ہے کہ ہر عورت نے زلیخا کی سفارش کی بہر کیف حضرت یوسفؑ نے عصمت کا وقار اسی میں ہی سمجھا اور اپنے لئے قید کی دُعا مانگی جو مقبول ہُوئی۔

بَدَا لَھُمۡ۔ اگرچہ ظاہری لحاظ سے حضرت یوسف بری الذمہ ثابت ہو گئے۔ بچہ کی گواہی اور قمیص کا پیچھے سے پھٹنا ایسے قرائن تھے جو کی عقل سلیم کے نزدیک تردید ناممکن تھی لیکن بدنامی کو رفع کرنے کے لئے زلیخا نے یوسف کو قید کرا ہی دیا۔ مدّت قید ۷ برس یا ۵ برس ہے تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ۱۸ برس مدّتِ قید منقول ہے۔

رکوع نمبر ۱۵۔ زندانِ مصر میں۔ وَدَخَلَ مَعَہُ۔ خلاصۃ الکلام حضرت یوسف کے لئے قید کا فیصلہ ہوا اور قید خانہ میں ان کو بھیج دیا گیا اور ان کے ساتھ قید خانہ میں دو اور جوان بھی بھیجے گئے۔ کہتے ہیں یہ دونو بادشاہ وقت یعنی فرعون مصر ولید بن ریان کے مخصوص نوکر تھے۔ ایک بیرا تھا اور دوسرا شراب کشید کرنے اور پلانے پر مامور (ساقی تھا) خفیہ نے بادشاہ کو رپورٹ کی کہ بیرا کھانے میں زہر ملا کر تمہیں قتل کرنے کے درپے ہے اور دوسرے کے متعلق اس سازش میں شریک ہونے کا شبہ تھا پس مقدمہ زیر سماعت تھا اور ان کو تا حکمِ ثانی جیل میں بھیج دیا گیا۔

حضرت یوسف نے زندان میں پہنچتے ہی اعلان کردیا کہ میں خوابوں کی تعبیروں کا علم رکھتا ہوں۔ ابن مسعود کی تفسیر کے مطابق دوسرے دونوں قیدیوں نے باہمی مشورہ کیا کہ یوسفؑ کے دعوے

مِنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّہٗ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۳۵﴾ ع ۱۴
بعد اس کے کہ دیکھ چکے نشانیاں (یوسف کی پاکدامنی کی) کہ اس کو ایک وقت تک ضرور قید کردیا جائے
وَدَخَلَ مَعَہُ السِّجۡنَ فَتَیٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُھُمَاۤ اِنِّیۡۤ
اور داخل ہوئے اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان ایک نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ
اَرٰىنِیۡۤ اَعۡصِرُ خَمۡرًا ۚ وَقَالَ الۡاٰخَرُ اِنِّیۡۤ اَرٰىنِیۡۤ اَحۡمِلُ فَوۡقَ
شراب کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ اپنے سر پر روٹی
رَاۡسِیۡ خُبۡزًا تَاۡکُلُ الطَّیۡرُ مِنۡہُ ؕ نَبِّئۡنَا بِتَاۡوِیۡلِہٖ ۚ
اٹھائے ہوئے ہوں کہ اس سے پرندے کھاتے ہیں اس کی تعبیر سے آگاہ کیجئے

کو آزمانا چاہیے پس انہوں نے اپنے اپنے خواب گھڑے اور حضرت یوسف سے جاکر تعبیر طلب کرنے لگے لیکن تفسیر قمی کی روایت کے مطابق معصومین علیہم السّلام سے مروی ہے کہ بیرے کا خواب من گھڑت تھا اور دوسرے کا خواب سچا تھا۔

ساقی نے یہ بیان کیا کہ میں نے خواب میں ایک بیل پر تین خوشے انگوروں کے دیکھے ہیں پس میں نے ان کو توڑا اور ان کا شربت کشید کرکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا پس آیت میں اَعۡصِرُ خَمۡرًا کا معنی شراب کو نچوڑنا نہیں بلکہ اَعۡصِرُ عِنَبَ خَمۡرٍ ہے۔ یعنی مضاف محذوف ہے اور معنی ہے کہ میں خواب میں شراب کشید کرنے کے لیے انگوروں کو نچوڑ رہا ہوں۔ بیرے نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میرے سر پر تین طبق ہیں جن میں قسم قسم کے کھانے موجود ہیں اور گوشت خور پرندے اس سے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔

مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے محسن کی تین نشانیاں ہیں (۱) اگر ساتھی کی جگہ تنگ ہو تو اس کے لئے جگہ کھلی کردے (۲) اگر محتاج ہو تو اس کی اعانت کرے (۳) اگر بیمار ہو تو اس کی تیمارداری کرے اور بعضوں نے کہا ہے مظلوم کی مدد کرنا کمزور کی دستگیری کرنا اور بیمار کی عیادت کرنا محسن کی نشانیاں ہیں۔ ہم خواب کی حقیقت پہلے بیان کر چکے ہیں اور انبیاء کی وحی کے اقسام میں سے ایک قسم خواب بھی ہے اس مقام پر ان کا کہنا کہ ہم آپ کو محسنین میں سے سمجھتے ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ افعال حسنہ و اوصاف حمیدہ کے مالک ہیں اس لئے ہمیں توقع ہے کہ تعبیر خواب میں غلط بیانی نہیں کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ آپ ہمیں خواب کی تعبیر بتا دیں۔ یہ آپ کا ہم پر احسان ہوگا۔

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ

تحقیق ہم آپ کو احسان شعار سمجھتے ہیں فرمایا نہیں آئے گا تمہارے پاس کھانا

تُرۡزَقٰنِہٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُکُمَا بِتَاۡوِیۡلِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمَا ؕ

جو تمہیں بھیجا جائے مگر یہ کہ میں اس کی صفت تم کو بتا دوں گا اس کے پہنچنے سے پہلے یہ چیز

ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ اِنِّیۡ تَرَکۡتُ مِلَّۃَ قَوۡمٍ لَّا

اس علم سے ہے جو مجھے اپنے رب نے عطا کی ہے تحقیق میں نے اس قوم کا دین ترک کیا ہے

قَالَ لَا یَاۡتِیۡکُمَا اس کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں (۱) تمہیں عالم خواب میں اگر کوئی کھانا کھلایا جائے تو میں تم کو اس کی تعبیر بھی بتا سکتا ہوں قبل اس کے کہ وہ تعبیر ظاہر میں کھلے (۲) تعبیر خواب تو بجائے خود اگر تمہارے پاس کہیں سے کھانا بھیجا جائے تو میں اس کی جملہ اوصاف و کیفیات تم پر واضح کر سکتا ہوں قبل اس کے کہ وہ تم تک پہنچے اور یہ سب کچھ میرے اوپر اللہ کا عطیہ ہے۔

طریقِ تبلیغ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ چونکہ تعبیر دریافت کرنے والے دو شخصوں میں سے ایک کی تعبیر موت کی پیشین گوئی تھی لہٰذا اس کی دل شکنی سے گریز کرتے ہوئے کلام کا رُخ حضرت یوسف نے دوسری طرف پھیر دیا اور فوری طور پر ان کے خواب کی تعبیر کو بیان نہ کیا لیکن ربط آیات وسلاست بیان کا جہاں تک تعلق ہے اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف نے جب ان دو شخصوں کو اپنی جانب متوجہ پایا تو ان پر اتمامِ حجت کرنا ضروری سمجھا اور حجتِ خدا کا یہی کام ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے موقع ومحل کی تاڑ رکھیں کیوں کہ نامناسب اوقات میں تبلیغ بے معنی وبے سود ہونے کے علاوہ بعض دفعہ دردِ سر بلکہ جان لیوا بن جایا کرتی ہے۔ اب چونکہ وہ دونو خواب کی تعبیر سننے کے لئے منتظر

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور کافر ہیں

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ

اور میں نے اتباع کی ہے اس دین کی جو میرے باپ دادا ابراہیم واسحٰق ویعقوب کا ہے

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ

ہمیں روا نہیں کہ اللہ کا شریک کریں کسی شے کو یہ اللہ کا فضل ہے

فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہم پر اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں ادا کرتے

تھے۔ لہٰذا اب ان کی ہر بات کو وہ توجہ سے ہی سنتے۔ پس موقع موزوں سمجھ کر پہلے اپنی حیثیت ان پر واضح کی کہ میں کون ہوں اور تعبیر خواب کا علم مجھے کس نے دیا ہے اور یہ عہدہ مجھے کیوں کر ملا ہے؟ پس فرمایا یہ عطیہ پروردگار ہے اس کلمہ سے ان کے اذہان کو ربوبیت والوہیت کے اعتقاد سے آشنا کیا اور اللہ پر ایمان نہ رکھنے والوں کو کافر کہا اور یہ ساتھ ساتھ واضح ہو گیا کہ خدائی عطیہ کا سزاوار صرف مومن اور خدا پرست ہی ہو سکتا ہے۔ پھر اپنے سلسلہ آباء کا تذکرہ کر کے شرک سے نفرت دلائی اور اپنے عہدۂ نبوت کو فضلِ پروردگار قرار دیا اور یہ بھی ساتھ ساتھ واضح کیا کہ بعثتِ نبوت جس طرح انبیاء پر نعمتِ پروردگار ہے اسی طرح لوگوں پر بھی یہ اس کا لُطف بے پایاں وفضل بے کراں ہے اور چونکہ احسان کا بدلہ احسان عقلی فریضہ ہے۔ لہٰذا پروردگار کے اس احسانِ عظیم وفیضِ عمیم کا شکر ادا کرنا ہی اس کے احسان کا صحیح بدلہ ہے اور اس کا شکریہ ہے کہ اس کے انبیاء پر ایمان لایا جائے اور ان کی ہدایات کو مشعلِ راہ قرار دے کر زندگی کے ہر شعبہ میں پیش قدمی کی جائے اور اس کے بعد فرمایا کہ اکثر لوگ خداوند عظیم کے عظیم احسانات کا شکر ادا نہیں کرتے۔ پس اس مختصر سی تقریر میں حضرت یوسف نے توحید ونبوت کی باحسن طریق وضاحت فرمائی اور ان کی اتباع کو نہایت خوش اسلوبی سے باعثِ نجات ہونا بلکہ فطری ہونا ثابت کیا اور

یہ وہ انداز تبلیغ ہے جو صرف حجت خدا ہی اختیار کر سکتا ہے پس اس اتمام حجت کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے۔

یَا صَاحِبَیِ السِّجْن۔ سابق بیان بطور تمہید بیان کرنے اور ان کے اذہان کو اپنی پر مغز و موثر تقریر سے اپنی جانب پوری طرح متوجہ کرنے کے بعد انہیں اس لب ولہجہ میں سمجھایا کہ دیکھو تم لوگوں نے جو خدا بنا رکھے ہیں کوئی پتھر کا کوئی لکڑی کا، کوئی تانبے کا اور کوئی مٹی کا یہ متفرق بناوٹی خدا نہ نفع و نقصان کے مالک اور نہ خیر و شر ان کے ہاتھ میں ہے بلکہ وہ خود بنانے والے کے محتاج ہیں۔ ان کے نقائص وعیوب ایسے انداز میں بیان کئے کہ سننے والے پر بوجھ نہ ہو اور لطف یہ کہ بعد میں یہ نہ فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو بلکہ احسن طریق سے ان کو عقلی بیان سے متوجہ کیا کہ دیکھو یہ متفرق خدا جو کچھ نہیں کر سکتے بلکہ محتاج ہیں ان کے مقابلہ میں اس خدا کو دیکھو جو ایک ہے اور قہار ہے بس خود ہی موازنہ کر لو کہ ان میں سے کون سا راستہ درست ہے اور کون سا خدا سچا ہے؟ پھر باطل سے مزید نفرت دلانے کے لئے فرمایا یہ متفرق خدا جو تم نے تجویز کئے ہیں وہ تو صرف نام کی حد تک محدود ہیں یعنی ان کا نام خدا ہے۔ ان میں کام کی برکت نہیں بلکہ کھوکھلے اور بے معنی ہیں اور یہ نام بھی صرف تم نے تجویز کئے ہیں جن پر کوئی دلیل ناطق نہیں ہے پس حق اور باطل دونو پہلوؤں کی وضاحت کے بعد حق سے محبت اور باطل سے نفرت کی دعوت دی کہ کسی باطل کی عبادت نہ کرو بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کرو اور یہی لا الٰہ الا اللہ کا مفہوم ہے اور فرمایا کہ بس یہی صحیح دین اور محکم

يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ
اے میرے دونوں زندانی ساتھیو! کیا متفرق خدا بہتر ہیں یا وہ اللہ جو ایک ہے
الْقَهَّارُ (۳۹) مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ
اور غالب ہے نہیں تم عبادت کرتے اس کے سوا مگر ان کی جو صرف نام
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
ہی نام ہیں جو تجویز کئے تم نے اور تمہارے باپ دادا نے کہ ان کے متعلق خدا حقیقی کی جانب
سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ
سے کوئی دلیل نہیں حکم تو صرف اللہ کے لئے ہی ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا
عبادت نہ کرو یہ صحیح دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں
يَعْلَمُوْنَ (۴۰) يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا
جانتے اے میرے دونو زندانی ساتھیو! لیکن تم میں سے ایک

طریقِ نجات ہے۔

اَمَّآ اَحَدُکُمَا۔ اتمامِ حجت اور دعوتِ دین کے بعد ان کے سوالوں کے جواب کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلے ساقی کے خواب کی تعبیر بیان کی کہ انگوروں کے تین خوشوں کی تعبیر یہ ہے کہ تو تین دن زندان میں رہے گا۔ چوتھے دن تیرے حق میں فیصلہ ہو جائے گا اور تجھے بری الذمہ قرار دے کر سابقہ عہدہ پر بحال کیا جائے گا۔ ان آیات میں رب سے مراد مالک یعنی بادشاہ ہے اور دوسرے یعنی خانسامے کے خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے تین طبقوں سے مراد تین دن قید خانے کے ہیں اور چوتھے دن اس کے جرم کے ثبوت کے بعد اس کے لئے سزائے موت پھانسی کا حکم ہوگا پھر اس کی لاش کو پھینک دیا جائے گا اور طیور وحشی اس کے دماغ کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔ یہ سن کر وہ سٹپٹایا اور کہنے لگا میں نے تو جھوٹ بولا تھا اور حقیقت میں کوئی خواب نہیں دیکھا تھا آپ نے فرمایا تو نے خواب دیکھا ہو یا نہ اور تو نے سچ کہا ہو یا غلط قُضِیَ الْاَمْرُ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ہو کے رہے گا۔

ظَنَّ۔ وہ علم جس کی جانب مخالف کا احتمال ہو اُسے ظن سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حضرت یوسف کو علم اور ملکہ جس کی بدولت وہ تعبیر خواب بیان فرماتے تھے اللہ کا عطیہ تھا لیکن خواب سن کر اس کی تعبیر کا معین کرنا اگرچہ اسی ملکہ کے ماتحت تھا۔ تاہم اسے ظنی ہی کہا جا سکتا ہے اسی بنا پر خدا نے یوسف کے فیصلہ کو ظن سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے رہائی پانے والے سے فرمایا کہ اپنے مالک سے کہنا یوسف بے گناہ قید ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ چونکہ حضرت یوسف نے اپنی قید سے رہائی کے معاملہ میں بندوں کا سہارا لیا اور مخلوق سے اپیل کی حالانکہ خدا پر توکل کرکے اس سے دعا مانگنی چاہیے

فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

تو پلائے گا اپنے مالک کو شراب اور لیکن دوسرا پس سولی دیا جائے گا

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ

پس کھائیں گے پرندے اس کے دماغ کو فیصلہ ہو گیا اس امر کا جس کے متعلق تم

تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿٤١﴾ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا

دریافت کر رہے ہو اور اس سے کہا جس کے متعلق گمان تھا کہ وہ رہائی پانے والا ہے

اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

میرا ذکر کرنا اپنے مالک کے نزدیک پس بھلا دیا اس کو شیطان نے اپنے مالک کے

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾ ع ۱۵

پاس ذکر کرنا تو ٹھہرا (یوسف) زندان میں چند سال

تھی۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ شیطان نے رہائی پانے والے کے دل سے وہ بات بھلا دی اور یوسف کو چند سال مزید قید میں گذارنے پڑے۔

تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت یوسف نے قید میں جا کر عرض کی اے پروردگار! مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا ہے؟ تو ارشاد ہوا تو نے خود ہی دعا کی ہے کہ عورتوں کے مکروفریب سے مجھے زندان محبوب ہے اس وقت اگر کہتا کہ عورتوں کے پھندے سے مجھے عافیت محبوب ہے اور میں عافیت سے تجھے رکھتا عورتوں کے مکر سے بھی بچ جاتا اور قید و بند کی صعوبتیں بھی جھیلنی نہ پڑتیں۔

بروایت مجمع البیان زندان کے دونوں ساتھیوں نے (اور بروایت صافی زندان بان نے) یوسف سے کہا ہماری آپ سے محبت ہے آپ نے فرمایا مجھ سے محبت نہ کرو کیونکہ جس نے میرے ساتھ محبت کی ہے اس نے مجھے ایک نہ ایک مصیبت میں مبتلا کیا ہے میرے ساتھ اپنی سگی پھوپھی نے (بروایت صافی خالہ نے) محبت کی تو مجھے چوری کی طرف منسوب کیا۔ اس کے متعلق مفصل روایت بعد میں آجائے گی۔ اور باپ نے محبت کی تو کنوئیں میں ڈالا گیا اور زلیخا نے محبت کی تو زندان کی زندگی نصیب ہوئی۔

بروایت مجمع البیان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زندان میں حضرت یوسف کے پاس جبریل نے آکر دریافت کیا کہ تجھے حسن کس نے دیا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے۔ پوچھا۔ تجھے تمام بھائیوں کی بہ نسبت باپ کا محبوب کس نے بنایا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے پوچھا کہ رہگذر قافلہ کو تیری طرف کس نے بھیجا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے پوچھا تجھ سے پتھروں کا رُخ کس نے پھیرا؟ جواب دیا کہ پروردگار نے پوچھا کہ کنوئیں سے کس نے نکالا ہے؟ جواب دیا کہ پروردگار نے، پوچھا کہ عورتوں کے مکروفریب سے کس نے تجھے نجات دی؟ جواب دیا کہ پروردگار نے، پس کہا اب تجھے وہی پروردگار فرماتا ہے کہ کس بنا پر مجھے فراموش کر کے زندان سے رہائی کی اپیل تو نے میری مخلوق سے کی ہے؟ اب اس کے بدلہ میں کئی سال زندان میں رہنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مروی ہے کہ یہ سن کر حضرت یوسف زندان میں سخت روئے حتیٰ کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کے گریہ سے درودیوار میں گریہ طاری ہے اور تمام اہل زندان ان کے رونے سے تنگ آگئے۔ اور ترک گریہ کی درخواست دی گئی چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ ایک دن روئے اور ایک دن نہ روئے۔ پس جس دن نہ روتے تھے اس دن ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو جایا کرتی تھی۔

تفسیر برہان میں ہے جب حضرت یوسف نے رہا ہونے والے سے کہا کہ اپنے مالک کے پاس میری بے گناہی کا ذکر کرنا تو اس وقت جبریل کا نزول ہوا۔ اس نے پاؤں کی ٹھوکر ماری تو ساتویں زمین تک پردے کھل گئے اور کہا اے یوسف دیکھو کیا نظر آتا ہے؟ کہا مجھے ایک چھوٹا سا پتھر نظر آرہا ہے۔ پس جبریل نے پتھر کو دو حصے کر دیا۔ اور کہا کہ اب کیا دیکھتے ہو؟ کہنے لگے ایک چھوٹا سا کیڑا دیکھ رہا ہوں۔ جبریل نے پوچھا کہ اس کا رازق کون ہے؟ یوسف نے

جواب دیا کہ اللہ سبحانہ ہے تو جبرئیل نے کہا کہ تجھے اپنا پروردگار فرماتا ہے کہ میں ساتویں زمین کی گہرائیوں میں پتھر کے اندر اس چھوٹے سے کیڑے کو نہیں فراموش کرتا تو تجھے کیسے بھول سکتا ہوں کہ تو نے مجھے چھوڑ کر اپنی رہائی کی درخواست اپنے جیسی ایک مخلوق سے کی ہے۔ پس اس بات کے بدلے میں چند برس قید میں اور بھی گذارو۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مصائب اور شدائد میں مخلوق سے مدد طلب کرنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ بنا برعصمت روایات یہ تنبیہہ حضرت یوسف علیہ السّلام کے مخصوص امتحان سے متعلق ہے اور اس کی مصلحت کو سمجھنے اور بال کی کھال اتارنے سے تسلیم بہتر ہے۔ خدا جو کرے اس سے بازپرس نہیں ہو سکتی۔

بروایت، صافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ پوری کائنات میں سب سے زیادہ رونے والے پانچ ہیں اُن میں سے ایک حضرت یوسف ہیں اور روایات میں پانچ زیادہ رونے والے یہ ہیں (۱) حضرت آدم فراق حوا میں اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے پرندے سیراب ہوئے (۲) حضرت یعقوب فراق یوسف میں اس قدر روئے کہ آنکھوں کی بینائی کھو بیٹھے (۳) حضرت یوسف زندان مصر میں اس قدر روئے کہ اہل زندان تنگ آ گئے (۴) جناب بتول معظمہ خاتون جنّت جناب رسالت مآبؐ کی وفات کے بعد اُمّت کے مظالم سے تنگ آ کر اس قدر روئیں کہ اہل مدینہ ان کے رونے سے تنگ آ گئے اور حضرت امیر علیہ السّلام سے درخواست کی کہ مادرِ حسنین کے گریے سے ہم تنگ ہیں یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں پس جنّت البقیع میں حضرت علی نے بیت الحزن بنا دیا۔ وہاں جا کر سارا دن رویا کرتی تھیں اور رات کو واپس آ جایا کرتی تھیں (۵) حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جو واقعہ ہائلہ کربلا کے بعد ۳۵ برس متواتر روئے۔

تفسیر برہان میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ آدم یوسف اور داؤد کے برابر کوئی نہیں رویا حضرت آدم فراق جنّت میں روئے کہ اہل آسمان کو ان کی کثرتِ بکا سے شکایت پیدا ہوئی۔ حضرت داؤد اس قدر روئے کہ ان کی آنسو کے پانی سے گھاس اُگ آیا اور ان کی سرد آہ سبزیوں کو جلا دیا کرتی تھی اور حضرت یوسف اس قدر روئے کہ زندان والے تنگ آ گئے۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ جبرئیل نے حضرت یوسف کو دعائے فرج تعلیم کی کہ ہر نماز کے بعد پڑھا کریں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّارْزُقْنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ اور زمین پر رخسارہ رکھ کر یہ پڑھتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَتْ ذُنُوْبِیْ قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْھِیْ عِنْدَكَ فَاِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِوُجُوْهِ اٰبَائِیَ الصَّالِحِیْنَ اِبْرَاھِیْمَ وَ اِسْمَاعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ (علیھم السّلام) اور آپ نے فرمایا تم اس طرح پڑھا کرو۔ اِنْ کَانَتْ ذُنُوْبِیْ قَدْ اَخْلَقَتْ وَجْھِیْ عِنْدَكَ فَاِنِّیْ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِوَجْهِ نَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَ عَلِیٍّ وَ فَاطِمَة

وَالحسن والحسین والائمۃ علیہم السلام۔

بادشاہ کا خواب اور اس کی تعبیر وَقَالَ الْمَلِکُ ۔ خدا کی کرنی یہ ہوئی کہ جب

رکوع نمبر ۱۶ حضرت یوسف کی رہائی کا وقت آیا تو بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ سخت گھبرایا۔ اور اس کو کوئی تسلی بخش تعبیر حاصل نہ ہو سکی کہ سات موٹی گائیوں کو سات دبلی گائیوں نے کھا لیا اور سات سبز خوشوں کو دیکھا کہ سات کٹے اور جلے سڑے ہوئے خوشے ان کی طرف بڑھے اور آخر کار غالب آگئے۔ سِمَانٌ جمع ہے سمین کی یعنی موٹی تازی۔ عِجَافٌ اعجف کی جمع ہے اور افعل کی جمع فعال صرف اسی صیغہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتی مذکر کو اعجف اور مونث کو عجفاء کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی ہے دبلا پتلا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ

اور بادشاہ نے کہا میں نے (خواب میں) دیکھیں سات موٹی گائیں جن کو کھا رہی تھیں سات دبلی (گائیں)

سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ

اور سات خوشے سبز (دیکھے) اور دوسرے (سات) خشک (جو ان پر غالب آئے) اے سردارانِ قوم

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا

مجھے تعبیر دو میرے خواب کی اگر تم خواب کی تعبیر بتا

تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ

سکتے ہو کہنے لگے جھوٹے خواب ہیں اور ہم (اس قسم کے) خوابوں کی تعبیر

الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا

کے عالم نہیں ہیں اور کہا اس نے جس نے دو میں سے رہائی پائی

وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

تھی اور اس کو یاد ایک عرصہ کے بعد آیا میں اس کی تعبیر بتاتا ہوں پس مجھے (یوسف کی طرف)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جو خدا کی جانب سے ہو اس کی تاویل و تعبیر ہوا کرتی ہے دوسرا وہ جو شیطان کی جانب سے ہو اس کی کوئی تعبیر نہیں ہوتی۔ اور تیسرا وہ جو خواب دیکھنے والے کے اپنے عقائد و رجحانات کے ماتحت ہو پس جب بادشاہ مصر نے خواب بیان کیا تو اس کے درباری تعبیر کے عالم کہنے لگے یہ اضغاث احلام ہیں اس کی کوئی تعبیر نہیں ہے یعنی انہوں نے اس کو خواب کی دوسری قسم سے قرار دیا۔ اضغاث جمع ہے ضغث کی اور اس کا معنی ہوتا ہے متفرق اشیاء کی گٹھڑی اور بعض نے کہا ہے کہ گھاس کی مٹھی بھر مقدار کا نام ضغث ہے جیسے ایک مقام پر ارشاد ہے

maablib.org

خُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا اور اس مقام پر مراد ہے کہ یہ ملے جلے خواب ہیں ان کی کوئی تعبیر نہیں ہے۔ اَحْلَام جمع ہے حُلْم کی اور اس کا معنی خواب میں کوئی چیز دیکھنا ہے۔

وَادَّكَرَ۔ باب افتعال ہے اصل میں اِذْتَكَرَ تھا قاعدہ کے مطابق تا کو دال سے تبدیل کیا گیا اور ذال کو دال بنا کر ادغام کر دیا گیا اِدَّكَرَ بن گیا اور ہمزہ وصلیہ کے گرنے سے وَادَّكَرَ ہو گیا۔ بادشاہ کا خواب دیکھنا، اور درباری لوگوں کا اس کی تعبیر سے عاجز آنا سبب بن گیا کہ حضرت یوسف کے قید کے ساتھی کو حضرت یوسف کا بھولا ہوا پیغام یاد آگیا۔ پس موقعہ پا کر بادشاہ سے عرض کی کہ جب ہم دونو کو جیل میں بھیجا گیا تھا تو ہم نے اپنے اپنے خواب حضرت یوسف کے سامنے بیان کئے تھے اور انہوں نے جو تعبیریں دیں وہ من و عن صحیح ثابت ہوئیں اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں ان کے پاس حاضر ہو کر آپ کے خواب کی تعبیر لاتا ہوں چنانچہ اس کو بھیجا گیا اور اس نے حضرت یوسف سے بادشاہ کا خواب نقل کیا اور ان سے تعبیر حاصل کر کے واپس آیا۔

تعبیر اس طرح تھی کہ سات موٹی گایوں اور سات سبز خوشوں سے مراد خوش حالی و سرسبزی کے سات سال ہیں اور سات دبلی گایوں اور سات خشک خوشوں سے مراد بعد والے سات سال قحط کے ہیں جو پہلے سالوں کی حاصل شدہ پیداوار کو کھا جائیں گے یعنی لوگ، ان سالوں میں سابقہ سالوں کی بچت پر اپنا پیٹ پالیں

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

(وہاں پہنچ کر اس نے کہا) اے یوسف اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے کہ سات موٹی گایوں

يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ

کو کھاتی ہیں سات دبلی اور سات سبز خوشے اور دوسرے خشک

أُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْ أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ

(جو ان پر غالب ہیں) تاکہ میں لوگوں کی طرف جاؤں تاکہ وہ تیرے فضل و کمال کو

يَعْلَمُوْنَ (۴۶) قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَأَبًا

جان لیں فرمایا کاشت کرو سات سال عادت کے مطابق

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْبُلِهٖۤ إِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا

پس جو کٹائی کرو اسے اپنے خوشوں ہی میں رکھ دو سوائے تھوڑی مقدار کے جو کھانے

تَأْكُلُوْنَ (۴۷) ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ

کے لئے ضرورت ہو پھر آئیں گے اس کے بعد سات سال (قحط کے) سخت کہ

گے۔ پس اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے سات سال اپنی حسب عادت خوب فصل کاشت کرو۔ دأبا کا مطلب عادت ہوا کرتا ہے اور ہر سال کی پیداوار کو اپنے خوشوں میں محفوظ رکھو صرف اسی قدر صاف کر کے رکھو جو اس سال کی ضرورت ہو کیوں کہ صاف شدہ گندم کو کیڑا یا دوسری بیماری کا خطرہ ہوتا ہے اور اس کے خراب ہونے کا امکان رہتا ہے لیکن خوشے کے اندر دانہ بالکل محفوظ رہتا ہے خواہ کتنا عرصہ ہی اس پر گذر جائے۔ پھر آٹھواں سال بارش کا ہوگا اور اس میں لوگ خوش حال ہو جائیں گے

يُغَاثُ غیث سے ہے یعنی لوگوں پر بارش کا سال ہوگا اور يَعْصِرُوْنَ عصر سے ہے جس کا معنی ہے نچوڑنا۔ لیکن وہ حسب سابق انگور وغیرہ نچوڑیں گے اور یہ خوش حالی سے کنایہ ہے۔

ذَرُوْهُ ۔ ذر اور دع کا ایک معنی ہے یعنی چھوڑ اور یہ کہ امر کے صیغے ہیں ان کی ماضی اس مادہ سے نہیں ہوتی۔

شِدَادٌ۔ شدید کی جمع ہے شدت صلابت اور صعوبت مترادف الفاظ ہیں۔

رکوع ۱۷

شِدَادٌ يَّأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

کھائیں گے وہ جو تم نے ان کے لئے بچا رکھا ہوگا سوائے کے جو تم بچاؤ گے

ثُمَّ يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ

پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال جس میں لوگوں پر باران رحمت ہوگی اور وہ قحط سے

يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ

نجات پائیں گے اور حکم دیا بادشاہ نے کہ اسے میرے پاس لاؤ تو جب آپ

الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْــَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ

کے پاس قاصد آیا آپ نے فرمایا جاؤ اپنے مالک کے پاس اور اس سے پوچھو کہ کیا معاملہ تھا

قَالَ الْمَلِكُ جب حضرت یوسف نے خواب کی تعبیر بیان کی اور ساقی نے بادشاہ کو سنائی تو بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف کے علم کا سکہ بیٹھ گیا۔ اور یوسف کی محبت دل میں گھر کر گئی فوراً حکم دیا کہ یوسف کو میرے دربار میں حاضر کیا جائے۔ چنانچہ غلام نے آکر آپ کو یہ مژدہ سنایا تو حضرت یوسف نے نہایت متانت اور حوصلہ سے جواب دیا کہ میں اس وقت تک قید خانہ سے باہر آنے کو تیار نہیں ہوں جب تک کہ میرے مقدمہ کے متعلق میری پوزیشن صاف نہ ہو جائے اور میرا بری الذمہ ہونا بادشاہ و رعایا پر واضح نہ ہو جائے یعنی میں صرف شاہی رحم و کرم کی بنا پر آزادی کا متمنی نہیں ہوں بلکہ اپنی بے گناہی کے پیش نظر میں آزادی کا حق رکھتا ہوں۔ لہذا جا کر اپنے ہاتھوں کو کاٹنے والی جملہ عورتوں سے دریافت کیا جائے کہ واقعہ کی حقیقت کیا ہے اس مقام پر حضرت یوسف

کا کس قدر محتاط رویہ ہے یہ نہیں فرمایا کہ زلیخا سے پوچھا جائے کیونکہ وہ عزیز مصر کی زوجہ تھی اور سوء ادب کا احتمال تھا لیکن کنایہ کے لحاظ سے ضمنی طور پر وہ بھی اس گروہ میں شامل تھیں پس بادشاہ نے عورتوں کو بلا کر دریافت کیا تو سب نے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی اور خود زلیخا نے صریح طور پر اعتراف کیا کہ یہ سراسر میری غلطی تھی اور وہ بالکل حق بجانب ہیں۔

الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ

عورتوں کا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے تحقیق میرا رب ان کے مکر کو جاننے والا ہے

مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ

(بادشاہ نے) پوچھا تمہارا کیا واقعہ ہے جب کہ تم نے بلایا یوسف کو اپنی طرف کہنے لگیں معاذ اللہ

لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ

ہم نے نہیں دیکھی اس پر کوئی برائی عزیز کی عورت کہنے لگی اب ظاہر ہو

الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ

گیا ہے حق میں نے ہی اس کو اپنی طرف بلایا تھا اور تحقیق

لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾ ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ

وہ سچا تھا یہ اس لئے کہ اسے پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت

بِالْغَیْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ کَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۲﴾

بھی اس کی خیانت نہیں کی اور تحقیق اللہ نہیں انجام بخیر کرتا خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کا

ذٰلِکَ لِیَعْلَمَ ۔ یہ حضرت یوسف کے کلام کا جملہ ہے کہ میں نے رہائی سے قبل اپنے مقدمہ کی تفتیش کا مطالبہ اس لئے کیا تھا تاکہ بادشاہ کو پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی تھی کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو رہائی کے بعد بھی اس کے دل میں یہ احساس رہتا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے میری خیانت کی ہے بیشک حضرت یوسف علیہ السلام کا حلم و حوصلہ اور عزم و استقلال قابل داد و ستائش ہے کہ باوجودیکہ بے جرم قید تھے اور مظلوم تھے لیکن جب بھی تعبیر خواب کے لئے بادشاہ سائل بن کر پیش ہوا تو انہوں نے بخل سے کام نہیں لیا اور نہ اس مشکل کشائی کے بدلہ میں اپنی رہائی کا مطالبہ کیا ورنہ اگر کوئی جلد باز اور جذباتی قسم کا انسان ہوتا تو مسئلہ بیان کرنے میں بخل کرتا اور جواب مسئلہ کو اپنی رہائی سے مشروط کر دیتا۔ نہ انہوں نے پہلے شرط کی کہ قید سے آزاد کرو تب بتاؤں گا اور نہ مسئلہ بتانے کے بعد جب کہ وہ ممنون احسان ہو چکے تھے۔ اپنی آزادی کا مطالبہ کیا۔ اور لطف یہ کہ جب انہوں نے اپنی جانب سے پیش کش کی تو نہایت فراخدلی اور بلند حوصلگی کا مظاہرہ

کا مطالبہ کرتے ہوئے ان کے رحم و کرم کی پیش کش کو پائے تحقیر سے ٹھکرا دیا اور مقدمہ کی تفتیش اور فیصلہ پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا تاکہ رہائی کا حکم رحم و کرم کی بنا پر نہ سمجھا جائے بلکہ استحقاق کے پیش نظر ہو اور سابق کی قید استحقاق کی بنا پر نہ سمجھی جائے بلکہ مظلومانہ قرار دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا ورنہ اگر کوئی جذباتی قسم کا بندہ ہوتا تو اپنی قید سے رہائی کی پیشکش کو نعمت غیر مترقبہ بلکہ سلطانِ وقت کا احسان عظیم سمجھتا اور اپنے دامن کی آلودگیوں کو نظر انداز کر کے مخدوش زندگی کو ہی غنیمت سمجھتا جیسا کہ کم ہمت لوگوں کا شیوہ ہے۔ اور اسی مطلب کی ایک حدیث بھی جناب رسالت مآب سے مروی ہے جس میں حضور نے حضرت یوسف کے اس بلند کردار کو سراہتے ہوئے اپنی جانب منسوب کیا کہ اگر میں ہوتا تو جواب مسئلہ کو رہائی پر مشروط کرتا یا رہائی کی پیش کش کو فوراً قبول کر لیتا حالانکہ حضورؐ اخلاق و کردار میں یوسف بلکہ جملہ انبیاء کے لئے پیش رو کی حیثیت رکھتے ہیں تو اس مقام پر آپ کا یہ فرمانا کہ میں ہوتا تو ایسا کرتا مثال کے لئے ہے مقصد یہ ہے کہ کوئی عام جلد باز و جذباتی و ناعاقبت اندیش آدمی ہوتا تو ایسا کرتا اور حضور کی یہ عادت تھی کہ اپنے اخلاق کریمانہ کے پیش نظر ایسی باتوں کو بجائے مخاطبین کے اپنی جانب منسوب کر دیا کرتے تھے۔

اور بعض مفسرین نے ذَالِكَ لِيَعْلَمَ کو زلیخا کے کلام کا تتمہ قرار دیا ہے یعنی میں یوسف کی عدم موجودگی میں حق و صداقت کی گواہی پیش کر رہی ہوں تاکہ اُسے پتہ چل جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور میں اپنے نفس کو بالکل بری بھی نہیں قرار دیتی کیونکہ میں نے ہی اس پر الزام لگا کر قید و بند کی صعوبتوں میں اس کو مبتلا کیا ہے جیسا کہ اگلی آیت کا مضمون ہے۔

پارہ ۱۳

maablib.org

رکوع نمبر ۱۔ وَمَآ اُبَرِّئُ اکثر مفسرین کے نزدیک یہ یوسف کا قول ہے اور بعضوں نے اسے زلیخا کا قول قرار دیا ہے۔ لیکن پہلا قول ہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور حضرت یوسف نے کسر نفسی اور تواضع کے طور پر فرمایا کہ میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا کیونکہ فطرتاً نفس شہوانیات کی طرف مائل ہوتا ہے سوائے ان کے جن کو خدا محفوظ رکھے۔ پس اپنی عصمت کو احسان پروردگار بتایا۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا تحقیق نفس برائی کا حکم کرتا ہے مگر

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۵۳﴾ وَ

وہ جس پر میرا رب رحم کرے تحقیق میرا رب غفور رحیم ہے اور

وَقَالَ الْمَلِكُ۔ جب بادشاہ پر حضرت یوسف کی پاکدامنی کا راز کھل گیا تو چونکہ وہ آپ کے فضل و کمال کا دلدادہ بھی ہو گیا تھا۔ پس اس نے حضرت یوسف کو تدبیر مملکت میں شریک کرنے کا اپنے دل میں فیصلہ کر لیا اور آپ کو زندان سے رہا کر کے اپنے ہاں مہمان بلا لیا۔ پس خلوت میں کافی دیر تک باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ بادشاہ کا دل ہر حیثیت سے حضرت یوسف نے موہ لیا اور اُن کا بالکل گرویدہ بن گیا۔

بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف کو حکومت کی طرف سے مقدمہ سے برائت کا مژدہ پہنچا تو آپ نے غسل کیا قید خانہ کی میل جسم سے دور کی اور فاخرہ لباس زیب تن فرما کر دربار شاہی میں تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر تیس برس تھی اور مروی ہے کہ قید سے نکلتے ہوئے آپ نے قیدیوں کے لئے یہ دعا کی، اے پروردگار اس قوم کی طرف نیک لوگوں کے دلوں کو مائل کر اور ان لوگوں کو دنیاوی حالات سے بے خبر نہ رکھ اور کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں ظاہری حالات اور سیاسی واقعات کا علم آزاد لوگوں کی بہ نسبت قیدیوں کو زیادہ ہوا کرتا ہے۔ آپ نے بوقت وداع دروازۂ زندان پر چند کلمات لکھے جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) یہ زندہ لوگوں کا قبرستان ہے (۲) یہ غم کا گھر ہے (۳) یہ دوستوں کے پرکھنے کا مقام ہے (۴) یہ دشمنوں کی شماتت کی جگہ ہے۔ جب بادشاہ کے دروازہ پر پہنچے تو یہ کلمات زبان سے جاری فرمائے۔ حَسْبِیْ رَبِّیْ مِنْ دُنْیَایَ وَحَسْبِیْ رَبِّیْ مِنْ خَلْقِهٖ عَزَّ جَارُهٗ وَجَلَّ ثَنَآؤُهٗ وَلَآ اِلٰهَ غَیْرُهٗ اور جب بادشاہ پر نظر پڑی تو یہ کلمات پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ بِخَیْرِكَ مِنْ خَیْرِهٖ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَمِنْ شَرِّ غَیْرِهٖ۔ جب بادشاہ نے اس کی جانب نظر اٹھائی تو یوسف نے زبان عربی میں اس پر سلام کیا بادشاہ نے پوچھا کہ یہ کونسی زبان ہے تو آپ نے فرمایا یہ میرے چچا حضرت اسمٰعیل کی بولی ہے۔ پھر

عبرانی زبان میں بادشاہ کو دعا کی۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کون سی زبان ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہ میرے باپ دادا کی بولی ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ بادشاہ ستر زبانوں کا ماہر تھا اور وہ جس زبان میں کلام کرتا تھا حضرت اسمٰعیل اس کو اسی زبان میں جواب دیتے تھے بادشاہ کو آپ کی زبان دانی اور حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا پس بادشاہ نے کہا کہ میں اپنا خواب آپ سے سننا چاہتا ہوں۔ حضرت یوسف نے بادشاہ کا خواب بیان کرنا شروع کیا۔ اے بادشاہ تو نے سات رنگ برنگی سفید پیشانی والی خوبصورت اور موٹی تازی گائیں دیکھیں جو دریائے نیل سے نکل کر اس کے کنارہ پر آئیں ان کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا تھا تو ان کے حسن میں محو حیرت تھا کہ اچانک دریائے نیل خشک ہو گیا اور اس کے بقیہ گرم پانی اور کیچڑ میں سے سات دبلی پتلی بدشکل برآمد ہوئیں جن کے پیٹ پشت سے ملے ہوئے تھے نہ ان کے تھن تھے نہ دودھ البتہ ان کے دانت بڑے بڑے تھے ان کے اگلے پیر کتوں کی طرح اور سونڈ درندوں کی طرح ان

قَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا

بادشاہ نے کہا اس کو لے آؤ کہ میں اس کو اپنا مخصوص رازدار بنا لوں جب

كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ

اس سے بات کی تو (یوسف سے) کہا کہ تو اب ہمارے نزدیک ذی وقار

أَمِينٌ ﴿٥٤﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ

امین ہے (یوسف نے کہا) کہ مجھے زمین کے خزانوں پر مامور کر

الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ﴿٥٥﴾ وَكَذَٰلِكَ

دیجئے کہ میں اس کا باخبر محافظ ہوں اور اسی طرح

کو بھاڑ ڈالا ان کے چمڑے کو ٹکڑے کیا ان کی ہڈیوں کو توڑ دیا ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا لیا۔ اور ان کی چربی کو چاٹ اور چوس لیا ابھی تو یہ ماجرا دیکھ کر دریائے تعجب و حیرت میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک سات سرسبز خوشے ظاہر ہوئے اور ان کے ساتھ سات خشک و سیاہ خوشے بھی نمودار ہوئے جو ایک ہی جگہ کی پیداوار تھے ابھی تو سوچ رہا تھا کہ یہ سبز کیوں ہیں اور وہ خشک و سیاہ کیوں ہیں؟ حالانکہ دونوں کی جڑیں پانی میں ہیں اور ایک جگہ کی پیداوار ہیں کہ اچانک ہوا چلی اور اس نے سیاہ خوشوں میں سے ایک مادہ کو اڑایا جو سرسبز خوشوں پر پڑا پس ان میں آگ بھڑک اٹھی اور ان کو جلا کر کوئلہ کر دیا اور یہ تیرے خواب کا آخری حصہ ہے جس کے بعد تو گھبرا کر بیدار ہو گیا۔ بادشاہ نے سن کر کہا کہ میرا خواب اس قدر تعجبناک نہیں جتنا کہ آپ کا اس کی تفصیل سے باخبر ہونا تعجب خیز ہے پس اب اس کا حل بتائیے تو آپ نے فرمایا کہ انبار تعمیر کرا دیجئے اور آباد سالوں کی پیداوار جو وقتی ضرورت سے زائد ہو خوشوں سمیت ان میں جمع کراتے جائیے تاکہ

خراب نہ ہوں۔ پس ہر قحط کے سال میں حسب ضرورت گندم کا دانہ انسانوں کے کام آتا رہے گا۔ اور بھوسہ حیوانوں کے کام آئے گا اور گرد و نواح کے لوگ آپ سے جنس خرید لیں گے پس تمام اطراف کا سونا کھچ کر تمہارے خزانہ میں آ جمع ہو گا بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت لمبا اور بڑا اہم ہے اس کو انجام دینے کے لئے کوئی مدبر نیک نیت اور امین آدمی چاہیے۔ تو اس کے جواب میں حضرت یوسف نے فرمایا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ یعنی زمین کے خزانوں کا امین اور مدبر مجھے بنا دیجئے میں اس عہدہ کو اچھی طرح سنبھال سکتا ہوں۔ کیونکہ مختلف ضرورت مند لوگ جب اطراف و نواح سے آئیں گے تو ان کی زبانیں جدا جدا ہوں گی لہذا یہاں وہ شخص کام کر سکتا ہے جو مختلف زبانوں کا عالم و ماہر ہو۔ پس حضرت یوسف ہی اس عہدہ کے لئے موزوں تر تھے اور انہی کو نامزد کر لیا گیا۔ اس مقام سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ جہاں لوگ نہ پہچانتے ہوں انسان اپنا فضل و کمال بیان کر کے اپنا تعارف کرا سکتا ہے تاکہ لوگوں کو فائدہ پہنچ سکے اور یہ چیز خود ستائی کے عیب بد سے مستثنٰی ہے (جیسا کہ فرماتا ہے فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کرو یعنی خود ستائی نہ کرو) اور حضرت یوسف نے لوگوں کے افادہ کے لئے اپنی تعریف کی کہ میں حفیظ اور علیم ہوں اور منقول ہے کہ بادشاہ نے سابق عزیز مصر قطفیر (شوہر زلیخا) کو معزول کر کے اس کی جگہ حضرت یوسف کو مقرر کیا اور بعض کہتے ہیں کہ قطفیر اس سال فوت ہوا اور اس کی جگہ حضرت یوسف نے لی اور اس کے بعد حضرت یوسف کو عزیز مصر کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

بروایت عیاشی امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت یوسف نے ولایت و حکومت اس لئے طلب کی تھی کہ اللہ کے احکام کی ترویج کرے اور حق کی توسیع کرے۔ اور مجمع البیان میں جناب رسالت مآب سے منقول ہے۔ خدا میرے بھائی یوسف پر رحم کرے کہ اگر وہ یہ نہ کہتے کہ مجھے اس کے خزانوں پر مقرر کیا جائے تو اس کو اسی وقت سے حکومت سپرد کر دی جاتی لیکن اس وجہ سے وہ سال کی تعویق میں پڑ گئے اور دوسرے سال ان کو عنان حکومت سپرد ہوئی۔

شباب زلیخا

تفسیر مجمع البیان میں تفسیر علی بن ابراہیم سے منقول ہے کہ جب عزیز مصر مر گیا اور یہ زمانہ قحط کا تھا پس زلیخا کی کفالت کرنے والا کوئی نہ رہا اور وہ فقر و فاقہ کا شکار ہو گئی حتیٰ کہ دست سوال دراز کرنے تک اس کی نوبت پہنچی لوگوں نے اس کو مشورہ دیا کہ اپنی حالت زار عزیز مصر (یوسف) سے بیان کرو تو اس نے جواب دیا کہ مجھے شرم آتی ہے لیکن جب لوگوں نے اصرار کیا تو وہ بھی آمادہ ہو گئی اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ میں بیٹھ گئی جب حضرت یوسف اپنی شاہانہ شکوہ کے ساتھ وہاں سے گذرے تو زلیخا نے کھڑے ہو کر نیاز مندانہ طریق سے یہ کلمات کہے سُبْحَانَ مَنْ جَعَلَ الْمُلُوْكَ بِالْمَعْصِيَةِ عَبِيْدًا وَ جَعَلَ الْعَبِيْدَ بِالطَّاعَةِ مُلُوْكًا (پاک ہے وہ اللہ جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی سزا میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں بادشاہ بنا دیا) حضرت یوسف رک گئے اور فرمایا تو وہی زلیخا ہے؟ کہنے لگی ہاں! تو آپ نے فرمایا کیا تجھے میری ضرورت ہے؟

کہنے لگی اس بات کو رہنے دیجئے اب میں بوڑھی یائسہ ہو چکی ہوں کیا آپ میرے ساتھ مسخری کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا میں تو سچ کہہ رہا ہوں یہ مسخری نہیں ہے تو کہنے لگی کہ ہاں (یعنی مجھے اب بھی آپ کی ضرورت ہے) پس حضرت یوسف نے اس کو اپنی دولت سرا میں بھجوا دیا اس وقت وہ بوڑھی ہو چکی تھی۔ حضرت یوسف نے فرمایا تو نے میرے ساتھ فلاں فلاں برتاؤ کیا تھا کہنے لگی اے خدا کے نبی! مجھے سرزنش نہ کیجئے میں ایک ایسی مصیبت زدہ ہوں کہ میری طرح شاید کوئی بھی مصیبت میں گرفتار نہ ہوگا آپ نے پوچھا کہ کیسے ؟ تو اس نے عرض کی اوّلاً تو میں آپ کی محبت میں گرفتار ہوں کہ خدا نے تجھے دنیا میں حسن کے لحاظ سے بے نظیر پیدا کیا ہے اور ثانیاً یہ کہ شہر مصر میں مجھ جیسی کوئی حسین و جمیل عورت نہیں تھی اور نہ مجھ سے کوئی زیادہ مالدار تھی بایں ہمہ مجھے جو شوہر ملا وہ نامرد تھا۔ حضرت یوسف نے فرمایا اب تیرے دل میں کوئی خواہش ہے ؟ تو اس نے جواب دیا ہاں اور وہ یہ کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ مجھے جوانی پلٹا دے چنانچہ حضرت یوسف کی دعا سے خدا نے اس کو دوبارہ جوانی عطا فرمائی اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کر لی اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت یوسف کے زلیخا کے بطن سے دو لڑکے پیدا ہوئے ایک کا نام افرائیم اور دوسرے کا نام منشا تھا

حضرت یوسف کی حکومت

وَکَذٰلِکَ۔ حضرت یوسف کا پہلا سال تو عزیز مصر کے عہدہ میں گذرا جب اپنی حسن کارکردگی اور دیانت سے بادشاہ کے دل و دماغ پر ان کا تسلط ہو گیا تو بروایت ابن عباس سوالِ ولایت کے پورے ایک سال بعد بادشاہ نے ان کو خود اپنے پاس بلایا اور اپنی ردا تلوار اور تاج ان کے سپرد کر دیا اور حکم دیا کہ دُر و یاقوت سے مرصّع سونے کا تخت نصب کیا جائے جس پر ریشم و مخمل کا فرش بچھایا جائے اور یوسف سے کہا کہ تاج

مَکَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ
ہم نے حکومت دی یوسف کو زمین میں تاکہ تصرف کریں اس میں جس طرح چاہیں
نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (۵۶)
پہنچاتے ہیں ہم اپنی رحمت جسے چاہیں اور ہم نہیں ضائع کرتے احسان کرنے والوں کا اجر

سر پر رکھ کر تخت شاہی کو رونق دیجئے چنانچہ حضرت یوسف شاہانہ تاج سر پر رکھ کر تشریف لائے آپ کا چہرہ اس قدر صاف و شفاف و نورانی تھا کہ زیارت کرنے والے کو یوسف کے منہ سے اپنا منہ نظر آتا تھا جس طرح شیشے سے اپنی شکل نظر آتی ہے پس تخت مصر پر جلوہ فگن ہوئے تو اطراف و نواح کے تمام چھوٹے چھوٹے حکمران خود بخود اُن کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور حکومت عدل و انصاف کو اس طرح قائم کیا کہ رعایا کے تمام زن و مرد اُن کے گرویدہ ہو گئے۔ پس بادشاہِ سابق خود بھی مسلمان ہو گیا اور رعایا میں بھی اسلام پھیل گیا۔

کتب تفاسیر میں ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے حسن تدبیر سے سرسبزی و شادابی کے سالوں میں بچت کو جمع کرنا

شروع کر دیا انبار اور خزانے تعمیر کرائے۔ جس میں غلہ اور نقدی پس انداز کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ سات سال کے عرصہ میں انبار پر ہو گئے۔ اب جو قحط کا زمانہ آیا تو حضرت یوسف نے ہر سال کی بچت کو علی الترتیب بیچنا شروع کر دیا۔ پہلے سال لوگوں نے غلہ خرید کر کے درہم و دینار شاہی خزانہ کے حوالہ کئے حتیٰ کہ مصر میں کسی کے پاس نہ درہم رہا نہ دینار تو دوسرے سال لوگوں نے زیورات و جواہر کے بدلہ میں گندم خرید کی حتیٰ کہ مصر کے تمام زیورات و جواہر شاہی خزانہ میں پہنچ گئے۔ پھر تیسرے سال حیوان و مویشی غلہ کے بدلہ میں حضرت یوسف کے قبضہ میں آ گئے اور چوتھے سال غلاموں اور لونڈیوں کے بدلہ میں آپ نے غلہ فروخت کیا۔ حتیٰ کہ کسی کے پاس کوئی غلام و

وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَكَانُوۡا يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۷﴾ ع

اور آخرت کا اجر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور تقوےٰ رکھیں

لونڈی نہ بچی پھر پانچویں سال گھروں اور جائدادوں کو آپ نے غلہ کے بدلہ میں خرید لیا اور چھٹے سال زمینیں اور کھیتیاں غلے کے بدلہ میں خرید لیں اور ساتویں سال خود لوگوں نے اپنی گردنیں اور جانیں حضرت یوسف پر غلہ کے عوض میں بیچ دیں اب مصر اور اس کے گرد و نواح میں تمام آزاد غلام حضرت یوسف کے غلام بن چکے تھے۔ اور لوگوں میں یہ چرچا تھا کہ ہم نے نہ کوئی بادشاہ دیکھا نہ سنا ہے جو ہمارے بادشاہ کی طرح حکمت و تدبیر اور علم و کمال میں وسعت رکھتا ہو۔ پس حضرت یوسف نے بادشاہِ سابق کو اپنے پاس طلب کیا اور فرمایا تم دیکھتے ہو جو خدا نے مجھے ملک مصر اور اس کی اہل پر حکومت بخشی ہے اب تم مشورہ دو کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میں نے ان کی اصلاح اس لئے نہیں کی کہ ان کو نقصان دوں اور ان کو قحط کی مصیبت سے اس لئے نہیں چھڑایا کہ خود ان کے لئے وبال بن جاؤں۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ اس کے بارے میں آپ خود مختار ہیں جو چاہیں کریں میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے تو آپ نے فرمایا بس میں اپنے اللہ کو اور تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں نے تمام مصر والوں کو آزاد کیا ہے اور ان کے مال و غلام سب ان کو واپس کئے ہیں اور تجھے بھی اپنی مہر تخت و تاج واپس کرتا ہوں اس شرط پر کہ تو میری سیرت پر چلے اور میرے ہی حکم سے فیصلہ کرے بادشاہ نے جواب دیا۔ کہ میرے لئے باعث صد افتخار اور خوش بختی ہے کہ آپ کی سیرت کو اپناؤں اور آپ کے حکم کو مشعلِ راہ قرار دوں اور میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نہ ہوتے تو میں ان قحط سالیوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہوتا اور مجھے اس مسئلہ کا حل یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا تھا جو آپ نے کیا ہے میں نے آپ کو ہی اپنا حاکم و پیش رو تسلیم کر لیا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحد و لاشریک ہے اور تو اس کا رسول ہے پس آپ اپنے عہدہ پر قائم رہیں میں آپ کو حاکم و امین سمجھتا ہوں۔ اور منقول ہے کہ حضرت یوسف خود قحط کے ایام میں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ جب آپ سے سوال کیا جاتا تھا کہ آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں حالانکہ آپ کے ہاتھ میں زمین کے خزانے ہیں؟ تو آپ جواب میں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں ڈرتا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خود شکم سیر ہو کر بھوکوں کی خبر گیری سے غافل ہو جاؤں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام پر جب مامون کی جانب سے ولی عہدی کو قبول کر لینے پر اعتراضات کئے گئے تو آپ نے جواب میں حضرت یوسف علیہ السلام کا ولایتِ مصر کو قبول کرنا بلکہ خود خواہش کرنا آیتِ قرآنی کی رو سے پیش کر کے ان کو خاموش کیا کہ ضرورتِ وقت کے ماتحت رعایا میں عدل و انصاف کو قائم کرنے کے لئے اور مظلوموں کی فریاد رسی اور احکام شرعیہ کے نفاذ کے لئے ایسا کرنا جائز ہے بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہو جایا کرتا ہے جب کہ اس کے بغیر جانی و مالی نقصان کا خطرہ ہو بلکہ ایک روایت میں آپ سے منقول ہے کہ مجھے ولی عہدی کے قبول کرنے اور قتل ہونے میں اختیار دیا گیا تھا پس میں نے قتل سے بچنے کے لئے ولی عہدی کو بدلِ ناخواستہ قبول کر لیا۔

حکومت و سلطنت

موقعہ کی مناسبت اور محل کی موزونیت کے پیش نظر حکومت و ولایت عامہ کے متعلق مختصر اور جامع بیان پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں اس میں شک نہیں کہ تمدن کی بقا و ارتقاء کا راز اسی میں مضمر ہے کہ انسان مجموعی طور پر سلطان و رعایا کی حیثیت سے نظامِ حیات کو قائم کریں۔ پس جس طرح اس سلسلہ میں سلطان و حاکم پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اسی طرح رعایا پر بھی اپنی نوعیت سے کچھ ذمہ داریاں ہیں اور جب تک سلطان و رعایا یکساں طور پر اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں کا احساس نہ کریں اور ان سے عہدہ برا ہونے کی کوشش نہ کریں تمدنی ارتقاء تو بجائے خود اس کی بقاء بھی معرضِ خطر میں پڑ جاتی ہے۔ اگر رعایا بادشاہ سے متنفر ہو اور بادشاہ رعایا سے غیر مطمئن ہو تو ایسی سلطنت و حکومت کی کشتی ہمیشہ گرداب و بھنور میں ہچکولے کھاتی رہتی ہے اور سکون و چین کی زندگی کسی کو نصیب نہیں ہوتی اور ان دونوں میں سے اہم ذمہ داری بادشاہ پر ہوتی ہے اور رعایا کی تمام تر ذمہ داریاں سلطانِ وقت کی اہم ذمہ داری کے نتائج و اثرات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی بنا پر کہا جاتا ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِهِمْ یعنی لوگ بادشاہوں کے دین کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ پس اگر بادشاہ اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے کما حقہ عہدہ برا ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ رعایا کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہ ہو۔

دیکھئے اس مقام پر سلطان اور حکمران کے سامنے دو نظریئے ہوتے ہیں جو سلطان و رعایا کے درمیان اعتماد قائم رکھنے یا بداعتمادی کو جنم دینے کے موجب ہیں۔

(۱) قانون کی حکومت کو قائم کرنا اور اس کی بدل و جان پاسداری کرنا (۲) قانون پر حکومت قائم کرنا اور قانون کو اپنے پاؤں کے نیچے کچل کر رکھنا۔ پہلی صورت میں قانون کی بالادستی کی حفاظت و نگرانی سلطان کا فریضہ ہے اور دوسری صورت میں قانون پر اپنی بالادستی کو قائم رکھنا سلطان کا نظریہ ہے۔ پس اگر سلطان پہلے نظریہ کا حامی ہو تو اس کے ماتحت جملہ آفیسران اور جملہ شعبہ جاتِ حکومت کے عہدہ داران لازمی طور پر اسی نظریہ کے حامی ہوں گے کیوں کہ انہیں سلطانِ وقت کی گرفت کا خطرہ ہو گا اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ رعایا کے دلوں سے سلطان و حاکم کی جانب سے خوف و ہراس اٹھ جائے گا وہ از خود قانون کو قانون سمجھنے لگیں گے اور قانون کا احترام ان کے دلوں کی گہرائیوں میں خود بخود اترتا چلا جائیگا

maablib.org

اور قانون کا مخالف اُن کے نزدیک معاشرہ کا دشمن قرار پائے گا پس امن و سکون کی لہر دلوں کو اطمینان کا مژدہ دے گی اور ملک و قوم کے لئے ارتقائی منازل کی طرف قدم بڑھانا نہایت سہل ہوگا۔ ایسی صورت میں حکمران طبقہ رعایا سے پوری طرح مطمئن ہوگا اور حکومتی منصوبے نہایت تیزی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچ سکیں گے جس کے نتیجے میں دوسری اقوام پر اس کے وقار کا سکہ قائم ہوگا اور کوئی قوم اس کی آنکھ میں آنکھ ملانے کی جرأت نہ کر سکے گی۔ لیکن اگر خدا نخواستہ بادشاہ وقت اور کرسی اقتدار سنبھالنے والا دوسرے نظریہ کا علم بردار ہو یعنی یہ کہ اقتدار کو قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ سمجھے تو اطراف و اکناف مملکت میں جملہ آفیسران و عہدہ داران میں یہی روح پرورش پائے گی اور ہر شخص جب کسی عہدہ کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا تو اسی نظریہ کے ماتحت کہ مجھے کسی حد تک قانون پر بالادستی حاصل ہو اور میں قانون کی دھجیاں اڑانے پر قادر ہو جاؤں تاکہ عوام کو قانون کے بہانہ سے اپنے استبداد کے شکنجے میں جکڑنے پر متمکن ہو کر اپنی عیاشیوں کو فروغ دے سکوں اور ملک و قوم کی دولت پر ہاتھ صاف کر کے اپنی آئندہ نسلوں کے لئے بھی عیاشی کی راہیں ہموار کر لوں۔ تو یقین سمجھئے کہ جب سلطان کا یہ نظریہ ہو اور آفیسران و عہدہ داران کا یہ مطمح نظر ہو تو ناممکن ہے کہ رعایا کے دل ان کی طرف سے صاف ہوں بلکہ وہ حاکم وقت کو ایک خونخوار درندہ سمجھیں گے اور ہر وقت اس کے ہاتھ سے اقتدار کے چھن جانے کے منتظر رہیں گے۔ ایسی صورت میں نہ حکمران کو چین کی زندگی نصیب ہوگی اور نہ رعایا میں اطمینان و سکون ہوگا۔ نہ کوئی حکومتی منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچے گا نہ ملک و قوم کا وقار بلند ہوگا نہ شاہراہ ترقی پر قدم رکھنے کی کسی کو جرأت ہوگی اور نہ کسی ملک و قوم میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا بلکہ بیرونی طاقتیں ان پر اپنی للچائی ہوئی نظریں ڈالیں گی اور ہو سکتا ہے کہ کسی وقت اقتدار کا تختہ اُلٹ جائے اور انقلاب کا زبردست سیلاب سب خشک و تر کو اپنے دھارے میں بہا کر لے جائے۔

حکومت عدل

اس میں شک و شبہ نہیں کہ عدل کمزور حکومتوں کی قوت ضعیف قوموں کی طاقت، گمنام ممالک کی شہرت، متفرق جماعتوں کی باہمی الفت، خوف زدہ فرقوں کی ہیبت، نادار اقوام کی ثروت و دولت، ذلیل لوگوں کی عزت، پس ماندہ قوموں کی علمی خلعت اور وحشی اقوام کی تمدن سے مانوسیت کا واحد ذریعہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام کو حکومت و خلافت عطا ہوئی تو ارشاد ہوا لوگوں کے درمیان عدل کے فیصلے کرنا اور جملہ سلاطین پر تمام فرائض میں سے اہم فریضہ عدل ہے۔

کہتے ہیں ایک مرتبہ نوشیران بادشاہ پر پیاس کا غلبہ ہوا تو ایک باغ میں پہنچا۔ باغبان نے ایک انار کے دانہ کو اس کے لئے نچوڑا جس سے پیالہ پر ہو گیا بادشاہ نے سیر ہو کر پیا۔ پس دل میں خیال کیا کہ اس باغ کی آمدنی زیادہ ہے لہذا اس کے خراج کو بڑھایا جائے تو رخصت ہوتے وقت ایک دوسرے انار کو نچوڑنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ رس بہت تھوڑا نکلا، بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا چونکہ باغبان کو معلوم نہ تھا کہ یہ بادشاہ ہے اس نے جواب دیا کہ شاید بادشاہ

نے عدل وانصاف کو ترک کرنے اور ظلم کا رویہ اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے برکت چلی گئی ہے۔

کہتے ہیں ایک دفعہ سلطان سبکتگین نے چین یا ہند کے بادشاہ کو خط لکھا تھا کہ تم لوگ کافر ہو اور ہم مسلمان ہیں لیکن کیا وجہ ہے کہ تمہاری عمریں طویل ہیں اور ہماری زندگیاں کوتاہ ہیں تو کافر بادشاہ نے سلطان کے چھٹی رسان کو قید کر لیا اور کہا کہ میں تجھے اس وقت خط کا جواب دوں گا جب سامنے والا پھل دار درخت خود بخود اپنی جڑوں سے اکھڑ کر گر جائے وہ شخص سخت پریشان ہوا اور شب و روز اسی فکر میں قید کی زندگی بسر کرتا رہا آخر ایک رات سخت دھماکے کی آواز سنی لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہوئے معلوم ہوا کہ وہی درخت خود بخود جڑوں سے اکھڑ کر زمین پر آگرا ہے وہ خوش ہوا اور بادشاہ نے اس کو رہا کر کے سلطان سبکتگین کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ دیکھو جب ایک مظلوم کی درد بھری فریاد ایک بڑے تناور درخت کو جڑوں سے اکھیڑ سکتی ہے تو کثیر التعداد مظلوم رعایا کی سرد آہیں اور ان کی مظلومانہ فریادیں کیوں نہ ظالم حکمرانوں کی عمروں کو کاٹ دیں؟

اس میں شک نہیں کہ جب ایک زمانہ تک عدل کو ترک کیا جائے تو طبیعتوں میں ظلم رچ جاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں حالانکہ وہ بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں طاقتور لوگ درندے بن جاتے ہیں اور صاحبانِ اقتدار خونخوار بھیڑیوں کا لباس پہن لیتے ہیں پس کمزور رعایا کی حیثیت لاغر بھیڑوں یا کمزور اونٹوں کی سی رہ جاتی ہے جس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہو ان کو اپنے آگے لگالے ان میں مجال انکار نہیں رہتی پس ہر شخص اقتدار کی تمنا صرف درندہ بننے کے لئے ہی کرتا ہے اور ایسی حالت میں لوگ انسانوں کی سی شکل میں چلتے پھرتے درندے ہی ہوا کرتے ہیں اور ہر کمزور ہر طاقتور سے ہراساں و ترساں ہوا کرتا ہے اور شریف ترین وہی سمجھا جاتا ہے جس میں درندگی کی صفات دوسروں سے زیادہ ہوں۔

اگر بادیہ نشین سے لے کر سریر آرائے مملکت تک سب کے سب یکساں طور پر اس مرض کی لپیٹ میں آجائیں تو وہ دن دور نہیں کہ درندہ شیر ان کی حدود کے آس پاس آکر گونجیں اور طاقتور عقاب دور سے آکر ان کے سروں پر منڈلانے لگیں پس نہ فصیلیں کام آئیں گی اور نہ حفاظتی دستے ساتھ دیں گے کسی کی چاپلوسی اور بشاشت سے دھوکا نہ کھائیے۔ ممکن ہے وہ موقع کی تاڑ میں ہو قدم میں لغزش آتے ہی وہ گردن پر سوار ہو جائے گا۔

ہر مملکت کے ارباب حل وعقد کو عدل وانصاف کا علم بلند کرنا چاہیئے انہیں اقتدار کو قانون کا نگران ومحافظ سمجھنا چاہیئے نہ کہ قانون پر بالادستی قائم کرنے کا ذریعہ پس اپنے آپ کو بھی قانون کی حدود کا پابند سمجھیں اور تمام عملے کو اس کا پابند کرنا اپنے فرائض میں سے اہم فریضہ سمجھیں اور عدل وانصاف کے تقاضوں پر عمل نہ کرنے والے ظالم اور درندہ صفت افسروں کو برطرف کر کے انہیں عبرتناک سزائیں دیں کیونکہ زمین میں ظالم کا وجود اس طرح ہے جس طرح بدن میں عضو فاسد اور بہتر یہی ہے کہ وہ عضو فاسد جو ناقابل علاج ہو اسے کاٹ دیا جائے تاکہ دوسرے تندرست اعضا تک اس کی بیماری سرایت نہ کرنے پائے

کلام الامام

تمسک کے لئے اس مقام پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے کلام سے کوئی دوسرا کلام موزوں تر نہیں ہے آپ نے حقوق الناس کو پوری تفصیل سے بیان کرتے ہوئے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا

maablib.org

د ان تمام حقوق میں سے نہایت اہم بادشاہ و رعایا کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں جن کو دینی وقار اور باہمی انس کے کل نظام کو برقرار رکھنے کے لئے خدا نے بندوں پر واجب کیا ہے کیونکہ رعایا کی اصلاح حکام کی اصلاح کے بغیر ناممکن ہے اور حکام کی بہتری رعایا کے تعاون اور ان کی وفاداری کے بغیر ایک ناشدنی امر ہے اور اس میں شک نہیں کہ رعایا کے دلوں میں حکام کے حقوق کا احساس ہو اور حکام رعایا کے حقوق کے پاسبان ہوں تو عدل و انصاف کا علم بلند ہوگا قوم و ملک میں چین و سکون اور امن و اطمینان کی پر بہار اور روح آفرین زندگی کا سماں ہوگا ایسا دور قابل رشک دور ہوگا اور ایسی حکومت بہترین حکومت ہوگی اور ایسی صورت میں حکومت کے بدخواہوں کی اوچھی نظریں قعر یاس میں خود بخود دب جائیں گی، اور بخلاف اس کے اگر رعایا حکام سے دل برداشتہ ہوں اور حکام رعایا کو زیر پا رکھ کر چلنا اپنا کمال سمجھیں تو نتیجہ باہم آویزی ہوگی ظلم و جور کے راستے کشادہ ہو جائیں گے خود غرضی کا دور ہوگا احکام معطل ہوں گے، دل میلے ہوں گے اور بڑی سے بڑی حق تلفی کا ذرہ بھر احساس نہ رہے گا۔ پس شریف ذلیل اور کمینے باوقار ہوں گے۔ آپ نے فرمایا حکمرانوں کی فخر شعاری اور تکبر مزاجی عدل و انصاف کے آئینہ میں ایک انتہائی گھٹیا پن کردار ہے۔

اور مجھے قطعاً خوشامد پسند اور اپنی تعریف کا دلدادہ نہ خیال کرو بالفرض اگر مجھے اپنی ثنا پسند بھی ہوتی تب بھی میں اس کو اللہ کے لئے تواضع کرتے ہوئے چھوڑ دیتا کیوں کہ عظمت و کبریائی صرف ذات اقدس الٰہیہ کے لئے ہی زیبا ہے بعض لوگ اپنی تعریف سن کر لذت محسوس کرتے ہیں لیکن میں ایسا نہیں ہوں۔ تم لوگ میری تعریفیں نہ کیا کرو تاکہ میں اللہ کی جانب سے اور تمہاری طرف سے اپنے اوپر عائد شدہ ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہو سکوں مجھے جابر حکمران نہ سمجھو اور مجھ سے جلد باز و جذباتی قسم کے حکمرانوں کے طرز عمل کی توقع نہ رکھو لہٰذا نہ میری خوشامد کرو اور نہ مجھ سے خوف و ہراس کرو اور نہ میری طبیعت پر حق بات کا بوجھ ہوتا ہے اور نہ میں بڑائی کا خواہش مند ہوں جو شخص کلمہ حق سن نہیں سکتا وہ اس پر عمل کیسے کر سکتا ہے۔ لہٰذا تم لوگ مجھے سچی بات کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرو اور نہ مجھے اپنا مشورہ دینے سے گھبراؤ کیونکہ میں بذات خود قولی یا فعلی طور پر خطا سے اپنی ذات کو مستثنیٰ نہیں کرتا جب تک کہ اللہ کی جانب سے کفایت نہ ہو (میری عصمت اللہ کا ہی عطیہ اور وہبی ہے نہ کہ کسبی) میں اور تم اس ایک رب کے عبد و مملوک ہیں جس کے علاوہ کوئی دوسرا رب نہیں۔ ہمارے نفوس کا جس طرح وہ مالک ہے ہم نہیں اُس نے ہمیں ناموزوں حالت سے موزوں و مناسب حالت پر پہنچایا ہے

انتہی بقدر الحاجۃ ملخصًا

آپ کے بلند پایہ کلمات پر غور کیجئے کس طرح اچھوتے انداز اور نرالے طرز بیان سے آپ نے حکمرانوں کو ایک بہترین دستور العمل عطا فرمایا تاکہ فخر و تکبر خواہش و حب نفس اور خود غرضی و نفس پرستی کے پیش نظر وہ اپنے تئیں بھول و چوک سے بلند نہ سمجھیں وہ اپنے ہر حکم کو درست ہر رائے کو صائب اور ہر من مانے تصرف کو جائز اور برمحل قرار دیں کیوں کہ طبع بشری کا مقتضا ہے غلطی کا سرزد ہونا پس مملکت کی خیر خواہی کے لئے ہر دور میں ایسی مجلس مشاورت کی ضرورت ہے

جس کے ممبر ارباب عقل و دانش بلند حوصلہ عالی ہمت اور اغراض صحیحہ کے حامل ہوں۔

غرضیکہ جملہ سلاطین و ملوک بلکہ ہر صاحب اقتدار و با اختیار افسر و عہدہ دار پر لازم ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی فرمائش کو گوش ہوش سے سنے اور چشم بصیرت سے اس کا مطالعہ کرے اور اسی کے مضمون کو اپنا لائحہ عمل قرار دے اسی گھاٹ پر اپنی جہانبانی و حکمرانی کی پیاس بجھائے اور اسی طرز پر ملک رانی کے دستوروں کی تشکیل کرے۔

خدا کی قسم اگر زمین پر اس قسم کی حکومت قائم ہو جائے تو زمین خدا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب صاحبانِ اقتدار کو خدمت قوم و ملک کی خاطر قانون کی پاسبانی و نگہداری کا وسیلہ قرار دیں اور رعایا سے پہلے خود اپنے نفسوں کا جائزہ لے کر انہیں قانون کی زنجیروں میں جکڑنے کی کوشش کریں تاکہ رعایا کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو اور باہمی انس و محبت ملک و قوم کی فلاح لبقاء اور ارتقاء کا پیش خیمہ ہو لیکن کیا کیا جائے جب قانون بھی خود ساختہ ہو قانون دان بھی خود ساختہ ہو اور حکمران بھی خود ساختہ ہو تو عدل و انصاف اور خیر خواہی و بھلائی کا تصور خواب پریشان کے سوا اور کیا وقعت رکھتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ نہ قانون دان کے دل میں قانون کا احترام ہے اور نہ حکمران کے قلب میں قانون کی وقعت ہے پس قانون صرف تکمیل خواہشات اور عیاشی کی بحالی کے لئے صاحبانِ اقتدار کے پاس کمزور عوام کے سروں کو کچلنے کا ہتھوڑا ہے ایسی صورت میں امن کہاں سے آسکتا ہے؟ ہاں اگر قانون انسانی دسترس سے بالاتر ہو حکام و رعایا سب کے دلوں میں اس کا احترام ہو حکام اپنے آپ کو اس کا پاسبان سمجھیں اور عوام اس کی رعایت کرنا اپنا ایمان سمجھیں تو باہمی انس و محبت کی راہیں بھی ہموار ہو سکتی ہیں اور عدل و انصاف کا علم بھی لہرایا جا سکتا ہے۔ آہ خدا اس دور کو جلد لائے جب عدل کی بساط بچھے اور حاکم عادل مسند حکومت پر جلوہ گر ہو جائے کس قدر پر کیف ہو گا وہ دور جو کان سنتے ہیں اور کس قدر پر آشوب ہے یہ دور جس کو آنکھیں دیکھتی ہیں۔

حکومت جور مذہبی اصطلاح میں حکومتِ جور سے ہر وہ حکومت مراد ہے جس میں قانونِ اسلام یعنی قرآنی احکام نافذ نہ ہوں اور اس کا سربراہ امام عادل یا اس کا قائم مقام نہ ہو۔ اور ایسی حکومتوں میں حصہ لینا اور ان کی اس سلسلہ میں اعانت کرنا درست نہیں ہے اسی بنا پر تو جب لوگوں نے امام رضا علیہ السلام پر ولی عہدی کے قبول کرنے پر اعتراض کیا تو امام نے جواب میں ایک طرف حضرت یوسف کی حکومت میں شمولیت کو پیش فرمایا کہ لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرنے، خدائی احکام نافذ کرنے اور لوگوں کے حقوق محفوظ کرنے کے لئے حکومتِ جور کی جانب سے پیش کردہ عہدہ قبول کرنا جائز ہے بلکہ از خود کوشش کر کے طلب کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت یوسف نے خود ہی طلب فرمایا تھا۔ اور دوسری طرف ضرورتِ وقت کو دلیل جواز قرار دیا کہ اگر میں قبول نہ کرتا تو مجھے قتل کر دیا جاتا۔ اسی طرح اگر حکومتی ملازمتوں اور سرکاری عہدوں میں اپنی قوم و ملک کی خیر خواہی و خدمت کا جذبہ لے کر داخل ہو تو بہتر ہے اور اس طرح جواز کی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے لیکن اگر قوم کی خدمت نہ کر سکے بلکہ صرف شکم پرستی کی خاطر قوم کا خون چوسنا مقصود ہو یا

آوارگی و عیاشی کا زینہ سمجھ کر ایسا کرے تو یقیناً ناجائز ہے نیز قومی بقا مجموعی طور پر اگر اسی صورت میں منحصر ہو تو قیف حکومت میں حصہ لینا مستحسن بلکہ ضروری ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آگے جا کر مذہب و ملت کی خدمت کو فراموش نہ کر بیٹھے اقتدار و کرسی کی ہوس اور حکومت اور فرمانروائی کے نشے میں خصوصیات مذہب سے بیگانہ نہ ہونے پائے۔ حضرت امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے جب علی بن یقطین نے حکومتی عہدہ قبول کرنے کا جواز حاصل کیا تھا تو آپ نے یہ شرط عائد کی تھی کہ اپنے بھائیوں کی خدمت کرنے کے لئے عہدہ کو قبول کرو اور یہ شرط اُس نے قبول کر لی تھی پھر جب ایک شتربان اپنی کوئی درخواست لے کر حاضر ہوا تو علی بن یقطین نے اس پر غور نہ کیا اور اسی سال حج کے ارادہ سے مکہ گیا اور پھر مدینہ میں زیارت نبوی کے بعد امام عالیمقام کی بارگاہ میں شرف یاب ہوا تو امام نے اپنا رُخ پھیر لیا اس نے وجہ پوچھی تو آپ نے وہی شرط جتلائی اور شتربان کی درخواست سے بے اعتنائی یاد دلائی اور فرمایا جب تک وہ راضی نہ ہو گا میں راضی نہ ہوں گا۔ چنانچہ وہ باعجاز امام مدینہ سے بغداد پہنچا اور رات کے وقت شتربان کا گھر تلاش کر کے اس کو دروازہ پر بلایا وہ خوف زدہ تھا کہ شاید مجھے کوئی سزا دینا چاہتا ہے لیکن دیکھا کہ علی بن یقطین نہایت عجز و انکساری سے معافی مانگتا ہے اور زمین پر لیٹ کر عرض کرتا ہے کہ اپنا خاک آلود قدم میرے اس منہ پر ملو جس کے غرور نے مجھے امام کی بارگاہ میں شرمسار کیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنا قدم اس کے منہ پر رکھا اور علی بن یقطین کو معافی دی پس وہ اسی رات باعجاز امام واپس مدینہ میں پہنچا اور امام کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور امام اس پر رضامند ہوئے۔ یہ روایت مذہب آئمہ کا دعویٰ کرنے والوں کے لئے باعث عبرت و نصیحت ہے۔

خداوند کریم صاحبانِ اقتدار کو قانونِ اسلام کی نگہبانی اور ملتِ بیضا کی پاسبانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ
اور آئے یوسف کے بھائی اور اس کے پاس پہنچے تو اس نے ان کو پہچان لیا۔ حالانکہ
وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ
انہوں نے نہ پہچانا اور جب ان کو مطلوبہ جنس دے کر رخصت کیا تو کہا

رکوع ۲

حضرت یوسف کی اپنے بھائیوں سے ملاقات

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ جب ملک میں قحط کی وبائے عام پھیلی تو حضرت یعقوب کا شہر کنعان بھی اس کی لپیٹ میں آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو جمع کر کے فرمایا کہ مصر میں میں نے سنا ہے غلہ فروخت ہوتا ہے اور اس جگہ کا بادشاہ ایک نیک دل اور صالح مرد ہے پس تم وہاں جاؤ انشاء اللہ وہ تمہارے ساتھ احسان کرے گا۔ چنانچہ بن یامین جو یوسف کا مادری بھائی تھا وہ وہاں رہا اور باقی دس بھائی طعام خریدنے کے لئے

روانہ ہو کر مصر پہنچے یوسف کے کنوئیں میں پھینکنے کے بقولے چالیس برس بعد کا یہ واقعہ ہے اب وہ یوسف کو کیسے
پہچانتے۔ وہ بچپنہ تھا۔ اب بھرپور جوان ہیں وہ غریبی کی حالت تھی اب وہ ملک کے شہنشاہ ہیں اس وقت پھٹا پرانا یا
سادہ لباس تھا اب شاہی لباس میں ملبوس سنہری تخت پر مسند آرا ہیں ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی لیکن
حضرت یوسف قحط پڑتے ہی منتظر تھے کہ کنعان والے بھی اناج خریدنے کے لئے آئیں گے۔

پس جب وہ دربار شاہی میں پہنچے اور عبرانی زبان میں گویا ہوئے تو یوسف نے عبرانی زبان میں پوچھا تم کون
ہو؟ کہنے لگے ہم ملک شام سے غلہ خریدنے کے لئے آئے ہیں کیونکہ قحط بہت زیادہ ہے آپ نے فرمایا کہیں
تم لوگ جاسوس تو نہیں مجھے تمہاری شکلیں اوپری لگتی ہیں۔ کہنے لگے نہیں خدا کی قسم۔ ہم ایک باپ یعقوب بن اسحق
بن ابراہیم کی اولاد ہیں اگر ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ضرور ہماری تعظیم کرتے کیونکہ وہ نبی اور نبی زادہ ہے۔ اور
ایک غم میں مبتلا ہے آپ نے فرمایا وہ کیا غم ہے جس میں وہ گرفتار ہے کہیں اس کا غم تمہاری بیوقوفی و غلطی کا باعث
تو نہیں؟ کہنے لگے اے بادشاہ

قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ أَلَا تَرَوْنَ
کہ (دوسری دفعہ) اپنے پدری بھائی کو ہمراہ لانا کیا تم دیکھتے نہیں کہ
أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾
میں ناپ کو پورا کرتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرتا ہوں۔

ہم نہ بیوقوف ہیں اور نہ جاہل
غلط کار اور نہ اس کا غم و اندوہ
ہماری وجہ سے ہے بلکہ بات
یہ ہے کہ اس کا ایک فرزند
تھا جو ہم سے سن و سال میں
چھوٹا تھا وہ ایک دن شکار کے لئے ہمارے ساتھ نکلا پس اس کو جنگل کے بھیڑیوں نے کھا لیا اسی دن سے ہمارا باپ
غمزدہ رہتا ہے اور ہمیشہ رونے کے سوا اس کا کوئی کام نہیں آپ نے فرمایا تم سب بھائیوں کی ماں بھی ایک ہے
کہنے لگے نہیں بلکہ باپ ایک اور مائیں الگ الگ ہیں۔ فرمایا۔ کیا بات ہے کہ باپ نے تم سب کو بھیج دیا اور ایک
کو اپنے پاس مانوسیت کے لئے روک لیا۔ کہنے لگے وہ اس لئے کہ اولاً تو ہم سے کم سن ہے اور ثانیاً وہ اس کا
بھائی ہے جس کو بھیڑیئے کھا گئے تھے پس ہمارے باپ کو اس سے تسلی ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارے اس
بیان کی صداقت پر کیا دلیل ہے۔ کہنے لگے اے بادشاہ ہم لوگ یہاں مسافر ہیں لہٰذا نہ کوئی ہمیں پہچانتا ہے اور
نہ ہم اپنی صداقت کا یہاں کوئی گواہ پیش کر سکتے ہیں آپ نے فرمایا تم اپنے بیان کی صداقت کے لئے اپنے اس
پدری بھائی کو لے آؤ جس کو تم پیچھے چھوڑ آئے ہو کہنے لگے کہ اگرچہ ہمارے باپ کو اس کا فراق گوارا نہیں ہے تاہم کسی
بہانہ سے اس کو اپنے ہمراہ لانے کی کوشش کریں گے آپ نے فرمایا ایک ضامن مجھے دے دو جو تمہارے
بھائی کے لانے تک میرے ہاں رہے گا پس انہوں نے قرعہ اندازی کی تو شمعون کا نام قرعہ میں نکلا اور بعض کہتے

ہیں کہ حضرت یوسف نے خود اس کو انتخاب کر لیا کیونکہ وہ باقی برادری سے دانا تھا چنانچہ وہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ ۔ حضرت یوسف نے سخت تاکید کے طور پر فرمایا کہ اگر تم اپنے پدری بھائی یعنی بن یامین کو اپنے ہمراہ نہ لاؤ گے تو تمہارا میرے پاس کوئی مقام نہ ہوگا اور نہ تمہیں دوبارہ غلہ دیا جائے گا۔

فَلَا كَیْلَ ۔ یہاں مراد غلہ ہے جو کیل سے دیا جاتا ہے گویا کیل سے مکیل مراد ہے ۔ پہلی آیت میں اپنے بھائی کے لئے آنے پر ان کو انعام و اکرام کا لالچ دیا اور احسان کی پیش کش کی جیسا کہ کنایہ کی زبان سمجھنے والوں پر واضح ہے اور دوسری آیت میں بھائی کے نہ لانے کی صورت میں ان کو سخت تنبیہ کی اور اپنے ملک میں داخلے سے یوں روک دیا کہ نہ تمہارے لئے کیل ہوگا اور نہ تمہیں میرے پاس آنے کی اجازت ہوگی اور حضرت یوسفؑ بذریعہ ترجمان کے عبرانی زبان میں ان سے باتیں کرتے تھے خود عبرانی زبان میں اس لئے نہ بولتے تھے کہ وہ پہچان نہ لیں کیونکہ اگر ان کو علم ہو جاتا کہ یہ یوسف ہے تو وہ شرم کے مارے باپ کو منہ دکھانے کے نہ رہتے پس ترک وطن کر کے جنگلوں میں بسر اوقات کرتے اور باپ کی خدمت سے محروم ہو جاتے پس اسی مصلحت کی بنا پر حضرت یوسف نے ان کو پہچوانا مناسب نہ سمجھا۔

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا

پس اگر تم اس کو نہ لاؤ گے تو کوئی غلہ نہ ہوگا تمہارے لئے میرے پاس اور نہ تم

تَقْرَبُوْنِ ٦٠ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ٦١

میرے پاس آنا کہنے لگے پر زور مطالبہ کریں گے ہم اس کا اپنے باپ سے اور ہم ضرور ایسا کریں گے

وَقَالَ لِفِتْیٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

اور اپنے غلاموں سے فرمایا کہ رکھ دو ان کا اپنا مال بھی ان کی بوریوں میں تا کہ گھر جا کر اسے

یَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ٦٢

پہچان سکیں تا کہ وہ واپس لوٹیں

فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِیْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا

تو جب باپ کے پاس پلٹے کہنے لگے بابا جان ! (آئندہ کے لئے) ہم سے

قَالَ لِفِتْیٰنِهٖ ۔ حضرت یوسف نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان کے غلہ کی بوریوں میں ان کا اپنا لایا ہوا سامان بھی رکھ دو جو بطور قیمت کے انہوں نے ادا کیا ہے اور مردی ہے کہ وہ اپنے ملک سے چمڑے کا سامان لائے تھے۔

لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ : ان کا سامان ان کی بوریوں میں بند کرنے میں یہ مصلحت تھی کہ وہ اس بہانہ سے ضرور

واپس آئیں گے (۱) وہ سمجھیں گے کہ غلہ دے کر ہمارا سامان واپس کرنے والا محسن ہے اور اس کے احسان و اکرام کا تقاضا یہ ہے کہ ہم بطور ایفائے عہد و جزائے احسان واپس جائیں (۲) یا وہ سمجھیں گے کہ غلہ کے ساتھ ہمارے سامان کا واپس آنا ممکن ہے ملازمین کی بے احتیاطی سے ہو لہذا وہ اپنی دیانت و امانت کے پیش نظر اسے واپس کرنے کے لئے پیش گے، بروایت ابوبصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت یعقوب کو سال میں دو دفعہ مصر سے غلہ منگوانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ پس جب پہلی دفعہ قافلہ کے ساتھ اپنے بیٹوں کو بھیجا تو حضرت یوسف نے ان کو فوراً پہچان لیا اور باقی تمام قافلوں سے پہلے ان کو غلہ دے کر فارغ کیا اور نہایت خوش اخلاقی سے پیش آئے حتے کہ ان کا اپنا سامان بھی واپس کر دیا۔

فَلَمَّا رَجَعُوْا۔ پس حضرت یوسف کے بھائی غلہ لے کر مصر سے روانہ ہوئے اور بعافیت اپنے وطن کنعان پہنچے دھیمے لہجہ میں شرماتے ہوئے باپ کا سلام کہا تو انہوں نے دریافت فرمایا اے میرے فرزند! کیوں دھیمی آواز سے سلام کر رہے ہو اور تم میں شمعون کی آواز نہیں ہے وہ کہاں گیا؟ کہنے لگے اے پدر نامدار! ہم ایک بہت بڑے شہنشاہ کی جانب سے آئے ہیں کہ حکمت و علم خشوع و فروتنی اور ہیبت و وقار میں کوئی اس کا ہم پلہ ہم نے نہیں دیکھا اگر آپ کے ساتھ کسی کو تشبیہ دی جا سکتی تو وہ بلا کم و کاست آپ کی نظیر ہے اور بایں ہمہ ہمارا خاندان تو مصائب و آلام کا نشانہ بن چکا ہے بادشاہ موصوف کو ہمارے اوپر اعتماد نہیں اور وہ ہماری بیان کردہ سرگذشت پر باور نہیں کرتا آپ ازراہ کرم ایک خط لکھ کر ابن یامین کو ہمارے ہمراہ بھیجیں جس میں اپنی مصیبت کی روداد بڑھاپے کی سرعت اور بینائی کے کھو جانے کا سبب درج فرمائیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو وہ بادشاہ ہم سے بائیکاٹ کر لے گا اور دوبارہ ہمارے ساتھ لین دین نہ کرے گا۔

الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیل (روک) دیا گیا ہے پس بھیجئے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو تاکہ کیل حاصل کریں اور ہم اس کی حفاظت

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ

کرینگے فرمایا نہیں یہ آتم کو امین سمجھنا اس پر مگر اسی طرح جیسے کہ تم کو امین سمجھا اس کے بھائی پر

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ حضرت یعقوب سے جب بیٹوں نے ابن یامین کے ہمراہ لے جانے کا مطالبہ کیا تو فرمایا کہ اس معاملہ میں تمہارا امین سمجھنا ایسا ہے جس طرح قبل ازیں یوسف کے بارے میں تم کو امین سمجھا گیا۔ اس امر پر حضرت یعقوب اگرچہ جانتے تھے کہ سابقہ خیانت کا اعادہ نہیں ہو گا تاہم سرزنش کے طور پر بیٹوں کو حضرت یوسف کا معاملہ جتلایا اور یہ باتیں اونٹوں سے سامان اتارنے سے پہلے ہوئی تھیں اس مجمل گفت و شنید کے بعد مفصل بات چیت تک معاملہ پہنچا جب

سامان اُتار ا گیا اور قیمت کو واپس پلٹا ہوا دیکھا گیا۔

وَ لَمَّا فَتَحُوا ۔ جب انہوں نے اپنا سامان کھولا اور اپنی پونجی کو واپس پلٹا دیکھا تو خوشی کی کوئی حد نہ رہی وہ بڑے خوش خوش حضرت یعقوبؑ کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی یَا اَبَانَا مَا نَبْغِیْ؟ بابا جان ہمیں اور کیا چاہیے؟ دیکھیے وہ بادشاہ کس قدر نیک رحم دل اور احسان شعار ہے کہ ہمیں اپنی ادا کردہ قیمت بھی اس نے واپس کر دی ہے۔ پس اب ہم اپنے بھائی ابن یامین کو ساتھ لے جائیں گے جس سے ہمیں کئی فائدے ہوں گے۔

(۱) ہمارے ساتھ بادشاہ مصر کا معاملہ باقی رہے گا اور وہ ہمیں غلہ دینے سے انکار نہ کرے گا (۲) اس کے احسان وحسن سلوک کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہمیں ایفائے عہد کے طور پر دوبارہ اس کے پاس جانا چاہیئے (۳) چونکہ شاہ مصر کا دستور ہے کہ ہر آدمی کو غلہ ایک اونٹ کا بھار دیتا ہے اور اس سے زیادہ نہیں دیتا اس دفعہ ہم دس بھار لائے ہیں جو ہماری ضروریات کے لئے ناکافی ہیں اب بن یامین کے ساتھ جانے میں ایک اونٹ کا بھار بھی زیادہ ہو جائے گا۔ اور بادشاہ بھی خوش ہو گا۔

قَبْلُ ۚ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۖ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾
پہلے ۔ پس اللہ بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہ ارحم الراحمین ہے
وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ
اور جب انہوں نے سامان کھولا تو اپنی پونجی کو دیکھا کہ وہ واپس کی گئی ہے
قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ
تو کہنے لگے اے بابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی بھی واپس کی گئی ہے
وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ
ہم اہل خانہ کے لئے خوراک لائیں گے اور بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بھار بھی زیادہ لائیں گے

لَنْ اُرْسِلَهٗ [۶۶] حضرت یعقوب نے بیٹوں کی تفصیلی درخواست سماعت فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں بن یامین کو ہرگز تمہارے ساتھ بھیجنے کے لئے تیار نہیں ہوں جب تک کہ تم میرے ساتھ پختہ عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور واپس لاؤ گے یا یہ کہ اس کی حفاظت کی خاطر تم سب کے سب اپنی جان تک قربان کر دو گے اور اس تاکید کا مقصد یہ ہے کہ تمہارا تنہا واپس آ کر کوئی عذر پیش کرنا میرے لئے قابلِ قبول نہ ہو گا۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ انہوں نے حضرت خاتم الانبیاء کے حق کی قسم کھائی اور عہد کیا کہ ہم اس کو بخیریت واپس لائیں گے تب حضرت یعقوب نے بن یامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ [۶۷] جب حضرت یعقوب کے بیٹے مصر جانے کے لئے تیار ہوئے اور بن یامین بھی ان کے

ہمراہ آمادۂ سفر ہوا تو حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی کہ تم اکٹھے ایک دروازہ سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروازوں سے شہر مصر میں داخل ہونا۔ اس وقت شہر کے چار دروازے تھے۔ پس باپ کی ہدایت کے ماتحت وہ الگ الگ ان چار دروازوں کے ذریعے شہر میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کے

ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ

کیونکہ یہ کیل (ہماری ضرورت سے) تھوڑا ہے فرمایا میں اس کو ہرگز تمہارے ہمراہ نہ بھیجوں گا جب تک

حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ

کہ تم میرے ساتھ اللہ کی جانب سے پکا عہد نہ کرو کہ اس کو ضرور لاؤ گے مگر یہ کہ تم سب

اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى

مارے جاؤ تو جب انہوں نے پختہ عہد کیا (حضرت یعقوبؑ نے) فرمایا کہ ہماری

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ

گفتگو پر اللہ وکیل ہے اور فرمایا اے بیٹو! ایک دروازہ سے

بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ

داخل نہ ہونا اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں

اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

تمہیں اللہ سے نہیں بچا سکتا کچھ بھی نہیں حکم مگر اللہ کا اسی پر توکل

لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

کرتا ہوں اور اسی پر ہی توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیئے

سارے فرزند حسن و جمال اور خوبی و کمال میں یکتائے روزگار تھے اور نہایت تنومند اور قدآور اور جاذب نظر جسامت و شہامت کے مالک تھے۔ اگر وہ مل کر ایک دروازہ سے گذرتے اور پوچھنے والا پوچھتا کہ یہ کون ہیں اور پھر جواب ملتا کہ یہ سب ایک ہی گھرانے کے چشم و چراغ اور ایک ہی باپ کا سرمایۂ زندگی ہیں تو ممکن ہے کسی کی نظر بد ان کا تعاقب کرتی یا کوئی حاسد ان کے درپے آزار ہوتا انہی وجوہ کی بنا پر آپ نے اپنے بیٹوں کو الگ الگ دروازوں سے داخلے کا حکم صادر فرمایا۔

نظر بد:۔ اکثر محققین نظر بد کے بداثرات کے قائل ہیں۔ ہمارے ملک و وطن میں نظر بد کی وبا اس قدر عام ہے کہ اس کے اثبات کے لئے دلیل و برہان کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی امر کا وقوع اس کے عقلی امکان کی دلیل سے بے نیاز کر دیا کرتا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے۔ اِنَّ الْعَيْنَ

حَقٌّ وَالْعَیْنُ تستنزل الحَالِقَ - تحقیق نظر بد کا ہونا صحیح ہے اور یہ نظر پہاڑ کی چوٹی کو بھی گرا دیا کرتی ہے اور حدیث میں جناب رسالتمآبؐ کا حسنین شریفین کو تعویذ کرنا منقول ہے - اُعِیْذُ کُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّ هَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَامَّۃٍ اور مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دو نو بیٹوں کو یہی تعویذ دیا تھا اور اگر کسی شخص کو نظر بد کا تعویذ دیا جائے تو پہلے لفظ اُعِیْذُ کُمَا کی بجائے اُعوذ لکھا جائے - اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جو تعویذ نظر بد کے لئے حضرت رسالتمآبؐ کی خدمت میں لایا تھا - وہ یہ ہے - بِسْمِ اللّٰہِ اَرْقِیْکَ مِنْ کُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰہُ یَشْفِیْکَ اور حضورؐ سے یہ بھی منقول ہے - کہ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت کر سکتی ہوتی تو نظر بد تقدیر سے سبقت کرتی -

علامہ طبرسی قدس سرہ نے اس کے متعلق سید رضی اعلی اللہ مقامہ کی جو تحقیق اینق پیش فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند کریم اپنی مصلحت کے پیش نظر بندوں کی خیر و صلاح کا انتظام فرماتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک کی نعمت کا زوال دوسرے کی مصلحت کے لئے ہو کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر اس سے نعمت سلب نہ کی جائے تو وہ دنیاوی منافع میں مغرور ہو کر آخرت سے پہلو تہی کر لے گا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے ایک نعمت اچانک سلب کر لینے کے بعد اس کو اسی قسم کی دوسری نعمت عطا فرما دیتا ہے تاکہ ناامیدی و یاس سے بھی بچ جائے اور دنیاوی اشیاء کی محبت میں گرفتار بھی نہ ہو پس خوف و رجا کے درمیان زندگی کے لمحات بسر کرتا رہے - اسی بنا پر بعض اوقات اس کو نعمتِ رفتہ کا بدلہ فوری طور پر دنیا میں نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے صبر و حوصلہ اور رضا و ضبطِ نفس کا امتحان ہوتا ہے اور اس کا بدلہ آخرت پر چھوڑ دیا جاتا ہے - پس جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ نظر بد کا ہونا حق ہے اس کی یہی تاویل درست ہے جو ہم نے ذکر کی ہے - نیز مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں جس شئی کی عظمت آ جائے خدا اس کو پست کر دیتا ہے - بنابریں جب کوئی دیکھنے والا کسی شئی کو بنظرِ استحسان دیکھے اور وہ چیز اس کو خوب بھا جائے اور اس کی عظمت اس کے دل میں گھر کر جائے تو خدا فوراً اس کی حالت کو تبدیل کر دیتا ہے اور یہ ہر کمالے را زوال" کا مقولہ "آوازِ خلق نقارۂ خدا" کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ خداوند عظیم نے اس علل و اسباب کی دنیا میں ہر شئے کی بلندی و عظمت کی ایک حد مقرر کی ہے جس سے آگے بڑھنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے پس جب چیز بلندی و عظمت میں اس حد تک پہنچ جائے تو پھر اس کا زوال ہی متوقع ہو سکتا ہے اور اس کا اچانک منصۂ شہود پر ظاہر ہونا اگرچہ باعث استعجاب و حیرت کن ہوتا ہے لیکن درحقیقت وہ فطرت کی عادی رفتار سے ہوا کرتا ہے اور جس طرح ظاہر میں کمال کے آخری زینہ پر پہنچنے کے بعد پستی کی طرف رجوع فطریات میں سے ہے اسی طرح شخصی انظار و افکار کے نتائج کا بھی یہی عالم ہے کہ جو چیز کسی فرد کی نظروں میں یا اس کے دل و دماغ میں کافی عظمت حاصل کر لیتی ہے خدا اس کے سامنے اس کی عظمت کو ختم کر دیتا ہے اور یا اس

کی قدرت غیر فانیہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اور نظرِ بد کے اثرات اِسی دستورِ خداوندی کی واضح مثالیں ہیں۔ اِسی بنا پر وارد ہے کہ جب کوئی دیکھنے والا کسی شئے کے حسن و خوبی پر فریفتہ ہو اور کوئی شئی اس کو لبھا لے تو فوراً عظمت پروردگار کو دل میں لائے اور اس شئے کو اللہ کی پناہ میں دے اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجے تاکہ اِس کی نظرِ بد نظرِ خیر سے بدل جائے کیونکہ خدا کی عظمت کو بھلا کر کسی شئی کی عظمت کو دل میں لانا ہی نتائجِ بد کا موجب ہوتا ہے۔ ہم نے سید رضی اعلی اللہ مقامہ کی عبارت کا تحت اللفظ ترجمہ نہیں کیا بلکہ اپنے انداز سے اسے وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے اور نظرِ بد کی تحقیق میں فلاسفۂ یونان اور حکماء کی آراء میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ اجمالی طور پر شیخ ابو علی سینا نے کتاب الاشارات میں صرف یہ لکھا ہے کہ جس طرح بدن میں نفس کے اثرات موجود ہوتے ہیں اسی طرح بعض نفوس کی اپنے بدن سے باہر بھی روحانی تعلق کی بنا پر تاثیر ہوا کرتی ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ

اور داخل ہوئے (مصر میں) جہاں سے ان کو باپ نے حکم دیا تھا (یعنی حال) ان کو نہیں

يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ

بچا سکتی تھی اللہ کی گرفت سے (اگر وہ چاہتا) لیکن یہ حضرت یعقوب کے دل میں خواہش تھی

يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ

جو اس نے پوری کی اور تحقیق وہ خود بھی اس بات کو جانتے تھے کیونکہ ہم نے اس کو علم دیا تھا

مَا كَانَ ۔یعنی حضرت یعقوب کے فرزندوں کا مختلف دروازوں میں داخل ہونا ان کو نظرِ بد یا حسد سے نہیں بچا سکتا تھا پس اگر خدا چاہتا تو باوجود مختلف دروازوں سے داخل ہونے کے ان کو نظرِ بد یا حسد کی تاثیرِ بد کا گرفتار بنا دیتا اور حضرت یعقوبؑ نے جیسا کہ گذشتہ آیت میں انہوں نے خود اعتراف کیا ہے کہ میں تم کو اللہ کی تقدیر سے نہیں بچا سکتا۔ پس اپنے بیٹوں کو مختلف دروازوں سے داخلے کا حکم صرف اطمینانِ قلب کے لئے دیا تھا۔

قصہ۔ اب دوسری دفعہ حضرت یعقوب کے دس فرزند شہرِ مصر میں داخل ہوئے ابن یامین ان میں شامل تھا اور شمعون کو پہلے سے حضرت یوسف نے اپنے پاس ٹھہرا لیا تھا۔ حضرت یوسف نے ان سب کو اپنے ہاں مہمان کیا جب یہ سب شاہی دسترخوان پر پہنچے تو حضرت یوسف نے حکم دیا کہ دو بھائی ایک ایک برتن سے کھائیں۔ چنانچہ مادری دو دو بھائی دسترخوان پر اکٹھے بیٹھتے گئے اور آخر میں بن یامین بچ گئے آپ نے فرمایا تو اپنے بھائیوں کے ہمراہ دسترخوان پر نہیں بیٹھتا؟ تو اس نے جواب دیا ان میں سے میرا مادری بھائی کوئی بھی نہیں ہے حضرت یوسفؑ نے دریافت کیا کہ تیرا مادری بھائی کوئی نہیں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ ایک تھا جس کے متعلق میرے بھائی

maablib.org

کہتے ہیں کہ اس کو بھیڑیئے نے کھا لیا تھا حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیرے دل میں اس بھائی کی جدائی کا کتنا درد ہے تو اس نے جواب دیا کہ خدا نے مجھے گیارہ لڑکے عطا کئے ہیں اور ہر ایک کا نام میں نے اس کے نام سے مشتق کیا ہے تاکہ اس کی یاد تازہ رہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرے دل میں بھائی کی جدائی کا غم ہوتا تو شادیاں نہ رچاتا اور اولاد کی محبت کو خیرباد کہہ دیتا تو اس نے جواب دیا کہ واقعی مجھے شادی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی لیکن میرے والد بزرگوار نیک اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں وہ فرماتے ہیں شادیاں کرو تاکہ تیری نسل سے خدا کا نام لینے والے پیدا ہوں۔ پس حضرت یوسف نے کہا کہ تم میرے ہمراہ کھانا کھاؤ جب باقی بھائیوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ یوسف اور یوسف کے بھائی پر خدا کا فضل ہے دیکھو بادشاہ نے اس کو دسترخوان پر اپنے پاس بٹھا لیا ہے۔

بروایت قمی منقول ہے کہ کنعان سے روانہ ہوئے تو ابن یامین نے کھانا پینا بیٹھنا اور بولنا ان سے ترک کیا ہوا تھا جب مصر میں حضرت یوسف کے پاس پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے بھائی کو پہچان لیا اور دریافت کیا کہ کیا تو ان کا بھائی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں: تو یوسف نے پوچھا کہ آپ بھائیوں کے ہمراہ کیوں نہیں بیٹھتے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ میرے مادری بھائی کو ایک دفعہ اپنے ساتھ لے گئے تھے اور واپس اپنے ساتھ نہ لائے یہ بیان کرتے ہوئے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے میں نے اس روز سے قسم کھائی ہے کہ تازندگی ان سے الگ رہوں گا۔ الخبر

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ (۶۸) وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ

اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب یوسف کے پاس پہنچے تو اس

اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا

نے اپنے بھائی کو اپنے پاس بٹھایا۔ کہنے لگا کہ میں تیرا بھائی ہوں پس اس پر غم نہ کھاؤ جو وہ

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ (۶۹) فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ

کرتے ہیں پس ان کو مطلوبہ جنس دے کر رخصت کیا تو

رکوع ۳

لَمَّا دَخَلُوْا ۔ جب حضرت یوسف کے پاس پہنچے اور انہوں نے ہر دو مادری بھائیوں کو الگ الگ کھانا پیش کیا تو بن یامین کو اپنے ساتھ بٹھایا کہ اگر ان میں سے تیرا مادری بھائی کوئی نہیں تو پھر میں تیرا بھائی ہوں۔ اور ایسے انداز سے فرمایا کہ وہ اس فقرہ کو حقیقی تعارف پر محمول نہ کر سکے بلکہ دعوائے برادری کو دلجوئی پر ہی محمول کرتے رہے اور راز فاش نہ ہوا۔

السِّقَايَةَ ۔ ۶۹ پانی پینے کا گلاس مراد ہے جو ایام قحط میں خرید و فروخت کے لئے وقتی طور پر پیمانہ استعمال ہوتا تھا۔ اس لئے اس کو صواع سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

مروی ہے کہ یوسف علیہ السّلام کے اشارے سے ملازمین نے وہ پیمانہ بن یامین کے سامان میں رکھ دیا تھا۔ جب وہ سامان لے کر وداع کرکے روانہ ہوئے تو اس پیمانہ کی گم شدگی کا راز کھلا اور اِدھر اُدھر تلاش شروع ہوئی۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں جاتے ہوئے قافلہ کو بھی روک لیا گیا۔ قافلہ والوں نے وجہ پوچھی تو کہا گیا کہ شاہی پیمانہ گم ہے اور جو شخص وہ تلاش کرکے لائے گا اس کو ایک بھار غلہ مزید بطور انعام کے دیا جائے گا۔ اور اعلان کرنے والے نے اپنی ضمانت دے دی۔

أَيَّتُهَا الْعِيرُ ۔ عیر اصل میں تو اس قافلہ کو کہتے ہیں جس میں باربرداری کا انتظام گدھوں کے ذریعہ سے ہو لیکن ہر قافلہ پر مجازاً یہ لفظ بولا جاتا ہے اس مقام پر منادیٰ محذوف ہے اصل میں اَہل العیر تھا یعنی اے قافلہ والو!

جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ
گلاس اپنے بھائی کے سامان میں رکھ دیا پھر ایک اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ اے قافلہ
أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿۷۰﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ
والو! تحقیق تم چور ہو انہوں نے ان کی طرف متوجہ ہو
مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿۷۱﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ
کر پوچھا کہ تمہاری کیا چیز گم ہے تو کہنے لگے کہ بادشاہ کا گلاس: اور جو ڈھونڈ لائے گا اس کو

إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۔ بروایت ہشام بن حکم حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ قافلہ والوں نے چوری نہیں کی تھی اور حضرت یوسف کی جانب سے ان کو چور کہنے والے بھی دروغ گو نہیں تھے۔ اس لئے کہ گلاس کی وجہ سے نہیں بلکہ باپ سے حضرت یوسف کو چرانے کے سبب سے ان کو چور کہا جا رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف کے ملازمین نے جواب دیا تھا شاہی پیمانہ گم ہے یہ نہیں کہا تھا کہ تم شاہی پیمانہ کے چور ہو اور یہ فعل اگرچہ بظاہر حضرت یعقوب علیہ السّلام کے غم وہم میں اضافہ کا موجب تھا لیکن درحقیقت وصل و وصال کا بہانہ اور دائمی سرور کا پیش خیمہ تھا اس لئے اس کے جواز بلکہ استحباب میں کوئی شک نہیں ہے اور تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ پیمانہ سونے کا تھا اور جب اس کے ساتھ غلہ کا ماپ ہوتا تھا تو اس سے نہایت شیریں لہجہ میں یہ کلمہ صادر ہوتا تھا۔ لَعَنَ اللّٰهُ الْخَوَّانَ لَا تَخُونُوا بِهِ (خیانت کرنے والے پر خدا کی لعنت ہے خیانت نہ کرنا)

جوازِ تقیہ ۔ تفسیر برہان میں بروایت ابوبصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ التقیہ من دین اللّٰہ ۔ یعنی تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے۔ راوی نے پوچھا کیا تقیہ کرنا اللہ کا دین ہے؟ تو آپ نے فرمایا خدا کی قسم

اللہ کا دین ہے۔ دیکھو حضرت یوسف نے کہا۔ اے قافلہ والو! تم چور ہو حالانکہ وہ چور نہ تھے۔

تقیہ اور توریہ دو لفظیں ہیں اور ہر ایک کا مطلب بھی جدا جدا ہے۔ دینی مصلحت کی بنا پر خلاف واقع بات کو ظاہر کرنا یا یہ کہ دل میں ایمان کی شمع فروزاں ہوتے ہوئے جان و مال و ناموس کی حفاظت کی خاطر کلمہ کفر کہہ دینا جیسا کہ حضرت عمار کے متعلق تمام تاریخوں میں موجود ہے اور جناب رسالتمآبؐ نے عمار کے اس فعل پر رضامندی کا اظہار فرمایا تھا بلکہ ایسے مواقع پر آئندہ کے لئے بھی اس عمل کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ کتب

جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اونٹ کا ایک بھار دیا جائے گا اور میں اس کا ضامن ہوں

صحاح اہل سنت میں موجود ہے اور قرآن مجید میں بھی۔ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کا استثنا کھلے لفظوں میں موجود ہے اس کا نام ہے تقیہ اور عملی طور پر کوئی مسلمان اس کے جواز کو چیلنج نہیں کرتا بلکہ مذہبی قیود سے قطع نظر عقلی و فطری فیصلہ بھی یہی ہے کہ دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو عقل کا اندھا اور فطری تقاضوں سے بے بہرہ ہو۔ تقیہ کا بیان اور حضرت عمار کا واقعہ تفسیر کی اسی جلد میں سورہ نحل کی آیت ۱۰۶ صد پر ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا دو چیزوں کو محبوب رکھتا ہے اور دو چیزوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ وہ دو چیزیں جن کو پسند کرتا ہے یہ ہیں (۱) میدان جنگ میں صف آرائی کے بعد صفوں کے درمیان ناز و ادا سے چلنا (۲) اصلاح کی خاطر جھوٹ بولنا اور وہ دو چیزیں جن کو خدا ناپسند کرتا ہے (۱) گلیوں اور راستوں میں ناز و ادا سے چلنا پھرنا (۲) بغیر اصلاح کے جھوٹ بولنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ۔ یعنی بتوں کو اس بڑے بت نے توڑا ہے یہ محض اصلاح کی خاطر تھا کہ وہ اپنے عقول و افکار کی طرف دھیان کریں اور سوچیں کہ جب یہ بت اتنا معمولی کام کرنے کی قدرت نہیں رکھتے تو کسی دوسرے نفع و نقصان کی ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے پس وہ لائق عبادت و پرستش کیونکر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ تم چور ہو ایک مصلحت کی بنا پر تھا کہ اس بہانہ سے بن یامین کو روک لیا جائے اور انجام کار یہ فعل حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کا بہانہ بن جائے۔

اگر ایک لفظ کے دو معنی ہوں اُن میں سے ایک ذہن کے زیادہ قریب اور دوسرا بعید ہو پس اس لفظ کو استعمال کرکے مخاطب کے ذہن میں معنئ قریب بٹھا دینا اور اپنے دل میں معنئ بعید کا ارادہ رکھنا اس کو توریہ کہتے ہیں مثلاً مجھ سے کوئی شخص ایک سو روپیہ طلب کرے اور میرے پاس روپیہ موجود بھی ہو لیکن دینے کا ارادہ نہ ہو پس کہہ دوں

کہ میرے پاس نہیں ہے اور اس کی کئی تاویلیں ہوسکتی ہیں جن کی بنا پر میرے اوپر جھوٹ کا الزام عائد نہیں ہوسکتا مثلاً میرے پاس نوکر نہیں جو گھر سے لائے یا میرے پاس گنجائش نہیں کہ تم کو دے دوں یا یہ کہ میری جیب میں اس وقت نہیں ہے وعلی ھذا القیاس، اور توریہ پر مجازاً تقیہ کا اطلاق بھی ہوا کرتا ہے بنا بریں حضرت یوسف یا اُن کے ملازمین کا کہنا کہ تم چور ہو گلاس اور پیمانہ کے متعلق نہیں تھا جیسا کہ قافلہ والے سمجھ رہے تھے بلکہ ان کا مقصد باپ سے حضرت یوسف کو چرا لینا مقصود تھا اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اہلسنت کی کتب صحاح میں تین جھوٹوں کی نسبت موجود ہے (العیاذ باللہ) (۱) اپنی زوجہ کے متعلق فرمایا (یہ میری بہن ہے) (۲) عید کے دن اپنے متعلق فرمایا اِنِّیْ سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں اور فرمایا (۳) بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ - بت توڑنے کا کام بڑے نے کیا ہے - یہ تینوں فقرے یا تو تقیہ کی بنا پر ہیں جو کہ عقل و فطرت کا تقاضا ہے اور یا توریہ کی بنا پر ہیں پس بہن سے مراد دینی بہن ہے نہ کہ نسبتی یا رضاعی اور اپنی بیماری کے اعتراف کا مقصد یہ ہے کہ اگر تمہارے ساتھ بتوں کی پوجا میں شریک ہو جاؤں تو روحانی بیماری میں مبتلا ہو جاؤں گا اور بت شکنی کی نسبت بڑے بت کی طرف مشروط تھی کہ اُن سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں تو یہ کام بڑے کا ہے ورنہ نہیں - بہر کیف تقیہ کے موقعہ پر تقیہ کرنا واجب ہوتا ہے بلکہ تقیہ احکام خمسہ سے متصف ہوتا ہے واجب مستحب مباح مکروہ اور حرام اور تقیہ کے وجوب استحباب اباحت کراہت اور حرمت کے مواقع الگ الگ ہیں جو صاحبان عقول سے مخفی نہیں - البتہ تقیہ سے پہلے اگر توریہ سے کام نکل سکتا ہو تو اس کا استعمال بہر صورت بہتر ہے -

حِمْلُ بَعِیْرٍ - حمل اور حمل میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ اگر اونٹ پر لادا جاچکا ہو تو وہ حمل ہے اور اگر اونٹ کے بھار کے برابر چیز موجود ہے جو لدی نہیں جاچکی لیکن لدی جاسکتی ہے تو اس کو حِمل کہا جائے گا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ

کہنے لگے بخدا تم جانتے ہو کہ ہم زمین میں فساد کرنے کے لیے نہیں آئے

وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ

اور نہ ہم چور ہیں انہوں نے کہا کیا بدلہ ہوگا اگر تم جھوٹے ثابت

لَقَدْ عَلِمْتُمْ - کہتے ہیں کہ پہلی دفعہ جب غلہ لے کر گھروں کو پلٹے تھے اور وہاں جا کر دیکھا کہ اپنا مال بھی ان کا واپس آگیا ہے تو اس کو انہوں نے اپنے ہاں بطور امانت رکھ لیا تھا اور دوبارہ جب آئے تو آتے ہی اس کو شاہی خزانہ میں جمع کرا دیا کہ شاید یہ مصر کے ملازمین کی غلطی کی وجہ سے ایسا ہوا ہو - اب جو گلاس یا پیمانہ کی تفتیش شروع ہوئی تو انہوں نے جرأت سے کہا کہ تم ہماری سیرت و کردار کو جانتے ہو کہ ہم فسادی اور حرام خور نہیں ہیں کیونکہ جب قبضہ میں

آیا ہوا مال جس کے حلال ہونے کا ہمیں شک تھا ہم نے واپس کر دیا ہے تو چوری جو یقیناً حرام ہے ہم سے کیسے متوقع ہو سکتی ہے؟ نیز کہتے ہیں کہ یہ لوگ جب مصر کے علاقہ کی آبادیوں میں داخل ہوئے تو اپنے حیوانوں کے منہ باندھ لیے تھے تاکہ کسی کھیتی کا نقصان نہ ہو بنابریں اپنی دیانت داری کی دہائی دی کہ جب ہمارا کردار تمہیں معلوم ہے کہ ہم فسادی نہیں تو یہ چوری کا الزام کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟

اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۔ اگرچہ وہ لوگ اس موجودہ الزام سے بری الذمہ تھے اور ان کا دعویٰ بالکل سچا تھا لیکن بلحاظ تور یہ جس بنا پر ان کو چور کہا گیا تھا اسی لحاظ سے جھوٹ کی نسبت بھی ان کی جانب دی گئی یا یہ کہ ان کے سابق انکار کا لازمہ یہ تھا کہ گلاس یا پیمانہ ہمارے سامان میں نہیں ہے پس اس دعوئی میں ان کی طرف جھوٹ کو منسوب کیا گیا۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ ۔ چور کی سزا حکومت مصر میں یہ تھی کہ چور کو بدنی سزا کے ساتھ ساتھ اس سے تاوان وصول کیا جاتا تھا اور بنی اسرائیل میں چور کی سزا یہ تھی کہ جس کی چوری کرتا بطور سزا وہ اس کا غلام و عبد بن جایا کرتا تھا اس مقام پر حضرت یوسفؑ نے ان سے دریافت کیا کہ اگر پیمانہ تمہارے سامان سے مل جائے تو اس کی سزا کیا ہونی چاہیے

كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ
ہوئے؟ کہنے لگے بدلہ یہ ہے کہ جس کے سامان میں مل جائے وہی خود اس کا
جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ
بدلہ ہے ہم ظلم کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں پس ان کے
بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ
سامان کی تفتیش شروع کی اپنے بھائیؑ کے سامان سے پہلے پھر وہ پیمانہ نکال لیا اپنے بھائی
وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ
کے سامان سے اسی طرح ہم نے تجویز سکھائی یوسف کو کہ وہ نہیں روک سکتے تھے اپنے

یعنی حکومت مصر کے دستور کے مطابق ہو یا تمہارے دستور کے موافق ہو، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے اپنے دستور کے مطابق سزا اس کی یہی ہوگی کہ جس کے سامان سے مال مسروقہ برآمد ہو اس کو غلامی میں روک لیا جائے پس اونٹوں پر لدے ہوئے مال اتارے گئے اور پہلے باقی قافلہ کی تلاشی ہوتی رہی آخر میں جب بن یامین کے سامان کو کھولا گیا تو وہ پیمانہ مل گیا۔ پس سزا کے طور پر اس کو عزیز مصر کا غلام بننا پڑا (اس وقت عزیز مصر خود حضرت یوسف ہی تھے) جب بھائیوں نے دیکھا تو ان کی حیرت کی حد نہ رہی برافروختہ ہو کر بن یامین کے پاس آئے اور ڈانٹ ڈپٹ کر کہنے لگے کہ تو نے ہم سب کا وقار خاک میں ملا دیا ہماری دیانت کی ناؤ کو ڈبو کر رکھ دیا اور ہمیں اس قدر ذلیل کیا ہے کہ اب ہم مصریوں کے سامنے منہ اونچا نہیں کر سکتے

ذرا سوچو تو سہی کہ شاہی پیمانہ چرا کر کس قدر سبکی کا تم نے مظاہرہ کیا ہے؟ جب بھائی غصہ کی بھڑاس نکال چکے تو بن یامین نے صرف اتنا کہا کہ پہلی مرتبہ جب تم غلہ لے کر واپس گئے تھے تو تمہاری بوریوں میں تمہارا ذاتی مال کس نے ڈال دیا تھا پس جس نے تمہارا مال تمہاری بوریوں میں ڈالا تھا اُسی نے یہ پیمانہ میرے سامان میں ڈالا ہے۔ اس کا نہ مجھے کوئی علم ہے اور نہ میں قصوروار ہوں۔

کِدْنَا۔ کید سے ہے یعنی ہم نے بذریعہ الہام حضرت یوسف کو یہ تجویز بتلائی۔ کیونکہ وہ شاہی قانون کے لحاظ سے بن یامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ اب حضرت یوسف کو بن یامین کے اپنے پاس ٹھہرانے کا بہانہ مل گیا اور حضرت یعقوب کی طرف پیغام اور مژدہ مسرت بھیجنے کا ذریعہ دستیاب ہو گیا۔

اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ
بھائی کو بادشاہ کے قانون میں مگر یہ کہ خدا چاہے ہم درجے بلند کرتے ہیں
مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ (۷۶) قَالُوْۤا اِنْ
جس کے چاہیں اور ہر صاحب علم کے اوپر جاننے والا ہے کہنے لگے اگر اس نے
یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ
چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے پس یوسف نے یہ بات
فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ
اپنے دل میں رکھی اور ان پر ظاہر نہ کی (دل میں) کہا تم نے برا کیا ہے

قَالُوْا اِنْ یَّسْرِقْ۔ ظاہری لحاظ سے اپنے آبائی دستور کو وہ ٹھکرا نہ سکتے تھے لہٰذا بن یامین کی سفارش کی جرأت نہ کر سکے اور چونکہ اہل مصر کے نزدیک ان کی سبکی ظاہر ہو گئی تھی پس عزیزِ مصر (حضرت یوسف) کے سامنے اپنی خفت کو مٹانے کے لیے یوں معذرت گویا ہوئے کہ اے بادشاہ! یہ کوئی نئی بات نہیں ہے فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ تحقیق اس کا بھائی بھی اس سے قبل چوری کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور حضرت یوسف کی طرف چوری کی نسبت کا واقعہ یوں مرقوم ہے کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہوا تو حضرت یوسف کی تربیت ان کی پھوپھی کے سپرد تھی اور حضرت یوسف اپنی پھوپھی کو بہت پیارے تھے حتیٰ کہ وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یوسف کا فراق گوارا نہ کر سکتی تھی۔ جب حضرت یوسف بڑے ہوئے تو حضرت یعقوب نے اپنی بہن سے اس کو لینا چاہا اور وہ حضرت اسحٰق کی ساری اولاد میں سے بزرگ ترین تھیں چنانچہ اسی بنا پر حضرت اسحٰق کا کمربند بھی انہی کے پاس تھا جو دستور کے مطابق اولاد میں سے بڑے کے حصہ میں آتا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ یوسف کو مجھ سے لیا جا رہا ہے تو یہ حیلہ کیا کہ کمربند کو یوسف

maablib.org

کی کمر سے باندھ کر اوپر لباس پہنا دیا اور باپ کے پاس بھیج دیا اور کچھ دیر بعد خود تعاقب کرتی ہوئی پیچھے سے آ پہنچی حضرت یعقوب نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ میرا کمربند چوری ہو گیا ہے اور تلاشی لینے پر وہ حضرت یوسف کی کمر پر بندھا ہوا پایا گیا ۔ پس اولاد اسرائیل میں چوری کے قانون کے مطابق حضرت یوسف کو دوبارہ اپنی پھوپھی کے حوالہ کیا گیا ۔ اب بن یامین سے گلاس برآمد ہوا تو بھائیوں نے فوراً کہا کہ اس کا بھائی قبل ازیں اس جرم کا مرتکب ہو چکا ہے انہیں یہ تو معلوم نہیں تھا کہ جس سے ہماری بات ہو رہی ہے یہی حضرت یوسف ہیں ۔ پس حضرت یوسف نے یہ بات دل میں رکھ لی کہ تم بدترین انسان ہو کیونکہ تمہارا جرم یوسف کے بارے میں اس سے سنگین تر ہے ۔

قَالُوْا جب بن یامین کو حضرت یوسف نے اپنے پاس پابند کر لیا تو باقی بھائیوں نے منت سماجت شروع کی

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۷ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ

اور اللہ جانتا ہے جو تم کہتے ہو کہنے لگے اے عزیز تحقیق

اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا

اس کا باپ بوڑھا بزرگ ہے پس ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ لے لو تحقیق

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۷۸ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ

ہم تم کو محسن سمجھتے ہیں فرمایا معاذ اللہ ہم نہیں لیں گے

نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹

مگر اُسے جس سے ہمارا برتن برآمد ہوا ہے ۔ ورنہ ہم ظالم ہوں گے

جب کسی کی نہ چلی تو کہنے لگے کہ ہمارا باپ سن رسیدہ بزرگ ہے اور وہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذار سکتا اتنی مہربانی ضرور کرو کہ ہم میں سے ایک کو اس کے عوض میں رکھ لو اور اس کو جانے دو یہ آپ کا ہم پر بڑا احسان ہوگا ۔ اور اس منت سماجت ادا کرنے میں کافی وقت لگا ۔

قمی کی روایت کے مطابق سارے بھائی حضرت یوسف کے ارد گرد جمع ہو گئے اور غصہ کے مارے ان کے بدن سے زرد رنگ کا خون ٹپکتا تھا ۔ کیونکہ اولادِ یعقوب کی یہ علامت تھی کہ جب ان کو غصہ آتا تھا تو ان کے جسم کے بال کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے سرے کپڑوں سے باہر نکل آتے تھے اور ان سے خون زرد رنگ کا ٹپکنے لگ جاتا تھا ۔ حضرت یوسف نے ان کی طبیعتوں کے اتار چڑھاؤ سے ذرہ بھر بھی اثر نہ لیا اور اپنی بات پر پکے رہے کہ بن یامین کو میرے پاس ہی رہنا ہوگا ۔

رکوع ۱۰ ۔ **خَلَصُوْا نَجِیًّا** ۔ خلص یعنی الگ ہو گیا ۔ نجیاً حال واقع ہے مقصد یہ ہے کہ وہ باہمی مشورہ کے لئے الگ ہو گئے اور مجلس مشاورت ۔ میں یہ طے پایا کہ جو ان میں سے سن و سال کے لحاظ سے یا علم و عقل کے اعتبار

سے بزرگ تھا اُس نے باقی بھائیوں کو واپس چلے جانے کا مشورہ دیا اور خود زمین مصر میں رہنے کا عہد کر لیا اس کے نام میں اختلاف ہے اکثر روایات میں یہودا کا ذکر ہے۔ پس جب باقی بھائی روانہ ہو گئے تو یہودا نے حضرت یوسف کے پاس آکر کافی منت سماجت کی لیکن یوسف نے ایک نہ مانی پس یہودا کو غصّہ آیا اور کندھے کے بال کھڑے ہو گئے اور ان سے زرد رنگ کا خون ٹپکنے لگا۔ نیز اولادِ یعقوب کی یہ عادت بھی تھی کہ غصّہ کی حالت میں اگر اولادِ یعقوب کا کوئی دوسرا فرد اس کو چھو لیتا تھا تو اس کا غصّہ فرو ہو جاتا تھا۔ حضرت یوسف کا ایک شہزادہ وہاں موجود تھا جس کے پاس انار کے برابر سونے کی ایک گیند تھی جس کو زمین پر لڑھکاتا تھا پس جب یہودا کو غصّہ آیا تو حضرت یوسف نے اپنے فرزند سے گیند لی اور یہودا کی طرف لڑھکائی پس بچہ گیند کے پیچھے دوڑا اور اس کا ہاتھ یہودا کے جسم سے مس ہوا پس فوراً یہودا کا غصّہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اور شش و پنج ہو کر دریائے حیرت میں ڈوب گیا بچّہ گیند اٹھا کر واپس آ گیا۔ پھر باہمی گفتگو میں یہودا کو غصّہ آیا تو حضرت یوسف نے گیند کو لڑھکایا اور بچّہ کا ہاتھ لگتے ہی یہودا کا غصّہ فرو ہو گیا پھر تیسری بار بھی ایسا ہوا تو یہودا بھانپ گیا کہ یہاں حضرت یعقوب کے خون کا اثر ہے۔

فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ
پس جب مایوس ہوئے اس سے تو آپس میں الگ مشورہ کیا ان میں بڑے نے کہا تم کو خبر
تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ
نہیں کہ تحقیق تمہارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد و پیمان لیا ہے
وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ
اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو پس میں تو اس زمین کو نہ
الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي وَهُوَ
چھوڑوں گا یہاں تک کہ والد اجازت دے یا اللہ میرے حق میں فیصلہ کرے اور وہ

تفسیر صافی میں بروایت قمی منقول ہے کہ تمام بھائیوں کی دعوت کے بعد جب وہ سب کھانا کھا چکے تو حضرت یوسف نے باقی بھائیوں کو رخصت کر کے بن یامین سے فرمایا کہ میں تجھے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ بنیامین نے جواب دیا کہ میرے باپ نے میرے بھائیوں سے سخت عہد و پیمان لیا ہے لہٰذا وہ مجھے کسی قیمت پر چھوڑ کر نہ جائیں گے آپ نے فرمایا میں اگر کوئی حیلہ تلاش کر لوں تو تو خاموش رہنا چنانچہ حیلۂ مذکورہ کو اختیار کیا گیا۔ بعض لوگ حضرت یعقوب کے تمام فرزندوں کو نبی مانتے ہیں لیکن شیعہ اصول کے رُو سے ان کو نبی نہیں مانا جا سکتا کیونکہ ہمارے نزدیک نبی وہ ہے جس سے زندگی کے کسی دور میں فعل قبیح کا صدور نہ ہو پس ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے البتہ اپنی

غلطی سے انہوں نے توبہ کرلی تھی اور حضرت یوسف نے بھی ان کو معاف کر دیا تھا لہٰذا وہ اللہ کے نیک بندے ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔

فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَا - یہودا نے باقی بھائیوں کو پیغام دے کر روانہ کیا۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بھائیوں کو بھی بنیامین کی چوری کا یقین نہیں تھا اسی لئے تو کہا کہ ہم ظاہری علم کی بنا پر گواہی دے رہے ہیں غیب کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ اور ممکن ہے حضرت یعقوب نے اعتراض کیا ہو کہ شاہ مصر کو کیسے معلوم ہوا کہ چوری کے بدلہ میں چور کو غلام بنا لیا جاتا ہے۔ تو انہوں نے جواب میں کہا ہو کہ ہم نے وہی بات بتائی جس کا ہمیں علم تھا کہ اولادِ اسرائیل کا دستور ہے۔ چور کو چوری کے بدلہ میں صاحبِ مال کا غلام بنا دیا جائے۔ ہمیں کیا خبر تھی کہ حالات اس طرح پلٹا کھائیں گے اور بنیامین چوری کے الزام میں گرفتار ہوگا پس بن یامین کے واپس بخیریت لانے کا عہد و پیمان علم غیب نہ رکھنے کی بنا پر تھا

وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ اس مقام پر عبارت کا فی محذوف ہے مقصد یہ ہے کہ پس وہ واپس کنعان میں باپ کے پاس پہنچے اور سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اگر آپ کو ہماری بات پر یقین نہ آئے تو اس بستی والوں سے دریافت کر لو جہاں ہم تھے کہتے ہیں کہ مصر کے کچھ لوگ اس علاقہ میں آئے ہوئے تھے جن سے بطور شہادت پوچھنے کا انہوں نے کہا کہ قافلہ کے دوسرے لوگوں سے دریافت کر لو جو ہمارے ہمراہ تھے اور اب آپ کے ہمسایہ ہیں ہیں تاکہ آپ کو ہماری سچائی کا یقین ہو جائے۔

خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ

اچھا فیصلہ کرنے والا ہے — تم واپس جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے بابا جان!

اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا

تحقیق تیرے فرزند نے چوری کی اور ہم نہیں گواہی دیتے مگر جو کچھ ہمیں معلوم ہے اور نہیں تھے ہم

لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا

غیب کے حافظ — اور اس بستی والوں سے پوچھئے جس میں ہم تھے اور قافلہ والوں

وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ قَالَ بَلْ

سے پوچھئے جس میں ہم واپس آئے — اور ہم یقیناً سچے ہیں — فرمایا بلکہ زینت دی

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ - حضرت یعقوب علیہ السلام کا حضرت یوسف علیہ السلام کے فراق میں بہت رونا اور آہ و فغاں کرنا عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ بایں ہمہ حضرت یعقوبؑ کا اپنے آپ کو صبرِ جمیل کی صفت سے متصف کرنا اربابِ فکر و صاحبانِ دانش کے لئے غور طلب

کیا رونا بے صبری ہے

ہے۔ قرآن حکیم کا یہ انداز و اسلوب اور خاصانِ خدا کا طرزِ عمل صرف سرسری سیر نظر کے لئے نہیں بلکہ اسے تازیانۂ فطرت اور مہمیز عقل تصور کرنا چاہیے تاکہ طبیعت میں الجھے ہوئے مسائل کا ان کی روشنی میں صحیح حل تلاش کیا جا سکے۔ پس گریہ و بکا کو خلافِ صبر کہنے والے قرآن کے ان ارشادات و انبیاء کے اس جیسے واقعات سے سبق حاصل کریں۔ خدا کا برگزیدہ نبی انتہائی غم و اندوہ اور آہ و بکا کے باوجود اپنے تئیں صبرِ جمیل سے متصف کر رہا ہے اور خدا بھی اس کو صابر کہہ رہا ہے تو معلوم ہوا کہ کسی مصیبت میں صرف رونا اور غم زدہ ہونا منافیٔ صبر نہیں بلکہ عین فطرت اور محبوب پروردگار ہے۔ ہاں اللہ کے فیصلہ کو رد کرنا اور اس کا شکوہ کرنا خواہ گریہ نہ بھی ہو وہ بے صبری اور منافیٔ فطرت ہے اور مبغوضِ پروردگار بھی ہے۔

سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ عَسَى اللَّهُ
تمہارے لئے تمہارے نفسوں نے ایک بات پس صبر جمیل (خوب ہے) امید ہے کہ اللہ ان سب
أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (۸۳)
کو میرے پاس لائے گا تحقیق وہ علیم و حکیم ہے
وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ
اور ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ہائے ارمان یوسف پر اور سفید ہو گئیں ان کی

قوم شیعہ کا حضرت سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر بلکہ جملہ خاندانِ رسول کے بے گناہ اجڑ جانے پر ماتم کرنا رونا پیٹنا کسی دنیاوی مفاد کی خاطر نہیں بلکہ محبت خدا اور رسول کا تقاضا یہی ہے کہ خاصانِ خدا اور اقربائے پیغمبر پر امّت ناہنجار کے مظالم کی داستان دہرائی جائے اور ان کے حلم و حوصلہ اور صبر و ضبط کی یاد تازہ کی جاتی رہے تاکہ مظلوم کے غم میں بہتے ہوئے آنسو رونے والے کے دل و دماغ سے ظلم، جور و استبداد بلکہ تمام گناہوں کے ابھرتے ہوئے نقوش کو دھو دیں اور اسوۂ حسنہ مظلوم سے صحیفۂ قلب پر جنم لینے والے اچھے اثرات کے لئے یہی آنسو آبِ بقا کا کام دیں کیونکہ ظالم اور اس کی جملہ بد عادات سے نفرت نیز مظلوم اور جملہ خوبیوں سے محبت قصہ پارینہ کی صورت میں صدا بصحرا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی لیکن جب اسے بار بار دہرایا جائے اور خلوص بھی کارفرما ہو تو ظالم کی برائیوں سے نفرت اور مظلوم کی اچھائیوں سے محبت جہاد نفس میں فتح و کامرانی کا علم بن کر ابھرتی ہے جس کی بدولت انسان نما انسان حقیقی انسانیت کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے اور اپنے منافی کردار سے قوم و ملک و ملت کی صحیح خدمت کرنے کے اہل ہوتا ہے اور دین و دنیا کی بھلائی اس کے لئے روشن راہ ہوتی ہے۔

عَسَى اللَّهُ۔ صافی و برہان و مجمع البیان میں معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ حضرت یعقوب نے خدا سے

دُعا مانگی تھی کہ وہ ملک الموت کو بھیجے چنانچہ دُعا مقبول ہوئی اور ملک الموت حضرت یعقوب کے پاس پہنچے تو آپ نے دریافت کیا کہ کیا یوسف کی روح بھی تیرے پاس پہنچی ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ نہیں پس آپ کو یوسف کی زندگی کا علم ہو گیا۔ نیز تفسیر برہان وصافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک دیہاتی عرب نے حضرت یوسفؑ سے غلہ خریدا جب وہ روانہ ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ جب فلاں وادی کے قریب پہنچنا تو ٹھہر جانا اور یعقوب کے نام آواز دینا پس ایک خوبصورت عظیم الشان آدمی باہر آئے گا اس سے کہنا کہ مصر میں ایک آدمی تجھے سلام کہتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ میں تیری امانت ہوں اور اللہ تیری امانت کو ضائع نہیں کرتا پس وہ عرب پیغام لے کر روانہ ہوا جب اس مقام پر پہنچا تو اپنے ملازمین سے کہا تم اس جگہ ٹھہر جاؤ میں پیغام پہنچا کر ابھی واپس آتا ہوں۔ چنانچہ اس نے گھروں کے قریب پہنچ کر یعقوب کے نام آواز دی تو خوب رُو قد آور نورانی چہرے والا ایک آدمی نکلا جو آنکھوں سے معذور تھا اور دیوار کا سہارا لے کر ادھر آ رہا تھا اس نے پوچھا کیا یعقوب آپ ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ہاں! پس اس نے یوسف کا پیغام پہنچایا جس کے سنتے ہی حضرت یعقوب پر غشی طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو اعرابی سے فرمایا کیا تیرے دل میں کوئی خواہش ہے؟ اُس نے جواب دیا ہاں! میری عورت میری چچا زاد ہے اور میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ خدا سے دعا کیجئے کہ وہ مجھے اولاد عطا فرمائے۔ پس حضرت یعقوب نے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کی اور خدا سے اس کے لئے دعا کی جو مقبول ہوئی۔ اس کی عورت کو چار دفعہ یا چھ دفعہ حمل ہوا اور ہر حمل میں دو دو لڑکے پیدا ہوئے۔ بہر کیف حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا اور خداوند کریم نے بھی بذریعہ وحی کے جتلا دیا تھا کہ ایک طولانی غیبت کے بعد تجھے ملاؤں گا۔ اسی بنا پر تو بیٹوں کو فرماتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے اور اس آیت مجیدہ میں جو توقع آپ نے ظاہر فرمائی ہے کہ اُمید ہے شاید خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے۔ اِسی علم کی بنا پر ہی ہے۔

نیز تفسیر برہان میں ہے عزیز مصر نے حضرت یعقوب کو ایک خط لکھا تھا کہ تیرے لڑکے یوسف کو میں نے خرید لیا ہے۔ اور تیرے بیٹے بنیامین کو چوری کے جرم میں اپنا غلام بنا لیا ہے جب حضرت یعقوب نے یہ خط پڑھا تو آنکھوں کے سامنے دنیا تاریک ہو گئی اور فوراً جواب لکھا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط یعقوب اسرائیل اللہ بن اسحٰق بن ابراہیم خلیل اللہ کی جانب سے ہے۔ اما بعد میں نے تیرے خط کا مطلب سمجھا ہے کہ تو نے میرے فرزند کو خرید کر غلام بنا لیا ہے۔ تحقیق انسان پر مصائب آیا کرتے ہیں دنیا کے بادشاہ نے میرے جد ابراہیم کو آگ میں ڈالا تھا تو خدا نے اس کو برد و سلام کر دیا اور میرے باپ اسحٰق کے ذبح کا حکم ہوا تو خدا نے اس کے بدلہ میں دنبہ بھیج کر اسے بچا لیا۔ (روایات میں ذبیح اللہ کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ اسمٰعیل تھے یا اسحٰق اِس روایت میں حضرت اسحٰق کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم) اور میرا فرزند جو مجھے نہایت عزیز تھا بلکہ میری آنکھ کی ٹھنڈک اور دل کا سرور تھا بھائی اُس

کو لے گئے اور یہ بہانہ بنا کر پلٹے کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا ہے اس کے غم میں میری پشت ٹیڑھی اور بینائی ختم ہو گئی ہے پھر اس کا ایک بھائی تھا جس کے ساتھ میں اپنا دل بہلا لیا کرتا تھا بھائی اس کو تیرے شہر میں غلہ خریدنے کے لئے لے گئے اور واپس آ کر انہوں نے بیان کیا کہ اس نے بادشاہ کا پیمانہ یا گلاس چرایا ہے جس کی پاداش میں غلام بنا لیا گیا ہے حالانکہ چوری اور گناہ کی واردات ہماری خاندانی روایات کے منافی ہیں۔ میں ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کے معبود کا واسطہ دے کر تجھ سے خواہش کرتا ہوں کہ میرے اوپر احسان کر اور بیٹے کو مجھے واپس کر دے جب یہ خط

عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَہُوَ کَظِیۡمٌ ﴿۸۴﴾ قَالُوۡا تَاللّٰہِ تَفۡتَؤُا تَذۡکُرُ

آنکھیں غم سے پس وہ غم کو ضبط کرنے والے تھے کہنے لگے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں

حضرت یوسف کے پاس پہنچا تو انہوں نے اس کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا اور سخت روئے اور چونکہ خط لے جانے والے بھائی تھے لہٰذا اُن سے فرمایا ہَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ۔ الایۃ۔ جو بعد میں آئے گا۔

اس تفصیل سے روز روشن کی طرح چند باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔

۱ حضرت یعقوب کو حضرت یوسف کی زندگی کا علم تھا صرف فراق یوسف میں گریہ فرماتے تھے۔

۲ حضرت یعقوب کی یوسف سے پدری محبت تھی جو حضرت یعقوب کے گریہ کی محرک تھی۔

۳ حضرت یوسف پر ظلم و تشدد بھائیوں کی جانب سے تھا اسی لئے تو بعض مظالم بعض بھائیوں کو گوارا نہیں ہوتے تھے اور برادرانہ محبت آڑے آ جاتی تھی جیسا کہ کنوئیں میں یہودا کا خوراک پہنچانا بھی منقول ہے۔

۴ حضرت یعقوب اس قدر روئے کہ ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں یعنی بینائی ختم ہو گئی۔

۵ حضرت یعقوب نے کثرت گریہ کے باوجود اپنے آپ کو صبر جمیل کی صفت سے متصف کیا۔

۶ حضرت یعقوب کا گریہ خداوند کریم کو محبوب تھا اسی لئے تو اس آزمائش کو طول دے دیا اور قرآن میں اس کو سراہا

۷ حضرت یعقوب کا گریہ حلم و حوصلہ کے منافی نہیں تھا کیوں کہ باوجود گریہ کے خدا نے اس کو حلیم کی صفت سے یاد فرمایا ہے۔

۸ خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانا اور اس کا شکوہ کرنا ہی بے صبری ہے۔

ان نتائج کی روشنی میں آل محمدؐ کے مصائب پر قوم شیعہ کا رونا اور ماتم کرنا عین سنت انبیا اور اسوۂ صلحا ہے بلکہ قوم شیعہ کا ماتم کسی پدری و مادری یا خونی رشتہ کی بنا پر نہیں۔ یہاں تو صرف خدا و رسول کی محبت کا جذبہ ہی کارفرما ہوتا ہے اور خوشنودی خدا و رسول ہی مطلوب ہوا کرتی ہے۔

یَا اَسَفٰی۔ تفسیر مجمع البیان میں سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ مصیبت کے وقت اُمّتِ اسلامیہ کو جو فقرہ عطا کیا

گیا ہے وہ اس سے قبل انبیاء کو نہیں دیا گیا اور وہ ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اگر یہ فقرہ پہلے نبیوں کو عطا ہوتا تو حضرت یعقوب علیہ السلام یَا اَسَفٰی کی بجائے یہی فقرہ پڑھتے۔

وَابْیَضَّتْ آنکھوں کا سفید ہونا کنایہ ہے بصارت کے ختم ہو جانے سے۔ اور مروی ہے کہ چھ سال حضرت یعقوب بصارت سے محروم رہے اور بعض کہتے ہیں کہ نابینا نہیں ہوئے تھے بلکہ اس قدر ان کی بصارت کمزور ہو گئی تھی کہ نابینا ہونے کے قریب تھے۔ حُزن اور بث میں عام و خاص مطلق کی نسبت ہے۔ چنانچہ بث اس غم کو کہتے ہیں جو چھپایا نہ جا سکے اور غم زدہ آدمی اس کے اظہار پر مجبور ہو بنا بریں اگلی آیت میں حُزن کا بث پر عطف کرنا عطفِ عام علی الخاص ہے۔ حضرت یعقوب فراقِ یوسف میں اس قدر روئے کہ عالم میں سب سے زیادہ گریہ کرنے والے پانچ میں سے ایک یہ ہیں۔ جیسے کہ احادیث میں وارد ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ حضرت یعقوب کا یوسف کے فراق میں گریہ کس قدر تھا تو آپ نے فرمایا کہ وہ ماں جس کا اکلوتا نوجوان بیٹا مر جائے ایسی ستر ماؤں کے غم کے برابر صرف ایک یعقوب کا غم تھا۔

تنبیہ ۔ قوم شیعہ کے غمِ حسینؑ میں رونے کو بدعت اور حرام کہنے والے حضرت یعقوب کے غم و اندوہ اور گریہ و بکا پر قرآن کی روشنی میں غور کریں شہید ہونے والے کے غم میں گریہ کرنا دیکھنا ہو تو حضرت آدم کا ہابیل کے غم میں گریہ کرنا بلکہ سر میں خاک ڈالنا معارج النبوۃ میں دیکھیں اور زندہ جدا ہونے والے کی جدائی میں رونے کے جواز کا فتویٰ قرآن مجید کی سورہ یوسف سے دریافت کر کے تسلی کر لیں۔

آلِ محمدؐ کے مصائب پر رونا اس لئے بدعت قرار دیا جاتا ہے کہ اس سے بعض صحابہ کے حق میں نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں بعض علمائے اسلام کا قول نقل کیا ہے (علی مایروی عنہا) چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ گویا یہ لوگ دبی زبان سے اعتراف کر رہے ہیں کہ آلِ محمدؐ کے ستانے رلانے اور ذبح کرنے میں ان لوگوں کا ہاتھ تھا جن کے متعلق نفرت پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ حق وہ ہے جس کی دشمن بھی گواہی دے اور غمِ حسینی کی کرامات کا سلسلہ آج تک جاری و ساری رہ کر دنیا والوں کے لئے دعوتِ فکر کی حیثیت رکھتا ہے۔

۱۔ ہر غم دل کو کمزور کرتا ہے اور غمِ حسین دل کو طاقتور بناتا ہے۔

۲۔ ہر غم و اندوہ بزدلی کا باعث بنتا ہے اور غمِ حسین جرأت کا درس ہے۔

۳۔ غمِ حسین میں رونے والا آشوبِ چشم سے محفوظ رہتا ہے۔

۴۔ ہر غم نقصان بڑھاتا ہے اور غمِ حسین تھکے ماندے انسان کو تازہ دم کر دیتا ہے۔

۵۔ ہر غم سے دل اکتا جاتا ہے اور غمِ حسین سے دل کبھی نہیں اکتاتا بلکہ عزیزوں کی موت ایک وقت کے بعد قصۂ پارینہ بن جاتی ہے لیکن بچپنے سے لے کر بڑھاپے کی آخری منزل تک غمِ حسین میں رونے والا اس غم کو

سرورِ قلب بلکہ وگِ حیات خیال کرتا ہے۔ اے اللہ ہمیں آلِ محمدؐ کے عزاداروں میں محشور فرمانا۔

بَثِّيْ وَحُزْنِيْ۔ تفسیر برہان میں بروایت جابر حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے ایک مرتبہ حضرت یعقوب اپنے کسی کام میں بادشاہِ وقت کے پاس گئے تو بادشاہ نے دریافت کیا کیا آپ ابراہیم ہیں۔؟ تو جواب دیا کہ نہیں پھر اس نے پوچھا کیا آپ اسحٰق ہیں؟ تو آپ نے نفی میں جواب دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ تو فرمایا میں یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہوں۔ بادشاہ نے ازراہِ استعجاب پوچھا آپ تو نوجوان ہیں پھر یہ آثارِ ضعیفی کیسے؟ تو جواب دیا کہ یہ یوسف بیٹے کے فراق کے غم کے نتیجے میں ہے۔ بہر کیف جس کام کے لئے گئے تھے وہ ہو گیا واپسی پر ابھی تک دہلیز میں ہی تھے کہ جبریل نے کہا خدا تجھے سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ تو نے میرے بندوں کے سامنے میرا شکوہ کیا ہے پس حضرت یعقوب نے وہاں سر سجدہ میں رکھ کر عاجزی و زاری کی، اور معافی مانگی پس جبریل نے مژدہ سنایا کہ خدا نے تجھے معاف کر دیا ہے اور وہ سلام کے بعد فرماتا ہے آئندہ میرا شکوہ میری مخلوق کے سامنے نہ کرنا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جب بیٹوں نے باپ سے کہا کہ آپ رو رو کر نڈھال ہو رہے ہیں اور قریب ہے کہ یہ گریہ آپ کے لئے موجبِ ہلاکت بن جائے، تو ان کے جواب میں فرمایا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کہ میں اپنے غم و اندوہ کا شکوہ اپنے اللہ کی طرف ہی کرتا ہوں۔ اور خدا کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

بروایت مجمع البیان حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جبریل نے حضرت یعقوب کو یہ بشارت سنائی تھی کہ خدا بعد سلام کے فرماتا ہے اپنے دل میں اطمینان رکھو مجھے اپنی عزت کی قسم اگر تیرے دونو بیٹے مر بھی گئے تب بھی میں ان دونو کو زندہ کر کے تجھے ملاؤں گا پس تم مساکین کو کھانا کھلاتے رہو کیونکہ مجھے سب بندوں میں سے مساکین

يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا اَوْ تَكُونَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

یہاں تک کہ بہت لاغر ہو جائیں یا مرنے والوں سے ہو جائیں

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ

فرمایا سوائے اس کے نہیں کہ میں اپنے غم و اندوہ کی شکایت اللہ کو کروں گا اور اللہ کی طرف

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا

سے میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے بیٹو! جاؤ پس یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش

مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ

کرو اور مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے

زیادہ عزیز تر ہیں اور تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے تیری بینائی سلب کر لی اور پیٹھ کو کبڑا کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے بکرا ذبح کیا اور روزہ دار مسکین نے تمہارے دروازہ پر صدا دی لیکن تم نے اس کو کچھ نہ دیا۔ پس اس کے بعد جب بھی حضرت یعقوبؑ صبح کا کھانا کھاتے تھے ایک منادی ان کی طرف سے ندا کرتا تھا کہ جس مسکین نے صبح کا کھانا کھانا ہو تو یعقوب کے دسترخوان پر آ جائے اور جو کوئی روزہ دار ہو آ کر یعقوب کے دسترخوان پر روزہ افطار کرے

تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت یعقوب کا بادشاہِ وقت کے پاس جانا حضرت ابراہیم کے کہنے سے ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم نے حضرت یعقوب کو بادشاہ کے پاس کسی مطلب کے لئے بھیجا تھا باقی روایت مثل سابق ہے باختلاف بعض الفاظ۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ تک حضرت ابراہیم زندہ تھے (واللہ اعلم)

فَتَحَسَّسُوْا۔ تجسس اور تحسس مرادف لفظ ہیں ان کا معنی ہے تلاش کرنا چنانچہ حدیث میں تجسس اور تحسس دونوں سے منع کیا گیا ہے اور بعض لوگوں نے ان دونوں میں فرق بھی بیان کیا ہے (۱) تجسس کا معنی ہے لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا اور تحسس کا معنی ہے چھپ کر لوگوں کی باتیں سننا (۲) تجسس کا معنی ہے بری باتوں کی جستجو کرنا اور تحسس کا معنی اچھی خبروں کا تلاش کرنا ہے۔

إِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

تحقیق اللہ کی رحمت سے نہیں مایوس ہوتے مگر کافر لوگ

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يَٰٓأَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا

پس جب وہاں پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز! ہم اور ہمارا

(قصہ)

بہر کیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی فرزندوں کو حکم دیا کہ یوسف اور بنیامین کی تلاش میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں چنانچہ فرمایا کہ جاؤ اور مصر کے بادشاہ وقت کا نام دریافت کرو اور اس کے دین و مذہب کا سراغ لگاؤ۔ کیوں کہ میرے دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ جس نے بنیامین کو روک لیا ہے وہ شاید یوسف ہی ہے اور اس نے بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کے لئے گلاس کے گم ہونے کا بہانہ بنایا ہے۔

وَلَا تَايْئَسُوْا۔ خدا کی رحمت سے مایوس ہونا گناہان کبیرہ میں سے ہے۔ اور روایات میں معصومین سے منقول ہے کہ مومن کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہوا کرتا ہے پس محض خوف ہی خوف کفر کی نشانی ہے اور اسی طرح محض اُمید ہی اُمید بھی ایمان سے دُوری کی نشانی ہے بلکہ مومن وہ ہے کہ اللہ کے عذاب اور اس کی سخت گرفت سے خوف زدہ ہو اور اس کی بخشش کا اُمیدوار ہو اگر وزن کیا جائے تو اس کا خوف اور اُمید برابر برابر ہوں۔ ابن عباس سے منقول ہے کہ مومن سختی اور شدت میں اللہ سے خیر کی اُمید رکھتا ہے اور خوش حالی میں اس کا شکر گذار رہتا ہے

اور کافر کی یہ شان نہیں ہے۔ آیت مجیدہ میں ہے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا کافروں کا فعل ہے۔

قصہ۔ بہرکیف حضرت یعقوب نے اپنے باقی بیٹوں کو تیار کرکے پھر مصر کی طرف روانہ فرمایا۔ اور تفسیر برہان میں ہے کہ اس دفعہ ان کو ایک خط بھی لکھ دیا جس میں اپنے مصائب خصوصاً یوسف کا فراق اور اس کے بعد بنیامین کی جدائی کا تذکرہ بھی کیا اور غلہ کے لین دین میں حسن سلوک کی سفارش بھی فرمائی۔ چنانچہ یہ لوگ کنعان سے روانہ ہوکر مصر میں پہنچے اور باپ کا خط پیش کیا۔ حضرت یوسف نے باپ کے خط کو آنکھوں پر رکھا اور اس کو بوسہ دیا پھر اس قدر روئے کہ آنسوؤں سے گریبان تر ہوگیا۔ یہ اولادِ یعقوب کا تیسرا سفر ہے۔

وَاَهۡلَنَا الضُّرُّ وَجِئۡنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ فَاَوۡفِ
خاندان تکلیف میں ہیں اور ہم تھوڑی سی پونجی لائے ہیں ہمیں غلہ پورا دے اور ہم
لَنَا الۡكَيۡلَ وَتَصَدَّقۡ عَلَيۡنَا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَجۡزِى
پر تصدق کر تحقیق اللہ تصدق کرنے والوں کو اچھا بدلہ
الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ ﴿۸۸﴾ قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ
دیتا ہے کہا کیا تم کو خبر ہے جو تم نے یوسف

مُزۡجَاةٍ۔ اَزۡجٰی یُزۡجِیۡ اِزۡجَاءً۔ باب افعال سے ہے اس کا معنی ہے آہستہ آہستہ چلانا۔ قرآن مجید میں ہوا کے متعلق ہے۔ یُزۡجِیۡ سَحَابًا یعنی وہ ہوا بادل کو آہستہ چلاتی ہے۔ فُلَانٌ یُزۡجِی الۡعَیۡشَ یعنی فلاں آدمی زندگی کو تھوڑی آمدنی سے چلا رہا ہے۔ اس مقام پر بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجَاةٍ سے مراد وہ تھوڑی رقوم یا مختصر سامان ہے جس کو نہایت محتاط اندازے سے تھوڑا تھوڑا خرچ کرکے قحط سالی کے ایام میں گذر اوقات کا ذریعہ بنایا جائے۔ پس اولادِ یعقوب نے اپنی بسر اوقات اور معمولی گذران کا تذکرہ کرکے غلہ طلب کیا اور درخواست کی کہ ہماری تھوڑی پونجی کو قبول کیجئے اور اس کے بدلہ میں ہمیں جو غلہ عنایت ہو وہ پچھلے سالوں کی طرح فی آدمی ایک بھار شتر پورا ہو ہماری پونجی کی کمی کو مدنظر رکھ کر اس میں کمی نہ کی جائے اور اس رواداری کو صدقہ سے تعبیر کیا اور مقصد یہ ہے کہ یہ آپ کی کرم گستری اور احسان شعاری ہوگی جس کی جزا اللہ ہی دے گا۔

اور بعض مفسرین نے تصدق سے مراد بنیامین کی واپسی لکھی ہے اور حضرت یعقوب کی سفارش کا مقصد بھی یہی تھا

قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کی درخواست کی سماعت کی اور باپ کے خط کا بار بار مطالعہ کیا دل بھر آیا اور آخر کار ضبط نہ کرسکے پس اندر گئے اور آنکھوں سے آنسوؤں کو پونچھ کر منہ دھو کر باہر تشریف لائے اور طبیعت پر قابو پاکر فرمایا کیا تمہیں خبر ہے جو تم نے یوسف سے سلوک کیا اُسے باپ سے جدا کیا اس کے

قتل کا ارادہ کیا اور کھوٹے پیسوں میں اس کو بیچ ڈالا اور اس کے مادری بھائی کو ذلیل سمجھتے رہے وغیرہ۔
جَاهِلُوْنَ ۔ حضرت یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ کو دیکھئے کہ جن بھائیوں نے آپ کو انتہائی مصائب کے منہ میں دھکیل دیا تھا وقت آنے پر برسرِ اقتدار ہوتے ہوئے انتقام سے درگذر کرنا تو درکنار بھائیوں سے سخت کلامی کو گوارا نہ فرمایا حتیٰ کہ اُن کی طرف جہالت کی نسبت دینا بھی پسند نہ کیا۔ چنانچہ فرمایا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ جو سلوک روا رکھا وہ تمہاری اس وقت کی نادانی کا نتیجہ تھا نہ کہ اب جاہل ہو گویا ان کو معذرت کرنے کا راستہ بھی معافی کے ساتھ ساتھ بتا دیا اور کہتے ہیں یہ بات کہتے ہوئے حضرت یوسف نے مسکرا دیا اور آپ کے چمکیلے خوبصورت دانت جو تابناک موتیوں کی طرح دمک رہے تھے جب ظاہر ہوئے تو بھائیوں کو یوسف کا شبہ ہوا بعض کہتے ہیں سر سے آپ نے تاج علیحدہ کیا تو ان کو شک ہوا پس فوراً شک کے لہجہ میں گویا ہوئے۔ ءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۔ یعنی استفہاماً پوچھا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا

بِیُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ (۸۹) قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ
اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا جب کہ تم جاہل تھے کہنے لگے کیا

لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ قَدْ
آپ ہی یوسف ہیں؟ فرمایا ہاں میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے تحقیق

مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ
اللہ نے ہم پر احسان فرمایا تحقیق جو تقوےٰ کرے اور صبر کرے پس تحقیق اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (۹۰) قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ
نیک لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا کہنے لگے خدا کی قسم یقیناً

ہاں: میں وہی یوسف ہوں اس مقام پر اَنَا هُوَ نہیں فرمایا بلکہ اپنے نام کو دُہرایا جس کا مقصد یہ ہے کہ میں وہی یوسف ہوں جس کے ساتھ تم بھائیوں نے زمانِ جہالت میں ظلم و تشدد کیا تھا۔
وَ اِنْ كُنَّا ۸۲ یہ اِنْ اِنَّ کا مخفف ہے اس مقام پر حضرت یوسف کے بھائیوں کا اعتراف موجود ہے کہ ہم خطاکار تھے اور آپ ہی ہم سے افضل و اشرف ہیں۔ پس حضرت یوسف نے کھلے لفظوں میں ان کی معافی کا اظہار فرمایا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۔ یعنی آج کرسئ اقتدار سنبھالنے کے باوجود میں تم سے انتقام نہیں لینا چاہتا بلکہ تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو انہی اخلاق کریمانہ کا قولی و عملی درس دیا ہے چنانچہ امام زین العابدین علیہ السلام کو جب ایک شخص نے ناسزا الفاظ کہے

تو آپ چل کر اس کے گھر پہنچے وہ شرمسار ہوا۔ آپ نے فرمایا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ جن الفاظ سے تو نے مجھے خطاب کیا تھا اگر میں واقعی ان کا مستحق ہوں تو اپنے لئے اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور اگر تجھے غلط فہمی تھی تو میں تیرے لئے اللہ سے طلب بخشش کرتا ہوں پس وہ شخص آپ کے حسنِ اخلاق سے متاثر ہو کر فوراً تائب ہو گیا۔

أٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخٰطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَالَ
آپ کو اللہ نے ہم پر فضیلت دی اور تحقیق ہم غلطی پر تھے فرمایا میں تمہیں
لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ
آج سرزنش نہیں کرتا خدا تمہیں بخش دے اور وہ سب
الرّٰحِمِينَ ﴿٩٢﴾ اِذْهَبُوا بِقَمِيصِي هٰذَا فَأَلْقُوهُ عَلٰى
سے زیادہ رحم کرنے والا ہے میری یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر ڈال دو
وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾
وہ بینا ہو جائے گا پھر سارا خاندان لے کر واپس میرے پاس آ جاؤ

اِذْهَبُوا۔ تفسیر برہان میں بروایت مفضل بن عمرو امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ تم یوسف کی قمیص کی حقیقت کو جانتے ہو؟ راوی نے عرض کی کہ نہیں مولا۔ آپ نے فرمایا جب حضرت ابراہیم کو آتش نمرودی میں ڈالا گیا تھا تو جبریل نے جنت سے لا کر یہ قمیص ان کو پہنائی تھی۔ اس کی خاصیت یہ تھی کہ گرمی و سردی کا اس پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ پس حضرت ابراہیم نے بوقت اخیر بطور تعویذ یہی قمیص حضرت اسحٰق کے گلے میں ڈالی دی تھی۔ پھر حضرت اسحٰق نے حضرت یعقوب کے گلے میں ڈالی اور جب یوسف پیدا ہوئے تو حضرت یعقوب نے بطور تعویذ چاندی کی تختی میں بند کر کے اس کو یوسف کے بازو سے باندھ دیا۔ القصہ جب یوسفؑ نے وہی قمیص تعویذ سے نکالی تو فوراً اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچی اور فرمایا مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے (چونکہ یہ قمیص جنت کی تھی اور جنتی لباس کی خوشبو مومن کو ایک ہزار سال کی مسافت سے محسوس ہو سکتی ہے) راوی نے پوچھا پھر وہ قمیص کہاں گئی؟ آپ نے فرمایا اپنے اہل کے پاس رہی حتیٰ کہ یکے بعد دیگرے انبیاء سے منتقل ہو کر حضرت محمد مصطفیٰؐ تک پہنچی۔ یہ روایت کافی اور بصائر الدرجات سے منقول ہے۔ بروایت علی بن ابراہیم آپ نے فرمایا وہ قمیص اب ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جب قمیص لے کر قافلہ مصر سے روانہ ہوا تھا اس وقت حضرت یعقوب فلسطین میں تھے۔

میں نے کسی کتاب میں دیکھا ہے کہ جب حضرت یوسف کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تھا اور قمیص اتاری

تھی تو حضرت جبرئیل نے یہی قمیص جنت جو بطور تعویذ ان کے گلے میں لٹکی ہوئی تھی کھول کر ان کو پہنا دی تھی اور تفسیر صافی میں قمی سے منقول ہے کہ حضرت قائم آل محمدؐ جب خروج کریں گے تو ان کے پاس وہ قمیص ہوگی۔

تفسیر برہان میں بروایت علی بن ابراہیم امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صاحب الامر کو حضرت یوسف کے واقعات سے مشابہت حاصل ہے۔ راوی کے استفسار پر آپ نے فرمایا کہ حضرتؑ یوسف کے بھائی اسباط اور اولاد انبیاء تھے۔ انہوں نے اپنے ہاتھوں یوسف کو بیچا لیکن بوقت ملاقات نہ پہچان سکے جب تک یوسف نے اپنے منہ سے نہ کہا کہ میں ہی یوسف ہوں۔ اس وقت حضرت یوسف مصر کے بادشاہ تھے ان کے اور ان کے والد کے درمیان اٹھارہ روز کا سفر تھا جس کو خوش خبری ملنے پر حضرت یعقوب نے نو دن میں طے کیا۔ اگر ظاہری اسباب کو استعمال کرتے تو اتنی دیر تک فراق کی مصیبتیں نہ جھیلتے تو کیا عجب ہے کہ خداوند کریم حضرت صاحب الامرؑ کے لئے بھی ویسی ہی صورت پیدا کر دے کہ وہ بازاروں میں سڑکوں پر چلتے پھرتے رہیں اور لوگ ان کو پہچان نہ سکیں پس جس طرح مشیت ایزدی کے ماتحت ایک طویل عرصہ کے بعد یوسف و یعقوب کے درمیان سے جدائی کے پردے ہٹے اسی طرح اسی کی مشیت کے ماتحت اس کی غیبت کا پردہ ہٹے گا۔

علامہ طبرسی صاحب مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کا یہ فرمانا کہ یہ قمیص لے جاؤ اور میرے باپ کے منہ پر رکھ دو وہ بینا ہو جائے گا۔ معجزہ ہے۔ کیونکہ حضرت یوسف کو کیا خبر تھی کہ اس قمیص کے ڈالنے سے وہ بینا ہو جائیں گے (تاکہ اس کو پیشین گوئی کہا جا سکے پس اس اعتبار سے معجزہ ہے کہ انہوں نے چاہا اور خدا نے اس میں یہ اثر ڈال دیا کہ حضرت یعقوب کی جملہ تکالیف و مصائب کا مداوا ہو گیا کمر سیدھی ہو گئی۔ بینائی پلٹ کر آگئی اور ضعف و ناتوانی کی جگہ تندرستی و توانائی نے لے لی) لیکن میرے خیال میں معجزہ کی بہ نسبت اس کو پیشین گوئی کہنا زیادہ انسب ہے کیونکہ یہ قمیص جب قمیص جنت تھی تو جس طرح اس کی خاصیت ہے کہ اس کی خوشبو مومن کافی دور سے محسوس کر سکتا ہے اسی طرح شاید یہ بھی اس کے خواص میں سے ہو کہ جس بدن سے مس ہو جائے اس کی جملہ بیماریوں، مصیبتوں اور کمزوریوں کو ختم کر دے، ضعیف کو جوان کر دے، کمزور کو توانا کر دے نابینا کو بینا کر دے۔ مغموم کو مسرور کر دے اور بے دم کو تازہ دم کر دے۔ وعلیٰ ہذا القیاس البتہ اس قسم کی اخبار غیبیہ بھی جو چونکہ عام بشری طاقت سے باہر ہیں لہٰذا اس کو معجزہ کہنا بھی بے جا نہیں ہے بلکہ پیشین گوئی بھی معجزہ کی ایک قسم ہے اور مروی ہے کہ جبرئیل نے کہا تھا کہ باپ کی طرف جنت کی قمیص روانہ کر دو کیونکہ اس میں جنت کی خوشبو ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ مصیبت زدہ کی مصیبت دور کرے اور بیمار کو شفایاب کرے کہتے ہیں حضرت یوسف نے قمیص دیتے وقت یہ فرمایا تھا کہ میری قمیص کو وہی لے جائے جو پہلی دفعہ خون میں ملطخ کر کے لے گیا تھا۔ پس یہودا نے کہا کہ وہ میں ہی تھا۔ آپ نے فرمایا بس اب یہ قمیص بھی تم ہی لے جاؤ۔ کیونکہ جس

طرح تم پہلی دفعہ ان کے غمزدہ کرنے کے سبب بنے تھے اب ان کے خوش کرنے کے بھی تم ہی موجب بنو۔ چنانچہ اس خوشی میں یہودا نے سرو پا برہنہ مسافت کو بڑی تیزی سے طے کیا۔ اسّی فرسخ کا راستہ تھا اور اپنے دامن میں سات روٹیاں باندھ کر روانہ ہوا ابھی تک روٹیاں ختم نہیں ہوئی تھیں اور وہ منزل مقصود پر جا پہنچا۔

تفسیر برہان وصافی میں منقول ہے کہ جب عزیز مصر نے آپ کو خط لکھا تھا کہ تیرے ایک بیٹے کو میں نے خرید لیا ہے اور دوسرے بیٹے کو چوری کے الزام میں اپنے پاس قید کر لیا ہے تو آپ کو یہ تحریر بڑی شاق گذری اور اس کا مناسب جواب لکھا تھا جس کا مضمون گذر چکا ہے۔ جب خط روانہ کر چکے تو حضرت جبرئیل کا نزول ہوا اور انہوں نے یہ دعا تعلیم کی۔ یَا مَنْ لَا یَعْلَمُ اَحَدٌ کَیْفَ ھُوَ وَحَیْثُ ھُوَ وَقُدْرَتَہٗ اِلَّا ھُوَ یَا مَنْ سَدَّ الْھَوَاءَ بِالسَّمَاءِ وَکَبَسَ الْاَرْضَ عَلَی الْمَاءِ وَاخْتَارَ لِنَفْسِہٖ اَحْسَنَ الْاَسْمَاءِ اِئْتِنِیْ بِرَوْحٍ مِنْکَ وَفَرَجٍ مِنْ عِنْدِکَ۔ چنانچہ آپ نے اس دعا کو وردِ زبان کیا اور ابھی تک سفیدی صبح نمودار نہیں ہوئی تھی کہ یوسف کی قمیص پہنچ گئی۔ (حضرت یعقوب کے خط روانہ کرنے اور پھر مصر سے قافلہ کے خوش خبری لے کر آنے میں کافی دن خرچ ہوئے۔ پس روایت کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جس شام کو جبرئیل نے دعا تعلیم کی اسی رات طلوع صبح سے قبل بشارت پہنچ گئی۔ (واللہ اعلم)

رکوع نمبر ۵

قصہ۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کو قمیص دے کر روانہ فرمایا اور جونہی حضرت یوسف نے چاندی کی تختی سے تعویذ کو باہر نکالا تو اس کی خوشبو حضرت یعقوب کے مشام میں پہنچ گئی۔ کیونکہ جنت کی خوشبو دنیا میں وہی پا سکتے تھے اور ان کو ہی معلوم تھا کہ قمیص جنت یوسف کے پاس ہے پس فوراً فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اس وقت حضرت یعقوب کے پاس پوتے پڑپوتے اور نواسے وغیرہ موجود تھے جن سے آپ

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْھُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ

اور جب قافلہ (مصر سے) نکلا باپ نے (اولاد سے) کہا تحقیق میں یوسف کی خوشبو

یُوْسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ (۹۴) قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ

محسوس کر رہا ہوں اگر تم مجھے دیوانہ نہ سمجھو کہنے لگے بخدا آپ اپنی پرانی

کلام فرما رہے تھے اور چونکہ ان کو ابتدا ہی سے یہی بات ذہن نشین کرا دی گئی تھی کہ حضرت یوسف کو دوران شکار میں بھیڑیا کھا گیا تھا لہذا وہ حضرت یوسف کی زندگی کا تصور تک نہ کرتے تھے یہی وجہ ہے کہ جب حضرت یعقوب نے فرمایا کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے تو فوراً انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کا غلط خیال ہے اور منقول ہے کہ بادِ صبا نے پروردگار سے اذن طلب کیا تھا کہ بشیر کے پہنچنے سے پہلے میں یوسف کی خوشبو کو یعقوب

تک پہنچا دوں۔ چنانچہ اس کو اجازت مل گئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ بادِ صبا ہر غمزدہ مریض کے لئے پیغام صحت و شفا ہوا کرتی ہے۔

اَلْبَشِیْرُ۔ اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہودا تھا اور بعض نے مالک بن ذعر لکھا ہے۔ قصہ خوان لوگوں میں ایک بات مشہور ہے اور وہ یہ کہ حضرت یوسف کی ماں کا انتقال ہو گیا تو بشیر کی ماں نے یوسف کی رضاعت اپنے ذمہ لی تھی چنانچہ یہ دونو ہم سن اور رضاعی بھائی تھے۔ پھر بشیر ماں سے جدا ہو گیا اور اس کے بعد حضرت یوسف بھی باپ سے جدا ہو گئے تو جس طرح حضرت یعقوب فراق یوسف میں نالہ کرتے تھے اسی طرح وہ بھی فراق بشیر میں پریشان حال تھی اور پھر بزبان نبی یا بذریعہ الہام خدا کا اس سے وعدہ تھا کہ یوسف باپ سے بعد میں ملے گا اور تجھے بشیر پہلے ملے گا چنانچہ جب بشیر خوشخبری لے کر کنعان سے باہر پہنچا تو دیکھا ایک ضعیفہ تالاب پر کپڑے صاف کر رہی ہے اُس نے حضرت یعقوب کے گھر کا پتہ دریافت کیا۔ بڑھیا نے پوچھا کہ تو کون ہے تو اس نے جواب دیا میں حضرت یعقوب کے لئے اس کے بیٹے یوسف کی بشارت لایا ہوں پس فوراً اس ضعیفہ نے سرد آہ کھینچی اور کہا اے پروردگار! تیرا وعدہ سچا ہے یعقوب کو تو یوسف مل گیا لیکن مجھے بشیر نہ ملا۔ یہ سن کر فوراً بشیر نے پہچان لیا اور قدموں پر گر کر عرض کی کہ تیرا بشیر میں ہوں اور خدا نے یعقوب کے فراق کو دور کرنے سے پہلے تیرا فراق دور کر دیا ہے۔ ہمارے ذاکرین کی زبانوں پر بھی یہ قصہ عام ہے لیکن اس وقت جو تفاسیر میرے پاس موجود ہیں ان میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ

غلطی پر قائم ہیں پس جب بشیر آیا اور اُس (قمیص) کو

اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

اس کے منہ پر ڈالا تو وہ بینا ہو گئے فرمایا میں کہتا نہیں تھا تمہیں

لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا

کہ میں اللہ کی جانب سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے کہنے لگے

یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ ﴿۹۷﴾

اے ابا جان! ہمارے لئے بخشش کی دعا کرو گناہوں کی کہ ہم خطاکار ہیں۔

تفسیر صافی میں ہے کہ جب بشیر نے وہ قمیص حضرت یعقوب کے منہ پر رکھی تو وہ فوراً بینا ہو گئے۔ آپ نے دریافت کیا بن یامین کہاں ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ صحیح و سالم اپنے بھائی یوسف کے پاس موجود ہے پس

حضرت یعقوب نے شکر پروردگار ادا کیا اور سجدۂ شکر بجا لائے۔ چنانچہ بصارت ٹھیک ہو گئی۔ کبڑا پن ختم ہوا اور کمر سیدھی ہو گئی۔ بچے اور پوتے جو اس سے پہلے آپ کو غلطی کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ انہوں نے فوراً معافی مانگ لی اور توبہ کر لی۔

حضرت یعقوب نے بیٹے کی خوشخبری سنتے ہی حکم دیا کہ آج ہی مصر کی طرف روانگی کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ پورا خاندان فوراً تیار ہو گیا۔ مستورات میں حضرت یوسف کی خالہ بھی موجود تھی جو حضرت یوسف کی والدہ کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی۔ خوشی و شادمانی سے یہ سفر انتہائی تیزی سے طے کیا گیا۔ حتیٰ کہ مصر پہنچنے میں نو دن صرف ہوئے۔ تفاسیر میں حضرت یوسف کی بہنوں کا تذکرہ میں نے نہیں دیکھا، ہاں اس قدر ہے کہ مصر میں داخل ہونے والا حضرت یعقوب کا خاندان ۷۲ نفوس پر مشتمل تھا جن کی تعداد حضرت موسیٰ کے زمانہ تک ۶ لاکھ سے بھی کچھ زائد ہو گئی اور یعقوب کا نام ہی اسرائیل تھا لہٰذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا۔ حضرت یعقوب کے بیٹوں نے باپ سے درخواست کی کہ ہمارے لئے اللہ سے بخشش طلب کیجئے۔ آپ نے فرمایا میں دعا مانگوں گا اس سے مراد وقت سحر یا شب جمعہ کا وعدہ تھا چنانچہ آپ نے دعا کی اے پروردگار! ان کا گناہ ان کے اور میرے درمیان محدود ہے تو ان کو بخش دے تو خدا کی وحی ہوئی کہ میں نے ان کو بخش دیا ہے (اور حضرت یوسف اس سے پہلے معاف کر چکے تھے) اور تفسیر مجمع البیان میں منقول ہے کہ بیس برس سے زیادہ عرصہ تک حضرت یعقوب ہر شب جمعہ اولاد کی بخشش کی دعا مانگتے رہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ قیام فرماتے تھے اور سب فرزند صف بستہ پیچھے کھڑے ہو جاتے تھے پس آپ دعا کرتے تھے اور ساری صف آمین کہتی تھی اور بیس سال تک یہ استغفار و دعا کا سلسلہ جاری رہا تب ان کی توبہ کی مقبولیت کی اطلاع آئی۔

مصر میں داخلہ

فَلَمَّا دَخَلُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ حضرت یوسف نے جب بشیر کو روانہ کیا تھا تو دو سو اونٹ اور سفر کے لئے دیگر ہر قسم کا ضروری سامان بھی ساتھ بھیجا تھا تاکہ آتے ہوئے انہیں کسی قسم کی تکلف نہ ہو اور یہ عرض کیا تھا کہ آپ خاندان کے جمیع افراد کے ساتھ تشریف لائیں۔ چنانچہ جس دن بشیر پہنچا اسی دن واپسی ہوئی اور حضرت یعقوب معہ خاندان روانہ ہوئے۔ طے منازل کے بعد نویں دن جب قریب مصر پہنچے اور حضرت یوسف کو اطلاع

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ
فرمایا عنقریب تمہاری بخشش کی اللہ سے دعا کروں گا کہ تحقیق وہ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ
بخشنے والا مہربان ہے پس جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے

ملی تو لاؤ لشکر سمیت حضرت یوسف استقبال کیلئے باہر تشریف لائے۔ اس وقت آپ شاہانہ لباس میں ملبوس شاہانہ تاج سر پر رکھے ہوئے شاہانہ سواریوں پر سوار شاہانہ کج دھج شاہانہ شان و شوکت سے شاہی فوج کے ہمراہ جو برآمد ہوئے۔ حسن واقعی کے ساتھ حُسنِ ظاہر بھی ہمرکاب تھا یعنی حُسنِ بخت و راج اور حُسنِ تخت و تاج بھی حسن یوسف کے مصاحبین میں سے تھے۔ گویا جمال یوسف اپنی بھرپور جوانی کے ساتھ جلال حکومت کے سنگار میں خوب نکھرا ہوا تھا۔ یا یوں سمجھئے کہ حُسنِ یوسف کو حسنِ ظاہری کے چار چاند لگے ہوئے تھے۔ باپ کی نظر اُٹھی۔ پر شکوہ پر کیف اور پر حسن منظر دیکھ کر ہشاش بشاش چہرہ کے ساتھ بیٹوں کی طرف دیکھا اور پوچھا اے یہودا۔ کیا یہ فرعونِ مصر ہے؟ (مصر کے بادشاہ کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا) یہودا نے جواب دیا یہ آپ کا نور نظر لخت جگر یوسف ہے جو آپ کے استقبال کے لئے حاضر ہوا ہے (اندازہ کیجئے فراق کتنا پر درد تھا اور وصال کتنا پر کیف ہے۔ پس حضرت یعقوب کے مصائب کا وسیع و عریض سمندر انتہائی ڈراؤنی پرخطر اور پرپیچ طوفانی لہروں کے ساتھ ختم ہوا اور پُر لطف و پُر کیف ساحل وصال پر حضرت یعقوب نے نہایت سرور انبساط کے ساتھ قدم رکھا۔ خدا جانے گرداب مصائب میں آیا ہوا آلِ محمد کا سفینہ ظلم و تشدد کی طوفانی موجوں اور ظلماتی تھپیڑوں سے کب نکلے یقیناً جب آل محمد کا قائم آئے گا اور حجت اللہ ظہور فرمائے گا تو جور و استبداد کا دور ختم ہو گا اور ظلماتی تلاطم کے بعد نورانی ساحل پر آل محمد کی کشتی پہنچے گی پس مومن خوشی کی سانس لیں گے اور دشمنانِ دین دم بخود ہو کر بے دم ہوں گے۔

جب حضرت یوسف قریب پہنچے سواری سے اُترنے کا ارادہ کیا لیکن شاہانہ آن بان کو برقرار رکھتے ہوئے نہ اُترے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب سواری سے اُتر پڑے تھے اور بوقت ملاقات سلام کی ابتدا بھی حضرت یعقوب نے فرمائی تھی۔ تفسیر صافی میں بروایت علل منقول ہے باپ بیٹا ایک دوسرے کے گلے ملے اور ابھی تک حضرت یوسف الگ نہیں ہوئے تھے کہ جبریل نے پہنچ کر کہا تیرے لئے صدیق باپ سواری سے پیدل ہوا ہے اور تم اس کی عزت افزائی کے لئے پیدل نہیں ہوئے ہاتھ نکالو چنانچہ جب انہوں نے ہاتھ باہر کیا تو ایک نور ساطع ہوا جو آسمان کی طرف چلا گیا حضرت یوسف نے پوچھا اے جبریل یہ نور کیا تھا؟ تو جواب دیا کہ یہ نورِ نبوت تھا جو تجھ سے لے لیا گیا ہے۔ اب تیری نسل میں قیامت تک کوئی نبی نہیں ہو گا کیونکہ تم باپ کی تعظیم کے لئے سواری سے نہیں اُترے۔ اور مروی ہے کہ اسی وجہ سے نبوت کا نور لاوی کی پشت میں رکھا گیا جس نے بھائیوں کو حضرت یوسف کے قتل سے منع کیا تھا پس خدا کو اس کا یہ فعل پسند آیا چنانچہ بنی اسرائیل کے سب انبیاء اسی لاوی کی نسل سے ہیں اور حضرت موسٰے بھی اسی لاوی کی اولاد سے ہیں۔ موسیٰ بن عمران بن یصہر بن داہث بن لاوی اور حضرت یوسف کے پیدل نہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ آپ نے دل میں خیال کیا کہ لمبے فراق اور طویل جدائی کے صدمات جھیلنے کے بعد جب مجھے وہ شاہانہ شکوہ کے ساتھ دیکھیں گے تو ان کا دل زیادہ خوش ہو گا اور

اور زخمِ الم بہت جلد مندمل ہو گا اور بعض روایات میں اس امر کی جانب اشارہ بھی موجود ہے ورنہ ناممکن ہے کہ ازراہِ تکبر و غرور سواری سے نہ اُترے ہوں کیونکہ یہ چیز عام لوگوں کے لئے ناقابلِ برداشت غلطی ہے چہ جائیکہ نبی معصوم ایسی گری ہوئی باتوں کا مظاہرہ کریں۔ حاشا وکلّا۔ اور اگر یہ بات ازراہِ تکبر ہوتی تو صرف نورِ نبوت پشت سے سلب نہ ہوتا بلکہ خود بھی نبی نہ بنتے اور ایسے حالات میں حضرت یعقوبؑ بھی ان کو پسندیدہ نگاہوں سے نہ دیکھتے پس یہ ترک اولیٰ تھا۔

کتب تفاسیر میں مجمع البیان و برہان وغیرہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا بیٹا! مجھے سناؤ کہ بھائیوں نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ حضرت یوسفؑ نے عرض کی ابا جان! مجھے اِس بات سے معاف کیجئے تو حضرت یعقوب نے قسم دے کہ کہا کہ تم کو سنانا پڑے گا۔ پس حضرت یوسفؑ نے اپنا ماجرا دُہرایا جب کنوئیں کے ذکر تک پہنچے اور کہا کہ مجھے بھائیوں نے کنوئیں کے کنارہ پر بٹھا کر قمیص اتارنے کو کہا تھا اور میں نے معذرت چاہی تھی اور باپ یعقوبؑ کی ذات کا واسطہ دیا تھا کہ مجھے ننگا نہ کرو، تو فلاں بھائی نے چھُرا بلند کر کے دھمکی دے کر قمیص اتارنے کو کہا تھا پس ان الفاظ کا سننا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کی چیخ نکلی اور غش کھا کر گر گئے پھر افاقہ ہُوا تو فرمایا ہاں بیٹے سناؤ پھر کیا ہوا؟ آخر کار حضرت یوسفؑ نے اسمٰعیل و اسحٰق و ابراہیم کے پروردگار کا واسطہ دے کر معافی چاہی اور حضرت یعقوبؑ نے اصرار ترک کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف نے عرض کی کہ بابا جان مجھ سے بھائیوں کا سلوک نہ پوچھئے بلکہ رحمتِ پروردگار کا سلوک دریافت کیجئے

اٰوٰی اِلَیْہِ اَبَوَیْہِ

(۹۹) اٰوٰی اِلَیْہِ اَبَوَیْہِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ

اپنے پاس ٹھہرایا اپنے ماں باپ کو اور کہا (شہر میں داخل ہونے سے پہلے) کہ داخل ہو مصر میں اگر اللہ چاہے با امن ہو کر

یعنی جب حضرت یعقوبؑ پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ حضرت یوسف کی والدہ کا چونکہ انتقال ہو چکا تھا لہٰذا تثنیہ کے استعمال کی کئی وجوہ بیان کی گئی ہیں

۱۔ خالہ پر ماں کا اطلاق کیا گیا جس طرح اس کی نظیر چچا پہ باپ کا اطلاق ہوا کرتا تھا (۲) چونکہ حضرت یعقوب کے نکاح میں تھی اس لئے وہ سوتیلی ماں تھی لہٰذا مجازاً اس پر ماں کا اطلاق درست ہے (۳) بعض کہتے ہیں، کہ حقیقی ماں زندہ تھی لہٰذا والدین کا اطلاق صحیح ہے (۴) حضرت یوسفؑ کے خواب کی صحیح تعبیر کے لئے اس کی ماں کو دوبارہ زندہ کر دیا گیا تھا (مجمع البیان)

اُدْخُلُوْا مِصْرَ :- یہ لفظ حضرت یوسف نے داخلۂ مصر سے پہلے کہے تھے۔ لہٰذا آیت میں تقدیم و تاخیر ہے اور امن کی قید اس لئے زیادہ کی گئی ہے کہ اس زمانہ میں فراعنۂ مصر کا گرد و نواح کی حکومتوں پر رعب چھایا ہوا تھا

لہٰذا مصری حکومت ہی کسی فرد یا خاندان کے امن کو چیلنج کر سکتی تھی اور جو مصری حکومت کی طرف سے امن حاصل کر لیتا تھا اس کو کسی دوسری حکومت کا خطرہ نہ رہتا تھا۔

منقول ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی کل عمر ۱۴۷ برس تھی مصر میں جب آئے تو اس وقت ۱۳۰ برس عمر تھی پس ۱۷ برس حضرت یوسف کے پاس رہ کر دارِ فانی سے عالم جاودانی کی جانب رحلت فرمائی بعض کہتے ہیں کہ ۲۴ برس مصر میں رہ کر فوت ہوئے اور زمین شام میں دفن کئے گئے۔ ساگوان کے صندوق میں رکھ کر ان کو بیت المقدس کی طرف نقل کیا گیا۔ ان کے بھائی عیصو کا بھی اسی دن انتقال ہوا۔ یہ دونوں ایک ہی دن جوڑے پیدا ہوئے تھے اور ایک ہی روز فوت ہوئے اور ایک جگہ دفن کئے گئے اور اسی لئے یہودی لوگ کوشش کر کے اپنے مُردوں کو بیت المقدس کی طرف لے جا کر وہاں دفن کرتے ہیں۔ حضرت یوسف باپ کی وصیت کے ماتحت حضرت یعقوبؑ کو بیت المقدس میں دفن کر کے واپس مصر تشریف لائے اور ۲۳ برس بعد میں زندہ رہ کر فوت ہوئے اور یہ بنی اسرائیل کے پہلے نبی ہیں اور انہوں نے بھی وصیت کی تھی کہ مجھے اپنے آبار طاہرین علیہم السّلام کے پہلو میں دفن کیا جائے چنانچہ وہاں دفن ہوئے اور بعض لوگ ان کے مصر میں دفن ہونے کے قائل ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے بحکم پروردگار ان کی میت کو نکال کر بیت المقدس میں حضرت یعقوب کے پہلو میں جا دفن کیا۔ (مجمع البیان)

ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے آپ ۱۲ برس کی عمر میں قید ہوئے۔ ۱۸ برس کے بعد ۳۰ برس کی عمر میں رہا ہوئے پھر ۸۰ برس زندہ رہ کر ۱۱۰ برس کی عمر میں فوت ہوئے (مجمع)

سجدہ تعظیمی۔ وَخَرُّوْا لَهٗ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کا باہمی سلام سجدہ کرنا یا جھکنا یا سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جانا تھا۔ چنانچہ قتادہ سے یہی مروی ہے۔ اور ان کی شریعت میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی ممنوع نہیں تھا۔ لیکن خداوند کریم نے اُمتِ اسلامیہ کو سجدہ تعظیمی کرنے جھکنے اور ہاتھ باندھنے کے عوض میں سلام عطا فرمایا اور یہی اہلِ جنّت کا طریقہ ہے بعض کہتے ہیں کہ اس زمانہ کا سجدہ تعظیمی رکوع کی مثل ہوا کرتا تھا جیسا کہ ایرانیوں کا بادشاہوں کے لئے جھکنے کا دستور چلا آ رہا ہے۔

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بلند کیا اور وہ اس کی تعظیم کے لئے جھکے

وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ

اور کہا اے بابا جان! یہ تعبیر ہے میرے پہلے خواب کی

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا نے ان کے فراق کو نعمتِ وصال سے بدل دیا۔ پس

اس نعمتِ عظمٰی کے ملنے پر یعقوب و اولاد یعقوب سب نے مل کر سجدۂ شکر پروردگار ادا کیا اور لَہٗ میں ضمیر غائب کا مرجع اللہ ہے (مجمع البیان)

نیز اسی تفسیر میں مروی ہے۔ ایک دفعہ یحییٰ بن اکثم نے حضرت امام محمد تقی علیہ السّلام کے شہزادے حضرت موسٰے بن محمد سے چند مسائل پوچھے جن کو انہوں نے اپنے بھائی امام علی نقی علیہ السّلام سے دریافت کیا اور آپ نے جوابات عنایت فرمائے ان میں سے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ کا سجدہ کیسا تھا؟ حالانکہ وہ انبیاء تھے؟ آپ نے فرمایا یہ یوسف کا سجدہ نہیں تھا بلکہ اللہ کا سجدہ تھا اور یوسفؑ کا وقار ظاہر کرنا مقصود تھا جیسا کہ فرشتوں کا سجدہ اللہ کے لئے تھا اور حضرت آدم کا وقار ظاہر کرنا مطلوب تھا۔ پس حضرت یعقوب اور اس کی جملہ اولاد حتّٰی کہ حضرت یُوسف نے بھی وصال کی نعمت عظمٰی پر پروردگار کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ادا کیا۔

بعض جاہل لوگ نادانستہ طور پر اپنے غلط سلط عقائد کو عوام پر مسلط کرنے کے لئے آیات متشابہات کا سہارا لیتے ہیں چنانچہ اہل بیت طاہرین علیہم السّلام کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز کہہ کر یعقوبؑ و اولادِ یعقوبؑ کا سجدہ یوسفؑ کے لئے اور ملائکہ کا سجدہ آدمؑ کے لئے بطور استشہاد پیش کرتے ہیں پس اس طریقہ سے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور

قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۖ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ

تحقیق اس کو پروردگار نے سچا کیا اور مجھ پر احسان فرمایا جب اس نے مجھے قیدخانہ سے

السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ

نکالا اور آپ کو دیہات سے یہاں لایا بعد اس کے کہ کود پڑا شیطان میرے اور

بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

میرے بھائیوں کے درمیان تحقیق میرا پروردگار لطف کرتا ہے جیسا چاہے اور تحقیق وہ

خداوند کریم قرآن مجید میں ہی کسی مقام پر ارشاد فرماتا ہے کہ شرک کے علاوہ جملہ گناہ بخشے جا سکتے ہیں لیکن اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ تحقیق خدا شرک کے گناہ کو ہرگز نہیں بخشتا دوسرے مقام پر فرمایا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ۔ تحقیق شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ میرے بیان سے اس شبہ کا صحیح حل معلوم ہو چکا ہے کہ فرشتوں اور یعقوبؑ و اولادِ یعقوبؑ کا سجدہ اللہ کے لئے ہی تھا جس طرح تمام مسلمانوں کو کعبہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے کا حکم ہے حالانکہ سجدہ کعبہ کا نہیں ہوتا بلکہ سجدہ اللہ کا ہوتا ہے اور کعبہ بحیثیت قبلہ کے تصور کیا جاتا ہے ورنہ اگر کوئی شخص کعبہ کی طرف منہ کر کے کعبہ کا ہی سجدہ کرے تو وہ مشرک ہوگا اور مروی ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا اگر کسی کے لئے سجدہ تعظیمی جائز ہوتا تو سب سے

پہلے ہی عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔

اسی بنا پر عتبات عالیات کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کے بعد دو رکعت نماز ہدیہ یا کوئی دوسری نماز دائیں یا بائیں ہو کر پڑھنی مستحب ہے تاکہ قبور کی طرف منہ کر کے سجدہ کرنے سے غیر اللہ کے سجدہ کا شبہ تک پیدا نہ ہو اب اندازہ کیجئے کس قدر دریدہ دہن ہیں وہ لوگ جو آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات سے کنارہ کشی کر کے عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں پھنسا کر ابلیس کی نیابت کرتے ہوئے لوگوں کو شرک کی تعلیم دیتے ہیں اور پھر اس قسم کی آیات کا سہارا لیتے ہیں جن کی آئمہ نے تشریح و وضاحت فرمائی ہے کہ یہاں غیر اللہ کا سجدہ مراد نہیں ہے اور ہم نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں بھی اس موضوع پر حسب ضرورت روشنی ڈالی ہے۔

یہ لوگ اہل بیت عظام علیہم السلام کو خوشامد پسند خیال کرتے ہیں، حالانکہ ایسی فضول اور بیہودہ باتوں سے آئمہ قطعاً خوش نہیں ہوتے ان کی خوشی و رضامندی اس میں ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور ان کے احکام کی صحیح طور پر پاسداری کی جائے۔ مشرکانہ عقائد کی ترویج نہ دین کی خدمت ہے اور نہ آئمہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ پس اللہ کے علاوہ کسی کا سجدہ جائز نہیں ہے نہ عبادتی نہ تعظیمی اور یقیناً غیر اللہ کا سجدہ خواہ نبی کے لئے ہو خواہ ولی کے لئے ہو شرک ہے خداوند کریم تمام مومنین کرام کو اس سے محفوظ رکھے۔

تعبیر خواب

هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ ۔ ملحد و بے دین لوگ جو وجود باری کے قائل نہیں اور کائنات ظاہری کو صرف مادہ و طبیعت کی پیداوار سمجھتے ہیں۔ پھر اس عالم کے علاوہ کسی دوسرے عالم کو وہ تسلیم نہیں کرتے۔ حقیقتِ خواب اور تعبیرِ خواب پر نظرِ غائر ڈالنے سے ان کے دجل و فریب اور مکر و غدر کی قلعی خوب کھلتی ہے۔ پس عالم کے مدبر حکیم اور خالق عظیم پروردگار عالمین کے وجود اور اس کی قدرت و حکمت و صنعت کا اعتراف کئے بغیر کوئی ذی ہوش نہیں رہ سکتا۔ دیکھئے خواب کا وجود اور اس کی تعبیر کا اس کے مطابق ہونا اس بات کا غماز ہے کہ اس عالم ظاہری و مادی کے پس پشت ایک عالم باطنی و روحانی موجود ہے اور جس طرح اس عالم ظاہری میں اشیاء کے حقائق موجود ہیں اُس عالم باطنی و روحانی میں بھی انہی حقائق کی تصاویر موجود ہیں۔

عالمِ خواب میں جب رُوحِ انسانی قفسِ عنصری کی قیود سے تھوڑا سا آزاد ہوتا ہے تو عام بیہودہ تخیلاتی شہواتی جذباتی و خواہشاتی اچھے یا بُرے بے حقیقت مناظر کی سیر کرتے کرتے بعض اوقات مذکورہ بالا عالم باطنی و روحانی کی سیر پر بھی موفق ہو جاتا ہے پس بے ہودہ و لاابالی قسم کے لوگ بالعموم بیہودہ تخیلات و بے حقیقت مناظر میں الجھے رہتے ہیں اور کبھا کبھی ان کو عالم روحانی کی سیر کا اتفاق ہوتا ہے لیکن سلجھے ہوئے نیک و صالح لوگوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے وہ بالعموم عالم روحانی کے مناظر کی تصاویر دیکھتے ہیں اور شاذ و نادر قسم اول کے بیہودہ خیالات کا منظر بھی ان کے سامنے آتا ہے جس کو اضغاث احلام سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے بُرے خیالات

لے کر اور پیٹ بھر کر نیز بجنب وگندے جسم غلیظ بستر و لباس اور ناپاک جگہ میں سونا بالعموم خواب میں بیہودہ خیالات کے مناظر کا باعث ہوتا ہے اور اس کے برخلاف کم کھانا پاک وصاف جسم اچھا بستر ستھرا لباس پاکیزہ مکان وماحول اور اچھے خیالات وجذبات عالم باطنی وروحانی کی سیر کے موجبات میں سے ہیں اسی بنا پر حدیث نبوی میں بھی وارد ہے کہ مومن کا خواب نبوت کا ۴۶ حصہ ہے اس سلسلہ کی متعدد احادیث ہم نے تفسیر کی دوسری جلد میں یا علی مدد کے تحت با حوالہ درج کی ہیں۔

میں نے عرض کیا ہے کہ عالم باطنی اسی عالم ظاہری کا عکس ہے اور اس کے حقائق اس عالم ظاہری کے حقائق کی تصاویر کی حیثیت رکھتے ہیں پس نفوس قدسیہ کے سامنے وہ تصاویر بالکل صاف وشفاف ہوتی ہیں جن کی بدولت خواب دیکھنے والا خود بڑی آسانی سے اُس مطلب ومقصد کو سمجھ سکتا ہے اور جو نفوس علائق شہویہ ونفسیہ میں کسی قدر مبتلا ہوں ان کے سامنے حقائق ظاہریہ کی تصاویر دھندلی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں جس کا مقصد وہ خود نہیں سمجھ سکتا پس مقصد جاننے سمجھنے کے لئے کسی باخبر سے دریافت کیا جاتا ہے مثلاً حضرت ابراہیمؑ کا خواب اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُكَ ۔ یعنی اے بیٹا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں ۔ یہ عالم واقعی کی بالکل صاف تصویر تھی اور اس کی تعبیر یہی تھی کہ بیٹے کو ذبح کرنا ہے اور ایسا خواب وحی الٰہی سے تعبیر ہوتا ہے ۔ اسی طرح حضرت یوسف کا خواب کہ سورج چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ ریز ہیں یہ بھی تقریباً تقریباً واقع کی صاف تصویر ہے جس کی تعبیر ہر ذی فہم معلوم کر سکتا ہے اسی بنا پر تو حضرت یعقوب نے فرمایا بیٹا یہ خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ ۔ یعنی خواب کی تصویر اس قدر صاف ہے کہ بھائی سنتے ہی اس کی تعبیر جانتے ہوئے تجھ سے حسد کرنے لگیں گے ۔ اب ان خوابوں کے مقابلہ میں زندان کے دو قیدیوں کا خواب دیکھئے ایک نے کہا میں خواب میں انگور کا شراب کشید کر رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں سر پر روٹی کا طبق اٹھائے ہوئے ہوں کہ اس سے پرندے بھی کھا رہے ہیں یہ واقع کی دھندلی تصویریں ہیں جن کا صحیح مقصد حضرت یوسف کے علاوہ کوئی نہ جان سکتا تھا اسی طرح بادشاہ کا خواب کہ سات موٹی گائیوں کو دبلی گائیوں نے کھا لیا اور سات سرسبز خوشوں پر خشک خوشے غالب آ گئے یہ بھی واقع کی دھندلی تصویر تھی جس کو صرف حضرت یوسف ہی حل کر سکتے تھے ۔

چونکہ خواب کے مناظر عالم ظاہری کی تصاویر ہیں لہذا بعض اوقات گذشتہ واقعات کا فوٹو سامنے آتا ہے جس کی تعبیر کی انتظار بے کار ہے اور بعض اوقات زمان حال کی تصویر کشی ہوتی ہے جس کی تعبیر فوری ظاہر ہوا کرتی ہے اور تعبیر ظاہر ہونے کے بعد انسان خود ملتفت ہوتا ہے کہ یہ وہی ہے جو میں خواب میں دیکھ چکا ہوں چنانچہ میری والدہ ماجدہ سلمہا اللہ نے خواب میں دیکھا کہ میرے بھتیجے اپنے باپ کی قبر کو کھودتے ہیں ۔ پس فلق د

اضطراب سے بیدار ہوئیں دن ہوا تو معلوم ہوا کہ باپ نے بڑی محنت شاقہ اور کدو کاوش سے جو مکان بنایا تھا۔ بیٹے اس مکان کی چھت اکھیڑنے کے لئے آگئے اور ملبہ اتار کرلے گئے انہوں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ میرے رات والے خواب کی تعبیر ہے اور بعض اوقات خواب میں زمانۂ مستقبل کے حقائق کی تصویریں سامنے آتی ہیں خواہ مستقبل قریب ہو یا بعید نیز بعض خوابوں میں مستقبل زمانہ کی حدود کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے جیسے سات موٹی گائیوں میں سات کا عدد سات سال بتاتا ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن بعض اوقات زمانہ مستقبل کی تحدید کی طرف کوئی اشارہ نہیں ہوتا جس طرح حضرت یوسفؑ کا خواب کہ شمس و قمر اور گیارہ ستارے سجدہ کر رہے ہیں اس کی تاویل ۸۰ یا ۷۰ یا ۴۰ برس کے بعد ظاہر ہوئی باختلاف روایات (مجمع البیان)

بہرکیف اس میں شک نہیں کہ خواب میں عالم باطنی کے مناظر سے دوچار ہونا صرف مومن سے مخصوص نہیں بلکہ ہر فرد کم وبیش اس سے بہرہ ور ہوا کرتا ہے اور اس کی تعبیر بھی عالم ظہور میں منظرِ عام پر آجایا کرتی ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس عالم ظاہری کے علاوہ ایک عالم باطنی موجود ہے جس میں عالم ظاہری کے گذشتہ و حالیہ واستقبالیہ حقائق کی تصاویر موجود ہیں جو من وعن ان سے تطبیق رکھتی ہیں کیونکہ آنے والے واقعات کا قبل از وقت دیکھ لینا ان کے وجودِ مثالی کو ثابت کرتا ہے۔

پس جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ عالم ظاہری خود بخود اسباب وعلل کی پیداوار ہے اور مادہ وطبیعت کی کارستانیوں کا نتیجہ ہے اُن سے یہ دریافت کیا جائے کہ عالم باطنی کی تصاویر مجردہ جن کو روحِ انسانی قیودِ عناصر سے مجرد ہو کر دیکھتی ہے اور ان کی تعبیر و تاویل ایک وقت کے بعد منظرِ عام اور منصۂ شہود پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس کا سبب وعلت کون ہے اور اس کی ایجاد و تخلیق میں کس قوت کا ہاتھ ہے تو ماننا پڑے گا کہ ایک قوت قاہرہ موجود ہے جو مادہ و طبیعت سے مافوق اور علل واسباب سے بے نیاز ہے اور جس طرح عالم باطنی روحانی اس کی تخلیق کا کرشمہ ہے اسی طرح عالم ظاہری بھی اُسی کی قدرت کاملہ اور حکمت شاملہ سے معرض وجود میں آیا ہے۔ اگر ملحد و بے دین لوگ خوابوں کو خرافات سے تعبیر کریں تو یہ ان کی حماقت کی دلیل ہے اور اس کو جھٹلانا ایسا ہے جیسے رابعۃ النہار پر سورج کے وجود کا انکار کیا جائے۔

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ یہ عالم ظاہری دواقعی عالم آخرت (قیامت) کے مقابلہ میں خواب کی دنیا ہے جیسے کہ حضرت امیر علیہ السّلام سے منقول ہے۔ اَلنَّاسُ نِیَامٌ اِذَا مَاتُوْا انْتَبَهُوْا۔ یعنی لوگ خوابِ غفلت میں سوئے پڑے ہیں جب مریں گے تو جاگیں گے اور یقیناً میدانِ محشر میں اس دنیاوی زندگی کا تصور ایک خواب معلوم ہوگا۔ اور آخرت میں جنت یا دوزخ اس ظاہری دنیاوی زندگانی کے اعمال کی تعبیریں ہیں۔ پس نیک اعمال کی تعبیر جنت ہے اور بداعمالیوں کی تعبیر جہنم ہے۔ البتہ خواب میں انسان بے اختیار ہوتا ہے اور جن مناظر کو وہ

دیکھتا ہے اس کی تعبیر تہراً اس کے سامنے آتی ہے اگر تعبیر ناپسندیدہ ہو تو اپنے خواب کو ملامت نہیں کر سکتا کیونکہ خواب دیکھنے میں بے اختیار تھا پس یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش میں نے وہ خواب نہ دیکھا ہوتا لیکن یہ عالم ظاہری جو عالم واقعی کے مقابلہ میں خواب کی حیثیت رکھتا ہے اس میں انسان بے اختیار نہیں لہٰذا اچھی تعبیر یعنی نیک جزا حاصل کرنے میں اس کو پورا اختیار حاصل ہے اور بُری تعبیر یعنی دوزخ سے بچنے کے لئے بداعمالیوں سے کنارہ کشی پر اس کو قدرت و اختیار حاصل ہے پس جس طرح بروز محشر اچھی جزا ملنے پر دنیا میں اپنی نیک اعمالیوں پر خوش ہوگا اسی طرح بُری جزا جہنم دیکھنے پر وہ دنیاوی بداعمالیوں پر پچھتائے گا اور اپنے آپ کو ملامت کرے گا کہ کاش دنیاوی چند روزہ زندگی میں ایسے کام نہ کئے ہوتے جن کی سزا جہنم ہے خداوند کریم مجھے میرے والدین و افراد خاندان و جملہ مومنین کو بداعمالیوں سے بچائے اور نیک اعمال پر موفق فرمائے تاکہ بروز محشر پچھتانے کی بجائے خوش و خرم محمد و آل محمد کے زیر سایہ جنت الفردوس میں دائمی پُر سرور پُر کیف و پُر لطف زندگی سے ہمکنار ہو کر شکر پروردگار ادا کریں ۔ آمین۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ :۔ حضرت یوسف علیہ السّلام نے باپ سے اپنے حالات بیان کئے اور کہا کہ یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو بچپن میں دیکھا اور خدا نے اس کو سچا کیا اور اس کے بعد احسانات پروردگار بیان کئے کہ اس نے مجھے زندان سے نکالا اور آپ لوگوں کو دیہاتی تکلیف دہ زندگی سے نکال کر مصر میں آباد کیا اب حضرت یوسف نے زندان سے آزادی کو نعمت پروردگار بیان کیا لیکن کنوئیں سے نکلنے کو نہ شمار کیا تاکہ بھائیوں کی دل آزاری نہ ہو اور باپ کے سرور و انبساط میں فرق نہ آئے ۔ یہ حضرت یوسف کا اندازِ بیان انتہائی اخلاقِ کریمانہ کا غماز ہے۔

حق اور صداقت میں فرق

وہ بات جو واقع کے مطابق ہو اس کو صدق کہا جاتا ہے اور وہ بات جس کی واقع مطابقت کرے اس کو حق کہا جاتا ہے۔ پس صدق میں ضروری ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہوتا کہ بعد میں ہونی بات اس کے مطابق ہو کر سچ کہلائے لیکن حق میں ضروری نہیں ہے کہ واقعہ پہلے موجود ہو پس واقعہ پہلے موجود ہو اور بات کی مطابقت کرتا ہو تو وہ بات صدق بھی ہوگی اور حق بھی ہوگی لیکن بات سے پہلے واقعہ موجود نہ ہو تو بعد میں ہونے والا واقعہ جو بات کے مطابق ہو اس کے لحاظ سے بات کو حق سے تعبیر کیا جائے گا۔ پس حق اور صدق میں تساوی کی نسبت نہیں بلکہ عام و خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی جو صدق ہوگا وہ حق ضرور ہوگا لیکن جہاں حق کا اطلاق ہوگا ضروری نہیں کہ وہاں صدق بھی استعمال ہو سکے غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر جناب رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ کے حق میں فرمایا تھا عَلِیٌّ مَعَ الْحَقِّ وَالْحَقُّ معہ یدور الحقّ حیثما دار ۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے ۔ حق اسی طرف ہوتا ہے جس طرف علی ہو ۔ کیونکہ صدق کا تعلق واقعہ ماضیہ سے ہوتا ہے اور حق کا تعلق ماضی و حال و مستقبل ہر زمانہ سے ہوا کرتا ہے ۔ پس حق کا درجہ صدق سے بلند ہے اسی بنا پر صدیقہ کبریٰ کا بچوں کو کہنا کہ لباس درزی

کے پاس ہے حق تھا جس کی تصدیق رضوان نے در دولت پر پہنچ کر دی۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ۔ حضرت یوسف کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی زخم فراق مندمل ہوئے اور زندگی کے پُرکیف دور سے ہمکنار ہوئے اپنے والدین کو اپنے پاس تخت حکومت پر جگہ دی اور باپ سے گلے مل کر خوشی سے رو دیئے۔ اس کے بعد دولت سرا میں جا کر سرمہ کیا تیل لگایا۔ بدن و لباس کو خوشبو کیا۔ بالوں کو کنگھی سے آراستہ کیا اور شاہانہ پوشاک زیب تن کر کے سریر آرائے مملکت ہوئے والدین اور بھائیوں نے یوسف کے بخت و اقبال کے سامنے گردنیں جھکا دیں اور شکر پروردگار میں سجدہ ریز ہوئے جس کا تذکرہ گذر چکا ہے۔ اور منقول ہے کہ جدائی کے لمبے چوڑے عرصہ میں حضرت یوسف نے کبھی تیل سرمہ اور خوشبو سے اپنے آپ کو آراستہ نہیں کیا تھا اور اگرچہ شادی کر چکے تھے اور صاحب اولاد بھی ہو چکے تھے لیکن لذائذ دنیاویہ سے کوئی دلچسپی نہیں تھی دل ہر وقت مغموم اور طبیعت اداس رہا کرتی تھی اب جو میل و ملاقات کا دور آیا، غم کی گھڑیاں گئیں۔ خزاں کا موسم ختم ہوا اور بہار شروع ہوئی تو دل و دماغ پر اس دل آفریں روح پرور انقلاب نے اپنا اثر دکھایا۔ پس اپنے جلال شاہی اور جمال

الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ	(۱۰۰)	رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ	
جاننے والا اور حکمت والا ہے		اے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور تو نے مجھے	
وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ			
خوابوں کی تعبیر کا علم دیا اے آسمانوں اور			
الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا			
زمین کے خالق تو میرا ولی ہے دنیا اور آخرت میں مجھے موت دے بحالت اسلام			

ذاتی کو دوبد بڑ ظاہر اور حسن باہر سے خوب نکھارا۔ عدل و انصاف امانت و دیانت حلم و حوصلہ اور علم و خلق وغیرہ اوصاف حمیدہ کی پہلے سے کوئی کمی نہ تھی پس حضرت یوسف کی شاہنشاہت کی دھاک بندھ گئی اور تمام خاندان کے مجموعی و انفرادی مصائب دم توڑ کر ختم ہو گئے۔ حضرت یوسف شکر خداوندی میں رطب اللسان ہوئے اور یہ ان کی مناجات کے الفاظ ہیں جو قرآن حکیم بیان فرما رہا ہے۔

زلیخا سے شادی تفسیر صافی میں بروایت قمی حضرت امام علی نقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ زلیخا کا شوہر سابق عزیز مصر قحط سالی کے زمانہ میں فوت ہو گیا تھا اور زلیخا گرداب زمانہ میں مبتلا فقر و فاقہ کے ایام گذارنے پر مضطر ہو چکی تھی لوگوں نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ موجودہ عزیز مصر (حضرت یوسف) کے سامنے اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے رحم و کرم کی درخواست کر تو اس نے جواب دیا میں کس منہ سے اس کے

سامنے جاؤں جب کہ میں اس کے ساتھ انتہائی بدسلوکی سے پیش آچکی ہوں۔ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا اور یوسف کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا تذکرہ کیا تو زلیخا کو جرأت ہوئی اور ایک دن حضرت یوسف کے راستہ پر آکر بیٹھ گئی ادھر حضرت یوسف کا اپنی پوری آن بان اور شاہی شان و شوکت کے ساتھ اپنے مخصوص فوجی عملے سمیت گذر ہوا ادب کا سر جھکا کر کھڑی ہوگئی ان کے شایان شان سلام کر کے عرض گذار ہوئی سُبْحَانَ الَّذِیْ جَعَلَ الْمُلُوْكَ بِالْمَعْصِيَةِ عَبِيْدًا وَّ جَعَلَ الْعَبِيْدَ بِالطَّاعَةِ مُلُوْكًا۔ یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے حکمرانوں کو اپنے گناہوں کی پاداش میں غلام بنا دیا اور غلاموں کو اپنی نیکیوں کے صلہ میں شہنشاہ بنا دیا۔ یہ کلمہ سنتے ہی حضرت یوسف کے دل پر گہرا اثر ہوا قدم رک گئے اور عنان توجہ اس کی طرف منعطف کر کے فرمایا اَنْتِ هَاتِیْكِ یعنی کیا تو وہی (زلیخا) ہے؟ کہنے لگی۔ جی ہاں فرمایا کیا اب بھی تیرا دل مجھے چاہتا ہے؟ کہنے لگی میرے ساتھ ایسی باتیں نہ کیجئے میں بوڑھی ہو چکی ہوں کیا آپ مسخری کے انداز سے پوچھ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں: تو کہنے لگی جی ہاں (یعنی ابھی تک آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے) ۔ پس آپ نے اُسے حرم سرا میں جانے کا حکم دے دیا چنانچہ اس نے عمل کیا اور اس وقت وہ جوانی کی بہاریں ختم کر چکی تھی۔ اُس کا حسین

وَ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ

اور مجھے ملادے ساتھ نیکوں کے ۔ یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تجھے وحی کرتے ہیں

اِلَیْكَ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب انہوں نے اجماع کیا تھا اور مکر کر رہے تھے (یوسف کے ساتھ)

چہرہ بڑھاپے کی جھریوں سے اپنی خوشنمائی اور دلربائی کھو چکا تھا۔ آپ نے فرمایا کیا تو نے میرے ساتھ فلاں سلوک کیا تھا؟ (آپ نے گذشتہ واقعات کی یاد دہانی کرائی) تو سرد آہ کھینچ کر کہنے لگی اے نبی خدا: مجھے شرمسار نہ کیجئے میں تین ایسے امتحانات میں مبتلا تھی کہ میں سمجھتی ہوں مجھ جیسا امتحان کسی دوسری عورت پر نہ آیا ہوگا۔ ایک یہ کہ میں تیری محبت میں گرفتار ہو گئی کیوں کہ تیرے حسن میں کوئی ہم پلہ نہیں ہے دوسرے یہ کہ میں خود مصر میں زمانہ کی خوبصورت ترین عورت تھی جتنی کہ حسینۂ مصر میں ہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ گھر میں مال و دولت کی بھی فراوانی تھی اور تیسرے یہ کہ ان تمام باتوں کے باوجود میرا اپنا شوہر نامرد تھا حضرت یوسف نے اس کی درد بھری داستان سُنی تو فرمایا اب تیری منشا کیا ہے؟ اُس نے عرض کی: حضور: اللہ سے سوال کیجئے کہ وہ مجھے دوبارہ جوانی عطا فرمائے چنانچہ حضرت یوسف نے دُعا مانگی اور پروردگار نے اس کو دوبارہ جوانی عطا فرمائی اور حضرت یوسف نے اس سے شادی کی درحالیکہ وہ باکرہ تھی۔

اسی تفسیر میں بروایت علل حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کی بارگاہ میں

پہنچنے کی خواہش کی تو دربانوں نے اسے دروازہ پر روک دیا یہ کہہ کر کہ تیری بدسلوکی جو یوسف سے ہو چکی ہے اس کی بنا پر ہم جرأت نہیں کر سکتے کہ تجھے اندر جانے کی اجازت دیں زلیخا نے جب اصرار کیا اور کہا کہ جو اللہ سے ڈرتا ہے مجھے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے، پس اجازت ملی دربار شاہی میں پہنچی اور آداب حکومت بجالائی حضرت یوسف نے پوچھا کہ تیری شکل و صورت میں تغیر و تبدیلی کیوں رونما ہو چکی ہے ؟ کہنے لگی حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے بادشاہوں کو گناہوں کی بدولت غلام بنایا اور غلاموں کو اطاعت کی جزا میں حکمران کر دیا - پس آپ نے فرمایا جو میرے ساتھ تو نے سلوک کیا اُس کا داعی و محرک کیا چیز تھی تو کہنے لگی اس کا موجب و سبب صرف آپ کے چہرہ کا حُسن و جمال ہی تھا آپ نے فرمایا اگر تو اس نبی کا دیدار کرتی جو آخری زمانہ میں ہوگا جس کا نام نامی حضرت محمد ہوگا ۔ تو تیری کیا حالت ہوتی جس کے چہرہ انور و رخ زیبا کا حسن و جمال مجھ سے بدرجہا اتم و اکمل جس کے اخلاق کریمانہ و اطوار شریفانہ کا دائرہ مجھ سے کہیں اوسع و اشمل اور جس کی جود و سخا اور کرم و عطا میری بہ نسبت کہیں اعلیٰ و افضل ہوگا ؟ یہ سُنتے ہی فوراً بولی کہ واقعاً آپ سچ فرما رہے ہیں - آپ نے دریافت کیا تو نے کیسے جان لیا کہ وہ ان صفات حمیدہ و خصالِ جمیلہ کے مالک ہوں گے تو کہنے لگی جب آپ نے ان کے نام نامی کا ذکر زبانِ فیض ترجمان سے کیا تو اس کی محبت میرے دل میں جاگزین ہو گئی - پس میرے دل نے یقین کر لیا ہے کہ وہ واقعی آپ سے ہر خاطر سے اعلیٰ و اشرف اور اکمل و افضل ہوں گے پس اس نورِ ایمان کی قندیل سے دل و دماغ کا منور ہونا تھا کہ دریائے رحمتِ پروردگار موجزن ہوا اور بحرِ عطائے کردگار سے لہر اٹھی زلیخا کے خوابیدہ بخت جاگے قسمت نے پلٹا کھایا - کارو کش سہاگ نے کروٹ لی اور روٹھے ہوئے بھاگ نے انگڑائی لی وحی کی وار ڈلیں کے ذریعہ خالق تقدیر و مالک تدبیر نے یوسف سے خطاب کیا کہ میری کنیز جو کچھ منہ سے کہہ رہی ہے یہ اس کے دل کی آواز ہے اور اس کی بدولت اس نے میری محبت جیت لی ہے کیونکہ میرے حبیب محمدؐ سے جو محبت کرے وہ میرا محبوب ہوا کرتا ہے پس بلا تاخیر اس سے شادی کرو - اور اس کو اپنے حرم سرا میں داخل کر لو چنانچہ حضرت یوسف نے حکم پروردگار کے مطابق عمل کیا -

تفسیر برہان میں امالی شیخ سے منقول ہے کہ جب حضرت یعقوب مصر کے قریب پہنچے اور حضرت یوسف اپنے لاؤ لشکر کے ہمراہ استقبال کے لئے نکلے تو اس بالا خانہ کے قریب سے ان کا گذر ہوا جہاں زلیخا مصروفِ عبادت تھی جب زلیخا نے دیکھا تو نہایت غمزدہ نحیف آواز میں کہا اے جانے والے تو نے مجھے حُزن میں مبتلا کیا بے شک تقویٰ نے کس قدر اچھی چیز ہے جس نے غلاموں کو آزاد بنایا اور گناہ کس قدر بُری چیز ہے جس نے آزادوں کو غلام بنا دیا -

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ زلیخا سے حضرت یوسفؑ کے تین بچے ہوئے - افرائیم - میشا اور تیسری رحمہ جو حضرت ایوبؑ کی زوجہ تھی اور حضرت یوسفؑ کے پورے چار سو برس بعد حضرت موسیٰؑ مصر میں آئے - اس عرصہ میں حضرت یعقوبؑ کی اولاد چھ لاکھ سے بھی زیادہ ہو گئی تھی ؟

میں نے کسی موعظہ کی کتاب میں دیکھا ہے ایک دفعہ حضرت یوسفؑ تخت مصر پر جلوہ گر تھے۔ حضرت جبریل پاس موجود تھا ایک پھٹے پرانے لباس میں ملبوس نوجوان گلی میں گذرا۔ جبریل نے بتایا یہ وہی ہے جس نے گہوارہ میں تیری عصمت کی گواہی دی تھی پس حضرت یوسفؑ نے اس کو بلوایا اس کو فاخرہ لباس بھی عطا کیا اور نقدی بھی عطا کی اور معذرت کے ساتھ اس کو رخصت کیا تو جبریل مسکرایا۔ حضرت یوسفؑ نے مسکرانے کا سبب پوچھا تو جبریل نے جواب دیا، جس شخص نے بچپنے میں غیر ارادی طور پر تیری شہادت دی تو مخلوق ہو کر کافی انعام دینے کے بعد بھی معذرت کر رہا ہے تو جو شخص اپنے پورے اختیار کے ساتھ اپنے اللہ کی کبریائی اور اس کی توحید کی گواہی دے تو دنیا و محشر میں خدا جس قدر انعام و اکرام سے اس کو نوازے گا اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابن عباس سے منقول ہے کہ کسی نبی نے جلدی مرنے کی دعا نہیں کی سوائے حضرت یوسفؑ کے کہ جب خدا نے طویل جدائی کے بعد سارے خاندان کو یکجا جمع کر دیا آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں خواب کی تعبیر پوری ہو چکی اور ملک دنیا اور اس کی نعمات کے ساتھ لذت اندوز ہو چکے تو یہ خیال کیا کہ یہ سب کچھ فانی ہے پس اللہ سے دائمی نعمات کی خواہش کی اور جنت کی التجا کی۔ موت کی تمنا ظاہر کی جو آج تک کسی نبی نے نہ کی تھی اور نہ ان کے بعد کسی نے کی۔ کہا اے اللہ تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیا اے آسمانوں اور زمین کا خالق تو میرا دنیا و عقبیٰ میں ناصر و مددگار ہے مجھے اسلام کی موت دے دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے یعنی جنت کے ساکنین انبیاء و صالحین کی صحبت مجھے عطا کر۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا

اور نہیں اکثر لوگ اگرچہ آپ حرص بھی کریں ایمان لانے والے حالانکہ آپ ان

تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

سے مزدوری بھی نہیں مانگتے نہیں ہے یہ مگر ذکر جہانوں کے لئے

maablib.org

دعائے فرج ایک روایت میں ہے کہ کنوئیں میں یوسف کو یہ دعا جبریل نے بتائی تھی۔ **اَللّٰهُمَّ فَاِنَّ لَكَ الْحَمْدُ كُلُّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْمَنَّانُ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ اَمْرِيْ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَّارْزُقْنِيْ مِنْ حَيْثُ اَحْتَسِبُ وَمِنْ حَيْثُ لَا اَحْتَسِبُ** ۔ پس آپ نے اس ورد کو جاری رکھا تو ہر مصیبت رفع ہوتی گئی۔ کنوئیں سے نجات ملی زلیخا کے مکر سے رہائی پائی زندانِ مصر سے چھٹکارا حاصل ہوا اور پھر آخر کار تختِ حکومت پر متمکن ہوئے۔ اور دوسری روایت میں زندانِ مصر میں آپ

کی یہ دعا منقول ہے۔ یَا کَبِیْرَ کُلِّ کَبِیْرٍ یَا مَنْ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَلَا وَزِیْرَ یَا خَالِقَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ الْمُنِیْرِ یَا عِصْمَةَ الْمُضْطَرِّ الضَّرِیْرِ یَا قَاصِمَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ یَا مُغْنِیَ الْبَائِسِ الْفَقِیْرِ یَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَسِیْرِ یَا مُطْلِقَ الْمُكَبَّلِ الْاَسِیْرِ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ اَنْ تَجْعَلَ لِیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا وَّ تَرْزُقَنِیْ مِنْ حَیْثُ اَحْتَسِبُ وَ مِنْ حَیْثُ لَا اَحْتَسِبُ۔

رکوع ۶

كَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ مقصد یہ ہے کہ اگر وجود باری اور اس کے توحید پر دلالت کرنے والی دلیلوں کا جائزہ لیا جائے تو آسمانوں اور زمین کے اندر اس کی نشانیاں بے حد و شمار ہیں بلکہ کائنات کی ہر شی اپنے خالق مدبّر اور حکیم صانع کے وجود اور اس کی توحید کا پتہ دیتی ہے اسی بنا پر تو کہا جاتا ہے کہ اللہ کے وجود پر دلیلیں اتنی ہیں جس قدر نفوس بشریہ ہیں پس اس قدر دلیلوں کے بعد حقیقت وجود باری بدیہیات میں سے روشن تر اور جملہ حقائق سے واضح تر ہے پس پروردگار از راہ تعجب و استنکار فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں کس قدر دلائل موجود ہیں جن سے کتاب آفاق بھری پڑی ہے اور یہ لوگ ہر وقت ان کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ لیکن چشم پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔

مومنوں کا شرک

وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ۔ اس آیت میں خدا اُن لوگوں کو تنبیہ فرما رہا ہے جو ظاہر میں دعوئ ایمان کا کرتے ہیں کہ ان لوگوں کی اکثریت بھی مشرک ہے اس کی تاویل میں چند اقوال ہیں

وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ
اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن کو یہ دیکھتے ہیں
عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا یُؤْمِنُ
در حالیکہ ان سے چشم پوشی کر لیتے ہیں اور نہیں ایمان لاتے

(۱) مشرکین قریش جو اللہ کو خالق و مالک محی و ممیت و رب سمجھنے کے باوجود بتوں کی پوجا کرتے تھے (۲) عام مشرکین عرب جو زمین و آسمان کا خالق مینہ برسانے والا اور سبزیاں اگانے والا اللہ کو جانتے تھے لہذا پھر بت پرستی کے مرتکب ہوتے تھے (۳) اہل کتاب جو تورات و انجیل و سابق انبیاء اللہ اور ملائکہ سب پر ایمان رکھتے تھے۔ لیکن آخر الزمان پیغمبر کی نبوت کے منکر تھے۔ یہ تین اقوال امام جعفر صادق علیہ السّلام سے بھی مروی ہیں (۴) یہ منافقوں کے حق میں ہے جو ظاہر میں ایمان دار اور باطن میں مشرک تھے (۵) یہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو عقیدہ میں موحّد ہیں اور اعمال میں مشرک ہیں یعنی عقیدہ درست ہے اور عمل شیطان کے تابع ہے۔ بہر کیف ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ انسان سچ مچ مومن بھی بن جائے

بلکہ ہو سکتا ہے کہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرے اور حقیقت میں وہ شرک کی آلائشوں میں مبتلا ہو حتیٰ کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ اگر انسان یہ کہے فلاں نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو جاتا یا فلاں نہ ہوتا تو میرے بچے مرجاتے تو اس نے اللہ کا شریک بنایا پس عرض کی گئی کہ مولا! اگر اس طرح کہا جائے کہ اگر فلاں شخص کے ذریعے اللہ نے مجھ پر احسان نہ کیا ہوتا تو میں یا میرے بچے ہلاک ہو جاتے آپ نے فرمایا یہ درست ہے۔

عوام النّاس کی زبان سے عموماً نکلتا ہے۔ اللہ و اہل بیت نے فلاں کام کیا۔ یا اللہ و پنجتن پاک کو فلاں کام کی لاج ہے۔ یا اللہ و علی نے میرا کام کر دیا وغیرہ اس قسم کے فقرات سے شرک کی بو آتی ہے اور معصوم نے اس سے منع فرمایا ہے پس اگر یہ مقصود ہو کہ خدا نے بحق محمدؐ و آل محمدؐ یا بطفیل پنجتن پاک یا بتصدق اہل بیت یہ کام کیا یا فلاں حاجت پوری کی تو ٹھیک ہے ورنہ شرک صریح اور ظلم عظیم ہے اس قسم کے فقرات کے استعمال سے مومنین کو گریز کرنا چاہیے اہلبیت کا اللہ پر عطف کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس طرح کہنا چاہیے۔ خدا نے بوسیلہ اہل بیت ایسا کیا یا خدا بحق محمدؐ و آل محمدؐ ایسا کرے وغیرہ اسی طرح منت ماننے اور نذر و نیاز ادا کرنے میں بھی اسی نکتہ کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿١٠٦﴾ اَفَاَمِنُوْٓا

ان کے اکثر اللہ پر مگر درحالیکہ وہ مشرک ہوتے ہیں کیا وہ مطمئن ہیں

اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ

اس بات سے کہ آئے ان پر چھا جانے والا اللہ کا عذاب یا آئے ان پر قیامت

السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٠٧﴾ قُلْ هٰذِهٖ

اچانک درحالیکہ وہ شعور نہ رکھتے ہوں کہہ دو یہ میرا طریقہ

سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ

ہے کہ اللہ کی طرف بلاتا ہوں درحالیکہ میں اور میری اتباع کرنے والے

اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ یعنی میں اللہ کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں اور میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت اور اطمینان کی صفات رکھتے ہوئے اس دعوت کے علم بردار ہیں اور روایات اہل بیت سے بالتواتر ثابت ہے کہ اس آیت میں اتباع کرنے والوں سے مراد علی اور اس کی اولاد طاہرین ہیں۔ کیونکہ آیت مجیدہ میں اتباع مطلقہ مراد ہے اور جو شخص رسول کا ہر قول و فعل میں تبع ہو اسے معصوم ہونا چاہیے۔ لہٰذا آئمہ معصومینؑ ہی اس کے مصداق ہیں اور علامہ حلی نے اس آیت مجیدہ کو حضرت علی کی خلافت بلافصل کی دلیل شمار کیا ہے۔ وَهُوَ الْحَقُّ سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ اللہ کی تنزیہہ

maablib.org

کا کلمہ ہے۔ یعنی مشرک لوگ توحید کے متعلق جو غلط سلط عقائد رکھتے ہیں خدا اُن سے پاک و منزہ ہے۔ تفسیر برہان میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ تنزیہ پروردگار کا کلمہ ہے پس جب انسان یہ کلمہ زبان پر جاری کرے تو خدا کے تمام فرشتے اُس پہ درود بھیجتے ہیں۔ سبحان اللہ۔

دعوتِ توحید آیت مجیدہ میں توحید کی دعوت کی افضلیت بیان کی گئی ہے اور نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ توحید کی دعوت وہ دے جو خود اپنے مقام پر بصیرتِ تامہ رکھتا ہو اور اس کے دامن میں ادلۂ قاطعہ اور براہین ساطعہ موجود ہوں اور آیت مجیدہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اور اس کے قائم مقام ہمیشہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیا کرتے تھے اور آپ نے فرمایا اَلْعُلَمَاءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ عَلٰی عِبَادِہٖ۔ یعنی اللہ کے بندوں پر علماء رسولوں کے امین ہیں اور امانت و دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ علماء دعوت توحید میں کسی بھی وقت سستی اور اغماض چشم سے کام نہ لیں دورِ حاضر میں علمائے اعلام کے خلاف ہنگامہ آرائی کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ اور ہر دور میں جہال کی جانب سے اس قسم کا شور و غوغا ہوا کرتا ہے اور انبیاء نے جب بھی توحید کی دعوت پر زور دیا جہال نے آڑے آنے کی کوشش کی اِس پُرآشوب زمانہ میں احبار یہود کی طرح ہماری قوم میں منبر کے ٹھیکہ دار بعض صاحبانِ جبہ و دستار عوام میں مشرکانہ تعلیمات کا پرچار اپنی کامیابی کا معیار قرار دیئے ہوئے ہیں وہ جب تک حضرت علی کو مسند الوہیت پر قابض نہ کرالیں ان کے ہاں ولایت پختہ ہی نہیں ہوتی اور جو بندۂ خدا اس قسم کے دریدہ دہن ملاؤں کے منہ میں لگام دینا چاہیے وہ ان کے نزدیک وہابی قرار دیا جاتا ہے اور جو علی کو بندہ خدا سمجھے اور بعد از پیغمبر پوری کائنات کا پیشوا جانے ان کے نزدیک یہ حضرت علی کی گراوٹ سمجھی جاتی ہے۔ بس توحید کی حدود کو توڑ کر حضرت علیؑ کو خدائی صفات میں شریک ماننا ہی ان

وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَآ

یقینی پر ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں اور نہیں بھیجے

اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ

ہم نے تجھ سے پہلے رسول مگر بندے جن کی طرف ہم نے وحی کی شہر کے بسنے

الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ

والوں میں سے کیا یہ زمین میں سیر نہیں کرتے تاکہ دیکھیں کہ کیا انجام ہوا

كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

ان لوگوں کا جو ان سے پہلے گذرے یقیناً دارِ آخرت

کے نزدیک ولایت کا صحیح مفہوم ہے۔ جہاں تک نقل کا تعلق ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو کہتے ہیں۔ ملک العلماء مرحوم گڑگڑا کر اور مصلےٰ عبادت پر رو رو کر دعا مانگتے تھے اے پروردگار! ہماری بھولی بھالی قوم کو جولاہوں کی قیادت سے نجات دے اور سچ ہے کہ اچھی قوم کا فرد قوم کی بھلائی کی فکر میں ہوتا ہے لیکن طبع لوگوں سے کمینہ پن کا دور ہونا غیر متوقع ہے بعض سرپھرے ہر جگہ منبر پر اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ نجف سے فارغ ہونے والوں کی بات نہ سننا وہ ولائے علی کے دشمن ہیں ایسے عقل کے اندھوں سے پوچھتا کوئی نہیں کہ علمائے اعلام جو اپنی زندگی کا قیمتی اور بارونق حصہ علوم دینیہ کی تحصیل میں خرچ کرتے ہیں اور نجف میں ابوہریرہ کی روایات نہیں بلکہ محمدؐ و آل محمد کے فرامین و کلمات کا درس لے کر آتے ہیں وہ ولائے علیؑ کا معنی نہیں سمجھتے تو کیا جن کو صرف منبر پر ناچنا، کودنا اور اچھلنا، اچھالنا آتا ہے وہی ولاء علیؑ کو اچھا سمجھتے ہیں۔ اسی طرح علمی نسل کے اکثر یتیم و لاوارث لوگ علمائے اعلام پر وہابیت کا الزام عائد کر کے لوگوں پر اپنے علمی تفوق کا سکہ بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں وہ اپنی تاریک زندگی کو عوام کی نظروں سے چھپانے کی خاطر علماء کو بدنام کرنے میں پیش پیش ہیں اور بعض گانے والے پیشہ ور لوگ البیسوں کی آڑ میں علماء کو گالی دینا دین سمجھنے لگے ہیں یہ لوگ جہلا کو اپنی ہاں میں ہاں ملاتا دیکھ کر بغلیں بجاتے اور خوش ہوتے ہیں حالانکہ یہ ان کی کامیابی نہیں بلکہ ان کے دین و ایمان کا جنازہ اور بے حسی اور بے شعوری کے لئے منہ ہے۔ حضرت علی کی ولاء کا یہ طریقہ نہیں کہ فرائض خداوندی سے غفلت برتی جائے اور لوگوں کو معصیت پر جرأت دلائی جائے۔ حضرت رسالت مآبؐ سے حدیث صحیح میں مروی ہے جس شخص پر حج بیت اللہ واجب ہو اور استطاعت کے باوجود ادا نہ کرے وہ یہودی یا نصرانی ہو کر مرتا ہے۔ ان ٹھیکہ داران جنت سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ کارخانے لگائے جا سکتے ہیں۔ زمینیں خریدی جا سکتی ہیں اور قوم کی رقوم اور عزائے حسینؑ کی ہزاروں کی آمدنی کو رنگ رلیوں اور فضول خرچیوں کی نذر کیا جا سکتا ہے تو حج بیت اللہ کی ادائیگی کیوں نہیں کی جاتی۔ کیا ولائے علیؑ کا یہ تقاضا معلوم نہیں کہ حج واجب کو عمداً بلا عذر ترک کر کے حضرت علیؑ کی زیارت کو جانے والا علیؑ سے لعنت لے کر پلٹتا ہے نہ کہ خوشنودی حضورؐ نے سچ فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے منبر پر بندر ناچیں گے خداوند کریم اُمّت اسلامیہ کو ایسے مکار و غدار ملاؤں کے دام تزویر سے بچائے۔ یاد رکھئے اللہ کا مقام اپنا ہے نبی کا مقام اپنا ہے اور علیؑ و اولادِ علیؑ کا مقام اپنا ہے نبی و امام کو اللہ کا شریک ماننا شرک ہے اور ایسے لوگوں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ ہرگز راضی نہیں ہوں گے بلکہ ان کی زبان سے ایسے عقیدہ والوں پر لعنت وارد ہوئی ہے اور ہم نے عقائد حقہ کے موضوع پر الگ ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار ہے عقائد کی صحت کے لئے ہر مومن مرد و عورت پر اس کا مطالعہ لازمی ہے۔

علمائے اعلام کا فرض ہے کہ دعوتِ توحید کو جاری رکھیں اور اس قسم کی ہنگامہ آرائیوں سے مرعوب نہ ہوں خدا ان کے ساتھ ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ کی غیبی نصرت ان کی پشت پناہ ہے ولائے علیؑ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ عقیدہ و

عمل دونوں میں حضرت علیؑ کی ہدایات کو مشعل راہ قرار دیا جائے عقیدہ ایسا ہو جس پر علیؑ راضی ہو اور عمل بھی ایسا ہو جس پر علیؑ خوش ہو۔ خداوند عالم ہمیں حضرت علیؑ کے صحیح شیعوں میں سے قرار دے آمین۔

اِلَّا رِجَالًا آیت مجیدہ کی صراحت سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء دیہاتوں سے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ شہروں میں بھیجے گئے جیساکہ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى کے لفظ سے ظاہر ہے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسالت کا عہدہ قوم جن کو نہیں دیا گیا کیونکہ رجال کا اطلاق بنی آدم پر ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالت کا عہدہ عورتوں کو نہیں دیا گیا۔

لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ۔ تفسیر مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے مروی ہے حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ جنت کی ایک بالشت پوری دنیا اور اس کی جملہ نعمات سے بہتر ہے۔ اللّٰھم ارزقنی الجنۃ بجاہ محمد وآلہ

حَتّٰٓى اِذَا۔ یہ جناب رسالت مآبؐ کے لئے تسلی وتسکین ہے کہ ہم نے گذشتہ اُمتوں سے عذاب کو ٹالے رکھا اور تیری اُمت سے بھی عذاب کو ٹالتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتمام حجت کرتے ہیں اور جب نوبت اس حد تک پہنچتی ہے کہ رسول اپنی امت کی اطاعت سے مایوس ہو جائیں اور ان کو بذریعہ وحی و تجربہ یقین پیدا ہو جائے کہ ان کی مکمل طور پر تکذیب ہو چکی ہے اور امت میں سے ایمان کی اُمید کسی سے نہیں ہے تو اس وقت ہماری مدد پہنچتی ہے اور جن کو ہم بچائیں وہی نجات پاتا ہے

فَنُجِّيَ۔ بعضوں نے اس کو نُنْجِی اور بعضوں نے نُجِّی پڑھا ہے اور یہ لوگ دوسرے نون کو اخفا کرتے ہیں اور لکھنے میں بھی اس کو نہیں ظاہر کرتے اور یہ ادغام نما ہے ادغام نہیں کیونکہ ادغام مماثل یا متقارب میں ہوتا ہے اور نون اور جیم میں نہ مماثلت ہے نہ متقاربت اور جو لوگ نُجِّی پڑھتے ہیں وہ باب تفعیل سے ماضی کا صیغہ بناتے ہیں۔

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْئَسَ
بہتر ہے ان کے لئے جو ڈریں کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟ یہاں تک کہ جب رسول مایوس
الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ
ہوئے اور انہوں نے یقین کیا کہ وہ جھٹلائے جا چکے ہیں تو انہیں ہماری مدد پہنچی پس ہم نجات دیتے ہیں
وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ
جسے چاہیں اور نہیں چوکتا ہمارا رب عذاب مجرم لوگوں سے تحقیق ان کے قصہ بیان کرنے میں

فِيْ قَصَصِهِمْ۔ یعنی قرآن مجید میں انبیاء کے قصوں کا بیان صاحبانِ عقول کے لئے نصیحت و عبرت کا مقام ہے کہ وہ رسول جس نے یہود و نصاریٰ کے علماء سے صحبت نہ کی اور نہ ان کی زبانی گذشتہ انبیاء کے واقعات

عِبۡرَةٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَلٰكِنۡ تَصۡدِیۡقَ

عبرت ہے صاحبانِ عقل لوگوں کے لئے یہ بناوٹی بات نہیں لیکن تصدیق ہے اس کی جو اس سے

الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَتَفۡصِیۡلَ كُلِّ شَیۡءٍ وَّهُدًی وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

پہلے ہے اور تفصیل ہے ہر شی کی اور ہدایت اور رحمت ہے ایماندار قوم کے لئے ۔

سنے ۔ پھر نہ کسی درس میں پڑھا نہ کسی اُستاد سے سیکھا اور باوجود اس کے گزشتہ انبیاء کے صحیح واقعات بیان کرنے جو کتب سابقہ میں مصدقہ ہوں تو عقلمند لوگوں کے لئے ان کی نبوت ورسالت کی اس سے واضح دلیل اور کیا ہوسکتی ہے ۔؟

والحمد للہ رب العلمین

سورۂ یوسف کی تفسیر

بروز ہفتہ پونے سات بجے شام ۶ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۶ھ
مطابق ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۶۶ء ختم ہوئی ۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

سورۂ رعد

اس سورہ کی کل آیات تر تالیس ۴۳ ہیں۔

بعض کے نزدیک یہ سورہ مکیہ ہے سوائے آخری آیت کے اور بعض کے نزدیک پورا سورہ مدینہ ہے سوائے دو آیتوں کے ایک۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ الخ اور دوسری اس کے بعد والی۔

۱ ابی بن کعب سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو شخص سورہ رعد کی تلاوت کرے گا تمام گذشتہ و آئندہ ہونے والے بادلوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اس کے نامۂ اعمال میں نیکیاں درج ہوں گی اور بروز محشر اللہ کے عہد کو پورا کرنے والوں میں محشور ہو گا۔ (مجمع البیان و صافی)

۲ امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو سورہ رعد کی زیادہ تلاوت کرے گا وہ بجلی کی موت نہ مرے گا اور اگر مومن ہو گا تو بلا حساب جنّت میں داخل ہو گا اور اپنے خاندان و برادری کے جملہ جان پہچان والوں کے حق میں اس کی شفاعت مقبول ہو گی (مجمع البیان و صافی)

۳ نماز عشاء کے بعد تاریک شب میں آگ کی روشنی پر لکھ کر اگر ظالم و جابر بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو وہ ہلاک ہو گا اور اس کی سلطنت ختم ہو جائے گی (البرہان نقلاً من خواص القرآن)

۴ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے تاریک رات میں نماز عشاء کے بعد لکھ کر جابر و ظالم بادشاہ کے دروازہ پر لٹکائی جائے تو اس کی رعایا و فوج اس پر بغاوت کرے گی اور اس کی کوئی بات نہ مانی جائے گی اور اس کی عمر کوتاہ ہو گی ویسے بھی کسی ظالم یا کافر یا بے دین کے دروازہ پر اس کا لٹکانا اس کی ہلاکت کا موجب ہے۔ باذن اللہ (البرہان)

رکوع ۷ موضوع سورہ بیان توحید

الٓمّٓرٰ تفسیر صافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے۔ اَنَا اللّٰہُ الْمُحْیِی الْمُمِیْتُ الرَّازِقُ یعنی صرف میں اللہ ہی زندہ کرنے والا مارنے والا اور رزق دینے والا ہوں۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَرٰی یعنی میں اللہ ہی سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہوں۔ سورہ کا عنوان حروف مقطعات کی ترتیب اور معصوم کا توضیحی نوٹ اور اس کے بعد آیات کی تفصیل سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ سورہ مبارکہ کا موضوع دیگر اکثر سوروں کی طرح مسئلہ توحید ہے پہلی توجیہ کے اعتبار سے زندہ کرنا مارنا اور رزق دینا ان تین صفتوں کا حصر اللہ میں بیان کیا گیا ہے اور دوسری توجیہ کے لحاظ سے حاضر و ناظر ہونے کی صفت کو اسی کی ذات میں منحصر کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

المرا۔ یہ کتاب کی آیتیں اور وہ جو تجھ پر اتاری گئی تیرے پروردگار سے

رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۱)

حق ہے لیکن اکثر لوگ یقین نہیں کرتے

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند کیا جیسے تم دیکھتے ہو پھر اس کا

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ کتاب سے مراد قرآن ہے اور الف و لام عہد خارجی کے لئے ہے یعنی جس کتاب کا وعدہ کیا گیا ہے یہ اسی کتاب کی آیات ہیں اور الَّذِیْ کا عطف کتاب پر بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں یہ محلاً مجرور ہوگا اور اس کا عطف آیات پر بھی ہو سکتا ہے پس محلاً مرفوع خبر واقع ہوگا پہلی ترکیب کے لحاظ سے معنی یہ ہوگا۔ یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور اس کی آیتیں ہیں جو تجھ پر تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اور دوسری ترکیب کے لحاظ سے معنی وہی ہوگا جو تحت اللفظ مذکور ہے یعنی یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر اتاری گئی اور اَلْحَقُّ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا محذوف ھُوَ کی خبر ہے یعنی یہ حق ہے اور حق اور صدق کے درمیان فرق ابھی ابھی بیان کیا جا چکا ہے۔ ص ۹۴

اَللّٰهُ الَّذِيْ۔ چونکہ معرفت آثار سے پیدا ہوتی ہے اور جس قدر کسی چیز کے آثار کا علم بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اس چیز کی معرفت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے پس پروردگار عالم نے ان آیات مجیدہ میں اپنے آثار کا تذکرہ فرمایا (۱) اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں

بغیر ستون کے بلند کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ اس کو سہارا دینے کے لئے کوئی ستون نہیں ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تَرَوْنَهَا عَمَدٍ کی صفت ہو یعنی اس نے آسمانوں کو ایسے ستون کے بغیر بلند کیا ہے جسے تم دیکھ سکو یعنی جس ستون پر آسمانوں کو بلند کیا گیا ہے اس کو تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ستون قدرت پروردگار ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى ۔ اس مقام پر ثم ترتیب کے اظہار کے لئے نہیں ہے بلکہ محض عطف کو ظاہر کرتا ہے اور اگر ترتیب ہی مراد لی جائے تو مقصد اس طرح ہو گا کہ ان تمام چیزوں کو پیدا کرنے کے بعد ان میں تصرف و حکومت کے لئے کرسی اقتدار کا مقام عرش کو قرار دیا جس طرح پوری مملکت پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد دار السلطنت کو محل اقتدار مقرر کیا جاتا ہے۔

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۔ (۲) اللہ نے سورج کو پیدا کرنے کے بعد ایک مخصوص مدار پر مخصوص رفتار سے مخصوص مدت تک اس کو مسخر و مطیع کیا ہے (۳) اسی طرح چاند کو بھی اللہ نے خاص دائرہ کے اندر خاص رفتار سے ایک معین مقدار تک مسخر فرمایا ہے۔ سورج کی رفتار بارہ برجوں میں اس کا قیام دن و رات کا گھٹاؤ بڑھاؤ موسموں کی تبدیلیاں اور اس کے نظام کی

اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ
اقتدار عرش پر ہے اور اس نے مطیع کیا سورج اور چاند کو ہر ایک کی رفتار ایک معلوم
يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
وقت تک ہے وہ امر کی تدبیر کرتا ہے آیات کو تفصیل وار واضح

بقا و دوام بلکہ نظام شمسی کا تفصیلی مطالعہ جس کے لئے تک رسائی کسی عام انسان کے بس کا روگ نہیں ہے اسی طرح نظام قمری کی جزئیات اور اس کے اندر ہزارہا دقائق و حقائق اور اسرار و رموز کا ودیعت ہونا جن میں کسی حد تک دسترس حاصل کرنے کے بعد بڑے بڑے مہندس منجم اور علم الافلاک کے ماہرین بلا دریغ بول اٹھتے ہیں مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا اے اللہ تو نے ان میں سے کسی شے کو بلا فائدہ نہیں پیدا کیا واقعاً ان چیزوں کا ادنیٰ مطالعہ بھی خالق صانع کی حکمت علم قدرت اور تدبیرات کے یقین کے لئے کافی ہے (۴) آسمانوں اور آفتاب و ماہتاب کی تسخیر کے بعد چوتھی چیز کو جو آثار سابقہ کا نتیجہ اور ان کا لازمہ ہے بیان فرمایا يُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی وہی اللہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے بلند فرمایا اور سورج چاند کو مسخر کیا وہی ان کی تدبیر کرنے والا ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ :۔ مذکورہ بالا چار آثار کو واضح کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ میں اپنی قدرت و حکمت کے آثار کو تفصیل وار بیان کرتا ہوں تاکہ تمہارا قیامت پر یقین پختہ ہو جائے اور تم سمجھ سکو کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانی شمسی و قمری بلکہ عالمی نظام کی تخلیق و تدبیر پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر کیسے قادر نہیں ہے؟ پس اس طرح تدبر کرنے سے اپنی بازگشت کا یقین آسان ہو گا۔

وَهُوَ الَّذِي پہلی آیت میں چار نشانیاں اپنی توحید کی بیان فرمائیں جو ارباب عقل و دانش کے لئے ناقابل تردید براہین ہیں لیکن چونکہ ان کا تعلق اجرام علویہ سے تھا اور ان کے حقائق و دقائق کو تفصیل وار جاننے سمجھنے کے لئے علم الافلاک اور علم النجوم کی ضرورت تھی بنابریں مطلب کو آسان کرنے اور دلیل توحید کو عامۃ النّاس کے عقول کے لئے قابلِ قبول کرنے کے لئے آثارِ توحید کا سہل تر پہلو اختیار فرمایا جس میں ہر عالم و جاہل شہری و دیہاتی چھوٹا بڑا مرد و عورت اور ذہین و غبی معمولی توجہ کرنے کے بعد توحید پروردگار کا یقین پیدا کر سکیں پس اس نے پانچویں نشانی یہ بیان فرمائی کہ اللہ وہ ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور بچھایا حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے نہج البلاغہ میں زمین و آسمان کی خلقت کے متعلق مفصل بیان منقول ہے کہ پانی کو ہواؤں نے حرکت دی اور اس کی جھاگ سے زمین کی خلقت ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ پہلے پہل کعبہ کی زمین سطح آب پر بچھائی گئی اور پھر ساری زمین کو پھیلایا گیا آیت مجیدہ میں مَدَّ کی لفظ اسی معنی کی تائید کرتی ہے بہرکیف زمین کی موجودہ صورت اور ہیئت کذائیہ کی طرف سرسری نظر ڈالنے والا اس کے خالق صانع حکیم کی توحید پر ایمان کو راسخ کر سکتا ہے یہ نہ اس قدر نرم ہے کہ انسان اس میں دھنس جائے اور نہ اتنی سخت ہے کہ چلنے میں پاؤں کو زخمی کرے نہ اتنی سرد ہے کہ رہنے والی مخلوق کو منجمد کر دے اور نہ اس قدر گرم ہے کہ بسنے والوں کو جلا دے پس متوسط انداز سے اس نے پیدا کی ہے کہ جمیع ذی روح اس کی گود میں آسانی سے بود و باش رکھ کر اس سے نفع اندوز ہو سکتے ہیں۔ غاروں میں بسیرا کرنے والوں کے لئے غاریں بنانا سہل اور گھر بنانے والوں کے لئے گھر تعمیر کرنا آسان ہے۔ پھر ہر قسم کے بسنے والوں کے لئے غذائی پیداوار کا انتظام اسی کی ہی بدولت ہے اور دورِ حاضر کی تحقیقات نے زمین سے جن مفید و کارآمد خزائن کا سراغ لگایا ہے درحقیقت یہ معرفت پروردگار کی راہیں ہیں جنہیں ہموار کیا جا رہا ہے اور ان کی جزئیات کا احاطہ تو سوائے پروردگار

لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ② وَهُوَ الَّذِي
کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہ وہ ہے جس

مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ط وَمِن
نے زمین کو بچھایا اور اس پر پہاڑ ٹھہرائے اور نہریں اور ہر قسم

كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي
کے پھلوں کے اس میں جوڑے جوڑے پیدا کئے وہ ڈھانپتا ہے

اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ③
رات کو دن سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سوچیں

کے کوئی کر سکتا ہی نہیں۔

وَجَعَلَ فِيهَا (۶) یہ چھٹی نشانی ہے کہ زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے اس نے وزنی پہاڑ اس پر گاڑ دیئے اور حضرت امیر علیہ السّلام نے نہج البلاغہ میں اس مطلب کو خوب واضح فرمایا ہے جس سے آیت مجیدہ کی تفسیر کھلتی ہے اس ظاہری مفاد کے علاوہ پہاڑوں کی خلقت میں جو لاتعداد دقیق حکمتیں اور حد احصاء سے باہر ماہرین و رموز کے مخفی خزائن پنہاں ہیں جن کا معمولی علم طبقات الارض کے ماہرین کو عطا ہوا ہے توحید و تمجید پروردگار کے لئے ناقابل تردید براہین کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وَاَنْهٰرًا (۷) ساتویں نشانی دریاؤں نہروں اور چشموں کی تخلیق ہے۔

وَمِنْ كُلِّ - (۸) پھلوں اور میوہ جات کو اس نے پیدا کیا اور لطف یہ کہ ہر پھل کو جوڑا جوڑا پیدا کیا بعض رنگ کے لحاظ سے سیاہ و سفید مثلاً بعض ذائقہ کے اعتبار تلخ و شیریں مثلاً بعض موسم کے لحاظ سے کہ گرم موسم کا اور سرد موسم کا اور بعض مزاج کے اعتبار خشک و تر یا گرم و سرد مثلاً پس اکثر مفسرین نے پھلوں کے جوڑا جوڑا ہونے کی یہ تاویل کی ہے لیکن جدید تحقیقات سے جو نئے نئے انکشافات سامنے آئے ہیں ان میں علم نباتات کے ماہرین کا یہ قول بھی ناقابل انکار ہے کہ جس طرح پروردگار نے ہر ذی روح مخلوق کو جوڑا جوڑا نر و مادہ کے لحاظ سے پیدا کیا ہے اسی طرح نباتات کا جوڑا جوڑا بھی نر و مادہ کے اعتبار سے ہے اور نباتات کی کوئی قسم ایسی نہیں جو نر و مادہ کے حکم سے مستثنیٰ ہو۔ البتہ بعض نباتات کے نر و مادہ کی پہچان پھل سے ہوا کرتی ہے جیسے کھجور اور بعض کی شاخوں سے مثلاً شیشم کہ اس کے نر کی شاخیں سخت سیدھی اور اوپر کی طرف جاتی ہیں اور مادہ کی شاخیں نرم کج اور نیچے کی طرف مائل ہوا کرتی ہیں اسی طرح بعض میں پتوں کی کیفیت مختلف ہوتی ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جن میں فرق اتنا دقیق ہے کہ ماہرین نباتات بھی اس کا سراغ نہیں لگا سکے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی پودے کے بعض اجزاء نر اور بعض مادہ ہوں یا بعض شگوفے اور غنچے نر اور بعض مادہ ہوں اور ماہرین علم نبات کا کہنا ہے کہ جس طرح ذی روح مخلوق کی نسلی بقاء کے لئے نر و مادہ کی ملاوٹ ضروری ہے اسی طرح نباتات میں بھی یہی حالت ہے پس بعض میں نر کا بیج مادہ کے بیج سے ملتا ہے بعض نباتات میں خوشبو نر کی مادہ تک منتقل ہوتی ہے۔ بعض میں زمین کے اندر جڑوں کی ملاقات یہ کام کرتی ہے اور موسم بہار جو عام طور پر نباتات کی سرسبزی و شادابی کا زمانہ ہوتا ہے اور یہی نباتات کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا موسم ہوتا ہے تو خداوند عالم کے نظام اتم و اکمل کا کرشمہ ہے کہ اس زمانہ میں ہواؤں کی زیادتی ہوتی ہے اور دیگر فوائد و مصالح کے علاوہ اس میں ایک ناقابل فراموش مصلحت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے نر نبات کا اثر مادہ نبات تک بآسانی پہنچ سکتا ہے اگر یہ صورت نہ ہو تو کوئی پھل پایۂ تکمیل تک پہنچ سکتا ہی نہیں۔

چنانچہ سورہ حجر میں ارشاد فرماتا ہے۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ۔ مفسرین نے اس سے یہ مقصد

لیا ہے کہ ہواؤں کو ہم نے بھیجا تاکہ بادلوں کو پانی کا حامل بنائیں لیکن اگر اس سے عام معنی مراد لیا جائے کہ ہواؤں کو ہم نے حاملہ بنانے کے لئے بھیجا تاکہ بادلوں کے علاوہ تمام نباتات کو بھی شامل ہو جائے تو زیادہ موزوں ہو گا۔ اور یہ بات مشاہدہ سے ثابت ہے کہ کھجوروں کے جس باغ میں نر کھجور کا پودا نہ ہو اس باغ کا پھل کمزور ہوا کرتا ہے عراق میں عام دستور ہے کہ پھل کے موسم میں نر کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اس سے نر کا بورہ نکال لیتے ہیں۔ پس مادہ کھجور کے بند خوشے کو چیر کر اس میں ڈال لیتے ہیں اور اس کا نام تابیر ہے اور جن کھجوروں کی تابیر کی جائے اس کا پھل موٹا میٹھا اور لذیذ ہو جاتا ہے جس کی بدولت تابیر شدہ باغ کی قیمت اور غیر تابیر شدہ کی قیمت میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم نے بھی اپنے مقام پر تجربہ سے ثابت کیا ہے کہ کھجوروں میں تابیر یعنی نر کے بیج کا مادہ کے پھل سے ملانا پھل کی عمدگی و نفاست کا باعث ہوتا ہے اور اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ باقی درختوں کا بھی یہی عالم ہو گا جس کی تفصیلات کے جاننے سے ہم قاصر ہیں۔ بہرکیف خداوند کریم نے پھلوں کے جوڑا جوڑا کرنے کو اپنی توحید و عظمت کی دلیل قرار دیا ہے جس کا سمجھنا اور یقین کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے۔

يُغْشِي اللَّيْلَ ۔ (۹) رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے یا دن کو رات سے ڈھانپ دیتا ہے۔ یہ دونوں معانی ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں یہ اس کی لازوال مصلحت ہے کہ ذی روح مخلوق سارے دن کی چہل پہل کام کاج اور جملہ معروفیات سے تھکی ماندی ہو کر چونکہ سکون و آرام کی حاجت مند تھی پس اس نے دن پر رات کا پردہ ڈال دیا تاکہ سکون حاصل کر کے یہ تازہ دم ہو جائیں پھر وقت مقرر کے بعد دوبارہ دن کو ظاہر کر دیا تاکہ تساہل و غفلت میں پڑا رہنے کی بجائے ضروری آرام کے بعد اُٹھ کھڑے ہوں اور کسب معاش یا نیل کمال کے لئے اپنی کوشش کو جاری کر دیں اور جس حد تک کل پہنچے تھے اس سے آگے قدم رکھ کر ترقی کے زینوں کو طے کر سکیں۔ اگر شب و روز کا یہ تبادلہ نہ ہوتا تو نظام کائنات میں ابتری ہی ابتری رہتی اس کے علاوہ دن اور رات میں گھٹاؤ بڑھاؤ کبھی رات زیادہ کبھی دن زیادہ اس طرح کہ گھٹنے والے کی کمی بڑھنے والے کی زیادتی کے برابر رہے اور پھر اس پر موسموں کی تبدیلی کا راز یہ قدرت پروردگار کے ایسے اسرار و رموز ہیں جن کو اس کی توحید و عظمت کی بولتی ہوئی زبان ہی کہنا چاہیے ہم اس کی مزید تفصیل پہلے کسی جلد میں ذکر کر چکے ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ ۔ ان نشانیوں کے گنوانے کے بعد عقول انسانیہ کو متنبہ کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ان بیان کردہ علائم و نشانات میں فکر کرنے والوں کے لئے یقین پہنچانے کی نشانیاں موجود ہیں۔ ولا ریب فیہ۔

وَفِي الْاَرْضِ ۔ (۱۰) یہ دسویں نشانی اس قدر عام فہم ہے کہ ہر شخص بخوبی سمجھ سکتا ہے اس میں چند امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ ایک یہ کہ زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے کے بالکل قریب ہونے کے علاوہ آثار و خواص میں الگ الگ ہیں کوئی زرخیز ہے کوئی شور ہے کوئی حصہ کسی نبات کے قابل ہے کوئی کسی دوسری کے لئے

موزوں ہے کسی کا پھل میٹھا برآمد ہوتا ہے اور کسی کا پھیکا ہوتا ہے اور کسی سے آدمی خاطر خواہ اور تسلی بخش حاصل ہوتی ہے اور کسی سے فصل اچھا نہیں نکلتا وعلی ہذا القیاس متعدد فرق ہیں جو طبقات الارض کا علم رکھنے والے جان سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ زمین کے قریب قریب کے ٹکڑوں میں مختلف قسم کے باغات جو انگوروں کھجوروں اور دوسری کھیتیوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں کاشت کئے جاتے ہیں اور زمین ہر پودے کی خدمت و نشوونما میں اس کا مناسب کردار ادا کرتی ہے۔ تیسرے یہ کہ کھجوروں میں بعض پودوں کی اصل ایک ہوتی ہے اور بعض الگ الگ تنہ رکھتے ہیں چوتھے یہ کہ ان سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے۔ اور لطف یہ کہ زمین ایک پانی ایک لیکن ہر پھل کا رنگ الگ حجم الگ خاصیت الگ مزاج الگ اور ذائقہ الگ الگ صرف یہ نہیں بلکہ ایک ہی جنس کے پھلوں میں بہت

اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۳

رات کو دن سے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو سوچ بچار کریں

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِنْ

اور زمین میں قریب قریب کے ٹکڑے اور باغات انگوروں کے

أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ

اور کھیتیاں اور کھجوریں ایک اصل کی اور الگ اصول والی جو ایک پانی سے سیراب

يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ

ہوں اور ہم فضیلت دیتے ہیں بعض کو بعض پر ذائقہ میں تحقیق اس میں نشانیاں ہیں

بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ

کچھ اختلاف موجود ہوتا ہے حجم رنگ خاصہ مزاج اور ذائقہ میں ایک ہی جنس کے افراد ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں اور ہر زمین پر بود و باش رکھنے والا اس امر سے بخوبی واقف ہے پس اس سے زیادہ توحید پروردگار اور اس کی صنعت و حکمت اور علم و قدرت کی دلیل کیا دی جا سکتی ہے اسی لئے تو آخر میں فرمایا کہ

عقل رکھنے والوں کے لئے اس میں بہت کچھ آیات و نشانیاں موجود ہیں۔ ان آیات میں خداوند کریم نے دس نشانیاں گنوائی ہیں (۱) آسمانوں کی خلقت (۲) سورج کی خلقت و تسخیر (۳) چاند کی تسخیر (۴) تدبیر الامور (۵) بساط زمین کا بچھانا (۶) پہاڑوں کی خلقت (۷) دریاؤں کی پیدائش (۸) پھلوں میووں کے مختلف اقسام کی تخلیق (۹) دن رات کا چکر (۱۰) زمین و پانی کی وحدت کے باوجود نباتات کا اختلاف وغیرہ۔

تعجب ہے عقل کے اندھے لوگوں پر جو اس قسم کی واضحات کو چھوڑ کر شبہات کے پیچھے پڑتے ہیں اور توحید

پروردگار کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت کا ارتکاب کر کے مسلمان کہلوانے سے شرم نہیں کرتے۔ میں نے شیعہ منبر پر شیعی عقائد کا ستیاناس کرنے والے بعض جیب تراش ملاؤں کو توحید کے خلاف زہریلے جملے اگلتے دیکھا ہے کہ خدا نے محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا اور انہوں نے سب کائنات کو پیدا کیا۔ میں نے اپنی کتاب لمعۃ الانوار میں اس قسم کے مشرکانہ خیالات کو براہین سے رد کیا ہے لیکن ناخدا ترس اور بے لگام مولویوں کے لئے اگر اللہ کا کلام فائدہ مند نہیں ہو سکتا تو میرے بیان سے وہ خاک اثر لیں گے ہاں حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہ ہمیں گالیاں دینا ہی جانتے ہیں ایسے لوگوں کے پاس صرف فرسودہ و بیہودہ خیالات کا پلندہ اور شبہات و توہمات فاسدہ کا ذخیرہ ہے علاوہ ازیں منبر پر منہ ٹیڑھا کرنا آنکھ ہاتھ کا اشارہ کرنا ناچنا کودنا اور عوام الناس کو اچھال اچھال کر داد لینا اور واہ واہ کی خراج تحسین سے تسکین قلب حاصل کرنا ان کا مآل تقریر ہے وہ علمی میدان میں قدم رکھنا نہیں جانتے صرف علمائے اعلام کو وہابی کہہ کر انہیں بدنام کرنا ہی اپنا کمال سمجھتے ہیں۔

کیا توحید خالق سے بغاوت کرنے کے لئے اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ کا سہارا لینا ان کو آتا ہے اور قرآن مجید کی سینکڑوں آیتیں جن میں تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کی تخلیق کو خدا نے اپنی طرف منسوب کیا ہے ان کی نظر سے نہیں گذریں اور کیا هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰهِ کا خدائی چیلنج ان کو معلوم نہیں اور حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب بے سروپا خطبۂ بیان کے اقتباسات یاد ہیں جن میں توحید خالق کو للکارا گیا ہے اور قرآن مجید کی صریح اور واضح آیات نظر سے نہیں گذریں جن میں توحید خالق کی ناقابل تردید براہین موجود ہیں اور خدا کی جانب سے اہل فکر و نظر اور ارباب عقل و دانش کو بار بار غور کرنے کی دعوت دی گئی ہے نیز فرضی خطبہ بیان کی بجائے اگر نہج البلاغہ کے خطبات کا مطالعہ کیا جائے۔ جن میں مختلف اشیاء کی خلقت کو حضرت امیر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے تو بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور توحید خالق کی ادلہ و براہین کا مواد جس قدر حضرت امیر علیہ السلام کے خطبات سے مل سکتا ہے تمام دنیا کے موحدین اس کا عشر عشیر بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگ حضرت علی پر ظلم کرنے والے ہیں جو خدا کے مقابلہ میں حضرت علی کو کائنات کا خالق و رازق ٹھہرا کر ان کو خدا کا شریک بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ خطبہ بیان کا سہارا لے کر حضرت علی کو خلقت کائنات کا مدعی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت علی اور تمام معصومین ایسے لوگوں سے بری ہیں وہ خود اللہ کے عبادت گزار بندے تھے اور تمام بندوں کو عبدیت کا درس دینے والے تھے۔

اس میں شک نہیں ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ جس کے پاس دلیل موجود نہ ہو اور جس کا دامن کسی ٹھوس و پائدار برہان سے خالی ہو وہ اپنی ڈھٹائی پر باقی رہنے اور عوام میں اپنے وقار کا بول بالا کرنے کے لئے مدمقابل کو گالی گلوچ کا نشانہ بنانا اور اس پر کیچڑ اچھالنا ہی اپنا کامیاب حربہ سمجھتا ہے۔ خلافت کے اثبات کے مقام پر بانگ دہل

کہنے والے چونکہ ہمارا امام کھرا ہے لہٰذا ہم کسی کو کسی مجلس سے نہیں روکتے بے شک چل پھر کر مذاہب کی سیر کر کے دیکھیں اگر علی کے مقابلہ میں کوئی دوسرا امام مل جائے تو علی کو ہی امام تسلیم کر لیں اور دوسروں کے پاس جانے سے وہی روکتا ہے جس کے پاس مال کھرا نہ ہو جیسا کہ بازار میں عام دکانداروں کا دستور ہوا کرتا ہے) آئیے مسئلہ توحید کے متعلق بھی اعلان کیجئے کہ بیانِ توحید ہر ایک سے سنو جس کی توحید کھری ہو قبول کرو لیکن یاد رکھیے کہ دامنِ توحیدِ خالق کو تار تار کرنے والے ہرگز یہ جرأت نہیں کر سکتے بلکہ وہ الٹا کھوٹے سودے والے دوکاندار کی طرح دوسروں کی بات سننے سے روکتے ہیں کہ فلاں سے بچ کر رہو فلاں کی مجلس نہ سنو ورنہ وہ تم کو علی کا دشمن بنا دیں گے۔ خدا کی قسم یہ مکارانہ چال اور عیارانہ طرز عمل صرف اپنے وقار ناپائدار کی بحالی اور عوام کی جیب تراشی سے چند روز خوش حالی حاصل کرنے کے لئے ہی ہے۔ ورنہ وہ بھی دل سے جانتے ہیں کہ کل کائنات کا خالق رازق محی و ممیت اور مدبر عالم صرف اللہ ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ۔ ایسی واضح دلیلوں کے بعد بھی توحیدِ خالق میں شک کرنا یا اس کا انکار کرنا واقعاً باعثِ تعجب ہے

يَعْقِلُوْنَ ④ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا
عقل والوں کے لئے اور اگر آپ کو تعجب ہو تو ان کی یہ بات اور تعجب ناک ہے کہ جب ہم
كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا ہوں گے یہ لوگ اپنے پروردگار کے
كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ
منکر ہیں اور ایسے لوگوں کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور ایسے

چنانچہ جناب رسالتمآب کو پروردگار نے تسلی دی اور فرمایا کہ بے شک ایسے لوگوں پر تعجب کرنا بجا ہے لیکن یہ بات اور زیادہ قابل تعجب ہے جو کہتے ہیں کہ خاکستر ہو جانے کے بعد ہم دوبارہ زندہ کیسے ہوں گے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ جو خدا کتم عدم سے پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے کیا وہ مرنے کے بعد دوبارہ ان کو از سر نو خلق نہیں کر سکتا۔ حالانکہ پہلی دفعہ کا پیدا کرنا دوبارہ زندہ کرنے سے مشکل ہوا کرتا ہے۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ[۱۴] مقصد یہ ہے کہ وہ نیکی جس کی جزا بہشت ہے اسے چھوڑ کر کفر و انکار کی برائی کی طرف سبقت کرتے ہیں یا بعض سرپھرے لوگ اپنے حسد و عناد کی آگ میں جل بھن کر جنت کی خواہش کی بجائے عذاب کو اپنے منہ سے طلب کرنے کی جرأت کرتے ہیں حالانکہ سابقہ واقعات سے ان کو عبرت حاصل کرنی چاہیے نہ کہ اس کی خواہش۔

وَاِنَّ رَبَّكَ[۱۴]: سید مرتضیٰ سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ اہل قبلہ میں سے گنہگاروں کے لئے بخشش کا مژدہ اپنے دامن میں رکھتی ہے۔

شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ[۱۱۶] :- پہلے حصہ میں بخشش کی پیش کش ہے اور آخری حصہ میں عذاب کی تہدید ہے اور جناب رسالتمآب سے مروی ہے آپؐ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا درگزر اور اس کی بخشش نہ ہوتی تو کسی انسان کی زندگی خوشگوار نہ رہتی اور اگر اس کی تہدید و وعید نہ ہوتی تو ہر شخص نیکی کرنے میں سُست اور گناہوں سے نڈر ہو جاتا۔

لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ[۱۱۷] :- لوگوں کو چونکہ بالعموم دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو منصفانہ طور پر حقائق بینی سے دلچسپی رکھتے اور حق کو بلا دریغ قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے وہ جو معاندانہ روش سے ہر بات کو ٹھکرانا ہی جانتے ہیں ایسے لوگ کسی کی صداقت کے اثبات کے لئے دلیل و برہان پر کان نہیں دھرتے بلکہ بات بات پر معجزہ طلب کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ چنانچہ مشرکین مکہ کی حضورؐ سے بار بار کی اعجاز طلبی اسی منعکس ذہن کی پیداوار تھی۔ خداوند کریم کی جانب سے بطور تنبیہ وارشاد متعدد بار ان کو تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی اور توحید پر انتہائی آسان اور قابل قبول انداز بیان سے ناقابل تردید براہین پیش

وَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ⑤ وَ

اور وہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے

یَسۡتَعۡجِلُوۡنَکَ بِالسَّیِّئَۃِ قَبۡلَ الۡحَسَنَۃِ وَقَدۡ خَلَتۡ

جلدی کا عذاب چاہتے ہیں رحمت سے پہلے حالانکہ گذر چکے ہیں

مِنۡ قَبۡلِہِمُ الۡمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَۃٍ

ان سے پہلے عذاب کے واقعات (جو باعث عبرت ہیں) اور تحقیق تیرا رب لوگوں کے لئے

کی گئیں لیکن وہ آخر تک طالب اعجاز ہی رہے اور یہی وجہ ہے کہ منصف طبائع کو معقول دلیل سے اطمینان حاصل ہو جاتا ہے بخلاف اس کے ہٹ دھرم عنادی اور جہال طبقہ اعجاز نمائی سے بھی مطمئن نہیں ہوتا پس وہ ایک معجزہ کے بعد دوسرا پھر تیسرا پھر چوتھا و علیٰ ہذا القیاس معجزات ہی طلب کرتے رہتے ہیں اور ان میں بھی موشگافیاں کر کے لیت و لعل میں وقت گذارتے ہیں اور لوگوں میں صرف انتشار پھیلانا ہی جانتے ہیں پس ایسوں کا علاج یا تو فوری عذاب سے ہو سکتا ہے جیسے گذشتہ بعض انبیاء کی اُمتوں کا حشر ہوا اور یا ڈنڈے سے کلمہ حق کو منوا لیا جاتا ہے تاکہ انتشار کا سدباب ہو سکے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کا اسلام فتح مکہ کے بعد اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس آیت مجیدہ میں خداوند کریم کفار کے اسی اعجاز نمائی والے مطالبہ کو دہرا رہا ہے جس طرح کہ پہلی آیت میں فرمایا کہ اب یہ لوگ عذاب ہی مانگتے ہیں اور کچھ نہیں۔

اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ[۱۱۸] - کفار کے سوال کے جواب میں آیت مجیدہ کے ظاہر کے رو سے خدا نے یہی جواب دیا کہ آپ کا کام ہے میرے عذاب سے لوگوں کو ڈرانا اور ہر قوم کو ہدایت کرنا اور بس علاوہ ازیں آیات و معجزات

کا ظاہر کرنا یہ آپ کا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔

دلیل خلافت

علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے آیت مجیدہ اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ کو دلیل خلافتِ علی قرار دیا ہے اور اس بارے میں بروایتِ جمہور ابن عباس سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا اَنَا الۡمُنۡذِرُ وَعَلِيٌّ الۡهَادِيۡ یعنی منذر میں ہوں اور ہادی علی ہے۔ فضل بن روزبہان ناصبی نے اس حدیث کا کتب اہل سنت میں ہونے سے انکار کیا ہے۔ لیکن صاحب دلائل الصدق نے متعدد کتب عامہ سے حوالہ جات پیش کرکے دشمن علی کے منہ پر ایسا طمانچہ رسید کیا ہے جس کا جواب نہیں (۱) کنز العمال ج ۶ ص ۱۵۷ عن الدیلمی (۲) تفسیر درمنثور میں سیوطی نے چار حدیثیں نقل کی ہیں دو ابن عباس سے ایک ابو بردہ اسلمی سے اور چوتھی خود حضرت علی علیہ السلام سے، اور ان سب کا مقصد واحد یہی ہے کہ آیت مجیدہ میں منذر سے مراد حضرت رسالتمآب ہیں اور ہادی سے مراد حضرت علی ہیں (۳) حاکم نے اسی حدیث کو مستدرک میں ذکر کیا ہے (۴) ملا سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ میں اس کو لکھا ہے (۵) تفسیر کبیر میں رازی نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ تفسیر مجمع البیان میں ابو القاسم حسکانی کی شواہد التنزیل سے مروی ہے ابو بردہ اسلمی روایت کرتا ہے کہ حضور نے پانی منگوایا اور وضو کیا اور علی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھ کر فرمایا اِنَّمَآ اَنۡتَ مُنۡذِرٌ پھر ہاتھ کو علی کے سینے کی طرف بڑھا کر فرمایا وَلِكُلِّ قَوۡمٍ هَادٍ پھر ارشاد فرمایا لوگوں کے لئے روشنی کا مینار ہدایت کا محل اور مومنوں کا امیر تو ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ایسا ہی ہے۔ بہرکیف کتب شیعہ و سنی میں متواتر وارد ہے کہ آیت مجیدہ میں ہادی سے مراد علی ہے لہذا آیت حضرت علیؑ کی خلافت پر نص ہے کیونکہ رسالتمآب کے بعد جو تمام امت کا ہادی ہوگا وہی خلیفہ بلافصل ہوگا اور اس استدلال میں کسی ذی ہوش کے لئے مجالِ انکار نہیں ہے۔

کوئی زمانہ حجّتِ خدا سے خالی نہیں ہوتا

آیت مجیدہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زمین کسی وقت حجت خدا سے خالی نہیں رہتی چنانچہ تفسیر صافی میں اصول کافی سے مروی ہے کہ امام محمدؐ باقر علیہ السلام نے فرمایا حضرت رسالتمآب منذر ہیں اور ہر زمانہ میں ہم میں سے ایک ہادی کا ہونا ضروری ہے جو رسالتمآب کے لائے ہوئے دین کی طرف لوگوں کی رہبری کرے پس حضور کے بعد ہادی علیؑ تھے اور پھر یکے بعد دیگرے اوصیاء ہادی ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر زمانہ کا امام اس زمانہ والوں کے لئے ہادی ہے اور تفسیر قمی سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو ہر زمانہ میں وجود امام کو ضروری نہیں جانتے۔

تفسیر برہان میں بروایت ابن بابویہ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے مروی ہے کہ ایک دن حضور رسالتمآبؐ نے خطبہ میں حمد و ثنائے پروردگار کے بعد ارشاد فرمایا اے لوگو! میں عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں۔ وَاِنِّیۡ

تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا تعلموا منھم ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم لا تخلوا الارض منھم ولو خلت اذا لساخت۔ ترجمہ۔ اور میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی عترت اہل بیت جب تک ان دونوں کے ساتھ تم تمسک رکھو گے گمراہ نہ ہو گے پس ان سے سیکھنا لیکن ان کو سکھانے کی جرأت نہ کرنا کیونکہ وہ تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور زمین ان سے خالی نہ ہو گی۔ اگر خالی ہوئی تو تباہ ہو جائے گی۔

پھر اپنے پروردگار سے مناجات کرتے ہوئے کہا اے اللہ! میں جانتا ہوں کہ علم حقائق نہ ہوگا اور تو زمین کو اپنی حجت سے خالی نہ چھوڑے گا یہ الگ بات ہے کہ وہ ظاہر ہو اور اس کی بات ماننے والا کوئی نہ ہو یا لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہ کر فریضۂ تبلیغ انجام دیتا رہے اس ہدایت کے بعد تو اپنے اولیاء کو گمراہ نہیں ہونے دیتا بے شک وہ عدد کے لحاظ سے کم ہیں لیکن اللہ کے نزدیک قدر و منزلت کے لحاظ سے اعظم ہیں پس یہ کہہ کر منبر سے نیچے تشریف لائے۔

لِلنَّاسِ عَلٰی ظُلْمِھِمْ وَاِنَّ رَبَّکَ لَشَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾

بخشش والا ہے باوجود ان کے ظلم کے اور تحقیق تیرا رب سخت سزا دینے والا ہے

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ

اور کافر لوگ کہتے ہیں کیوں نہیں اتری اس پر کوئی نشان اے رب

رَّبِّہٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ ﴿۷﴾

کی طرف سے آپ صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے ہادی

حضرت حسن مجتبےٰ علیہ السّلام فرماتے ہیں میں نے عرض کی حضور! کیا آپ کی ذات گرامی تمام مخلوق کے لئے حجت نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا میرے پیارے حسن: اللہ فرماتا ہے اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ پس میں منذر ہوں اور علی ہادی ہے میں نے عرض کی آپ تو فرما رہے تھے کہ زمین کسی وقت حجت سے خالی نہیں ہوتی آپ نے فرمایا ہاں درست ہے میرے بعد علی حجت اور امام ہوگا اس کے بعد تو حجت اور امام ہوگا تیرے بعد حسین امام وحجت وخلیفہ ہوگا اور مجھے خدائے لطیف وخبیر نے خبر دی ہے کہ حضرت حسین کی پشت سے بچہ ہوگا جو اپنے دادا کے ہم نام علی نامی ہوگا پس اپنے باپ حسین کے بعد وہ اس کا قائم مقام اور زمانہ کا امام ہوگا پھر اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو میرا ہم نام اور میرے مشابہ ہوگا اس کا علم اور حکم میرے علم اور حکم کی طرح ہوگا۔ پس

maablib.org

وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام خلق ہوگا اور خدا اس کی صلب سے ایک بچہ پیدا کرے گا جس کا نام جعفر ہوگا اور اپنے اقوال و افعال میں پورے اہل زمانہ سے صادق ترین ہوگا پس وہ اپنے باپ کے بعد حجت خدا اور امام زمان ہوگا پھر اس کا فرزند موسیٰ بن عمران کا ہم نام جو عبادت میں اپنی نظیر آپ ہوگا وہ اپنے باپ کے بعد حجت اور امام ہوگا پھر اس کا فرزند علی اللہ کے علم کی معدن اور اس کی حکمت کا مخزن حجت خدا اور امام الخلق ہوگا پھر اس کا فرزند محمد اپنے باپ کے بعد امام و حجت ہوگا پھر اس کا فرزند علی اپنے باپ کا قائم مقام اور امام الخلق و حجت اللہ ہوگا پھر اس کا فرزند حسن حجت اور امام زمانہ ہوگا پھر حسن کا فرزند حجت قائم اپنے شیعوں کا امام اور اپنے دوستوں کا فریادرس ہوگا وہ پردہ غیبت میں رہے گا جس کو دیکھا نہ جا سکے گا اور غیبت اس قدر طویل ہوگی کہ بعض لوگ مایوسی کا شکار ہو کر اس کے وجود پر ایمان لانے سے دست کش ہو جائیں گے اور بعض اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں گے۔ الحدیث۔

بروایت عیاشی تفسیر برہان میں عبدالرحیم قصیر سے مروی ہے میں ایک روز حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا آپ نے مجھ سے دریافت کیا کہ قول خدا اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ میں منذر رسول خدا اور ہادی علی ہیں تو یہ بتاؤ کہ اس زمانہ میں ہادی کون ہے؟ وہ کہتا ہے میں نے طویل خاموشی کے بعد سر اٹھایا اور عرض کی میں آپ پر فدا ہوں یہ آیت آپ لوگوں کے حق میں ہے اور آپ ہی یکے بعد دیگرے اس کے وارث ہیں یہاں تک کہ اس وقت حضور والا آپ ہی اس کے مصداق ہیں پس آپ ہادی ہیں تو فرمانے لگے بے شک تو نے درست کہا ہے اے عبدالرحیم! قرآن زندہ ہے مردہ نہیں پس یہ آیت زندہ ہے مردہ نہیں اگر کوئی آیت جو کسی خاص آدمی کے حق میں اتری ہو اور وہ مر جائے پس آیت بھی مر جائے تو اس صورت میں تو سارے کا سارا قرآن مردہ ہو جائے گا لیکن قرآن زندہ ہے لہٰذا اس کے مصداق یکے بعد دیگرے آتے رہتے ہیں اور بعد والے اس کے ویسے ہی مصداق ہوتے ہیں جیسے کہ گزشتگان اس کے مصداق تھے عبدالرحیم کہتا ہے امام نے فرمایا قرآن کی تاویل اس طرح جاری ہے جس طرح شب و روز جاری ہیں اور جس طرح شمس و قمر جاری ہیں اور یہ آیتیں ہمارے آخری پر اسی طرح صادق آتی ہیں جس طرح ہمارے پہلے بزرگوار پر صادق آئیں۔ ہم نے اس قسم کی بعض احادیث اور اس مطلب کی مزید وضاحت تفسیر کے مقدمہ کر دی ہے۔

حدیث ثقلین بھی اس امر پر شاہد بین ہے کیونکہ حضور جب امت کی ہدایت کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر گئے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہے کہ جب تک قرآن رہے گا عترت ساتھ ساتھ رہے گی اور جب تک امت رہے گی یہ دونوں ہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے اور ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں لَنْ یَّفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس اکٹھے پہنچیں گے اور آپس میں نہ جدا ہونے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب تک ایک باقی ہوگا دوسرا بھی ساتھ ساتھ باقی رہے گا

پس اگر قرآن مجید قیامت تک زندہ ہے اور ہادی ہے تو ضروری ہے کہ عترت کا کوئی فرد اس کے ساتھ ساتھ زندہ اور ہادی ہو اور ہمارے اس دور میں حضرت حجت صاحب الزمان امام العصر مہدی علیہ السلام موجود ہیں جو پردۂ غیبت میں اُمّتِ اسلامیہ کی مشکلات کو حل کرنے کے کفیل ہیں۔ اگر امام غائب کے وجود کو تسلیم نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی صداقت مخدوش ہو جائے گی نیز آیت مجیدہ مذکورہ بھی مصداق سے خالی رہ جائے گی پس آیت مجیدہ جس طرح ہر دور میں امامت کی ضرورت کو ثابت کرتی ہے اسی طرح دور حاضر میں وجود امام غائب پر بھی نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ **اَللّٰھُمَّ عَجِّلْ فَرَجَہٗ۔**

رکوع نمبر ۸ بیان توحید

اللّٰہُ یَعْلَمُ آیت مجیدہ میں چند معلومات کا تذکرہ ہے کہ وقتی طور پر خدا اس کی بعض جزئیات کا علم کسی نبی یا اس کے وصی کو عطا فرماتا ہے پس وہ اس حد تک جان سکتا ہے جہاں تک خدا نے اس کو علم عطا فرمایا ہو (۱) ہر مادہ خواہ اس کا تعلق کسی نوع سے ہو اس کے شکم میں بچہ ہے یا کوئی اور چیز پھر بچہ ہونے کی صورت میں نر ہے یا مادہ خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک ہے

اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ

اللہ جانتا ہے جو حمل اٹھاتی ہے ہر مادہ اور جو کم کرتے ہیں رحم اور جو

وَمَا تَزْدَادُ وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ

زیادہ کرتے ہیں اور ہر چیز اس کے پاس مقدار سے ہے وہ غیب و

الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَآءٌ مِّنْکُمْ

شہادت کے جاننے والا بزرگ بلند ہے برابر ہے کہ تم میں سے

یا بد غرضیکہ اُس کی پوری کیفیات و جزئیات کے ساتھ اُس کا علم صرف پروردگار کو ہی حاصل ہے (۲) بعض اوقات بچہ رحم مادر سے مدّت مقررہ سے پہلے پیدا ہو جاتا ہے اور غیض کا معنی کم ہونا اور گھٹ جانا ہے شلاً بعض عورتیں نو ماہ کی مدّت پوری ہونے پر بچہ جنتی ہیں اور بعض اس سے پہلے جن لیتی ہیں اور مدت حمل کی اس کمی کو اور اس کی مقدار کو اور اس کی علت و سبب کو خدا ہی جان سکتا ہے (۳) وہ جو مدت مقررہ پر زیادتی آ جاتی ہے شلاً بعض عورتیں نو ماہ کی مدت سے کچھ دن مزید گزار کر بچہ جنتی ہیں پس اس مقدار کو اور اس کی زیادتی کی علت کو تمام جزئیات کے ساتھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور مروی ہے کہ ایام حمل میں عورت کو اگر حیض آ جائے تو جس قدر ایام حیض کے ہوں گے۔ اُسی قدر ایام کا مدّت حمل پر اضافہ ہو جائے گا بہر کیف ان تفصیلات کو کما حقہ پروردگار ہی جان سکتا ہے یا وہ جن کو اس کی جانب سے اس کا علم عطا کیا گیا ہو چنانچہ فرماتا ہے کہ ہر شئے کی

میرے پاس مقدار معین ہے یعنی کسی کی مدت معینہ کا پورا ہونا کسی کا کم ہونا اور کسی کا بڑھ جانا ان میں سے ہر ایک کی کمی یا زیادتی کی مقداروں کا صحیح علم پروردگار عالم کو ہی ہے۔

لَہٗ مُعَقِّبٰتٌ ۔ ضمیر غائب کے مرجع میں اختلاف ہے لیکن زیادہ موزوں یہی ہے کہ اس کا مرجع اللہ کو قرار دیا جائے اور معقبات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو دن رات باری باری سے انسان کے اعمال کی نگہداشت کرتے ہیں، اور مروی ہے کہ وہ چار ہیں دو رات کے لئے اور دو دن کے لئے چنانچہ علی الصبح چاروں اکٹھے ہوتے ہیں رات کے فرشتوں کے جانے کا وقت اور دن کے فرشتوں کے آنے کا وقت وہی ہے اسی لئے اول وقت میں صبح کی نماز پڑھی جائے تو رات اور دن کے چاروں فرشتے اس کے عمل خیر کے گواہ ہوں گے، ارشاد قدرت ہے إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۔ بعض روایات میں ہے کہ ان سے وہ فرشتے مراد ہیں جو ہلاکتوں اور مصیبتوں سے انسان کی حفاظت پر مامور ہیں اور مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ کا یہ مقصد نہیں کہ خدا کی جانب سے آئی ہوئی

مَنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ

کوئی چپکے بات کرے یا اعلانیہ کرے خواہ کوئی رات کو چھپا کر کرے

بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْ

یا دن میں چل پھر کر کرے اس کی جانب سے ملائکہ معین ہیں

بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ

اس کے آگے اور پیچھے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں خدا کے حکم سے

مصیبتوں سے وہ حفاظت کرتے ہیں کیونکہ خدا کی جانب سے آنے والی مصیبت سے کوئی بچا سکتا ہی نہیں بلکہ یہاں بامر اللہ مراد ہے یعنی خدا کے امر سے وہ انسانوں کی حفاظت پر موکل ہیں اور جب خدا کی جانب سے اس پر امتحان یا سزا یا عبرت کے طور پر کوئی دکھ مصیبت آئے تو وہ الگ ہو جاتے ہیں اور منقول ہے کہ ہر انسان پر حفاظتی فرشتے دس دس موکل ہیں، تفسیر مجمع البیان میں کعب سے منقول ہے کہ اگر تمہارے کھانے پینے کے اوقات میں اور تنہائیوں کے عالم میں خدا نے تم پر فرشتے نہ موکل کئے ہوتے جو ہر حال میں تمہاری نگہداشت کرتے ہیں تو قوم جن تم کو ختم کر دیتی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ الخ ۔ قدریہ فرقہ اپنے مسلک کے لئے اس آیت کو بطور حجت پیش کرتا ہے کہ انسان کی تقدیر اس کے اپنے ہی ہاتھ میں ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں اور سفینۃ البحار میں امام رضا علیہ السلام حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روایت فرماتے ہیں کہ قدریہ لوگ اپنے مسلک

کے اثبات کے لئے آیت کے پہلے حصہ کو پیش کرتے ہیں جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اس کی تقدیر اس کے اپنے قبضہ میں ہے حالانکہ اسی آیت کے آخری حصہ میں اللہ کے ارادۂ ازلیہ کی حکومت بھی ثابت ہے۔ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰہُ الخ یعنی جب قوم پر عذاب اور سختی نازل کرنا چاہے اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا مقصد یہ ہے کہ اللہ ازل سے تمام پیدا ہونے والی مخلوق اور اس کے انجام خیر یا بد کو جانتا ہے اگرچہ انسان کو اعمال کی بجا آوری میں کمل اختیار حاصل ہے پس عذاب کے استحقاق کے بغیر وہ کسی پر عذاب نہیں بھیجتا لیکن جن لوگوں کے متعلق اس کے علم ازلی میں عذاب کا استحقاق موجود ہے انہوں نے دنیا میں اپنے اختیار سے ایسے کام کرتے ہیں جن کی بدولت وہ عذاب کا حقدار ہو گا اور اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ کے علم ازلی کے ماتحت انسان اپنے اعمال میں مجبور ہے کیونکہ اللہ کا علم انسان کے اختیار میں کوئی پابندی نہیں لاتا جس طرح فرعون کے متعلق اس کو علم تھا کہ یہ بحالت کفر مرے گا لیکن پھر بھی موسیٰ و ہارون کو حکم دیا کہ اس کو نرم لہجہ سے سمجھاؤ شاید سمجھ جائے اگر اللہ کے علم ازلی کے ماتحت وہ مجبور ہو جاتا تو اس کے لئے موسیٰ و ہارون کو برائے تبلیغ بھیجنا عبث ہوتا اور اس کی مثالیں بہت زیادہ ہیں۔ بہرکیف خداوند کریم کی بے حد و حساب نعمات کو دیکھ کر مغرور نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُن کا حق شکر ادا کر کے اُن نعمات کی بقا اور زیادتی کی کوشش کی جائے۔ ورنہ ممکن ہے کہ نعمات کا شکر ادا نہ کرنا اُن کے زوال کا باعث ہو جائے اور آیت مجیدہ اسی طرف متنبہ کر رہی ہے۔ اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب تمہاری طرف نعمتوں کی آمد ہو تو بے شکری کر کے بعد میں آنے والیوں کی رکاوٹ کے موجب تم خود نہ بنو۔ ہم نے تفسیر انوار النجف کی دوسری جلد میں قضاء و قدر کے عنوان سے یہ مسئلہ مفصل بیان کیا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

تحقیق اللہ نہیں تبدیل کرتا قوم کی حالت جب تک وہ خود اپنے نفسوں میں تبدیلی نہ کریں

وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ

اور جب چاہتا ہے اللہ کسی قوم کی سزا تو کوئی اس کو بدل نہیں سکتا اور نہ ان کا اس

عطائے نعمت اور زوال نعمت کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ خدا بغیر استحقاق کے اپنے فضل و کرم سے نعمتیں نازل فرماتا ہے جن کی بقا ان کے شکر سے وابستہ ہوتی ہے اور اسی طرح ان میں زیادتی بھی شکر پر موقوف ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ کہ اگر تم نے شکر کیا تو میں ان میں زیادتی کر دوں گا پس بغیر استحقاق کے ابتداءً عطا فرمانا اُس کا فیض ہے اور شکر سے ان کی بقا یا زیادتی کو وابستہ کرنا اُس کی حکمت ہے۔ اسی طرح زوال نعمت یا نزول مصیبت آزمائش یا عبرت یا تنبیہ وغیرہ کے لئے بعض اوقات ہوتی ہے لیکن اُس

کا باقی رہنا یا ٹل جانا اس کی بلند حوصلگی یا صبر و تحمل یا شکر نعمات کے وجود و عدم پر موقوف ہوتا ہے۔ بنا بریں ممکن ہے آیت مجیدہ کے آخری حصہ کا معنی یہ ہو عبرت و نصیحت یا آزمائش وغیرہ کے لئے خدا جن کو مبتلائے مصیبت کرے اس کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور پہلے حصہ کا مطلب یہ ہو کہ خدا ان کی بدحالی و مصیبت کو نہیں دور کرتا جب تک وہ صبر و تحمل سے اپنے پروردگار کے سامنے گڑگڑا کر دفع مصیبت کے لئے کوشاں نہ ہوں یا اپنی مصائب و فلاکت و بلالت سے نجات کے لئے اسباب فلاح کی طرف بتائید خداوندی خود عمل تحریک نہ کریں۔

پس گویا خوش حالی پر بقاء یا خوش حالی کا زوال انسان کے اپنے اختیار، شکر و بے شکری سے بھی وابستہ ہے اور خوش حالی کی آمد یا مصائب کی آمد اس کی حکمت کے پیش نظر بھی ہوتی ہے جس کو کوئی رد نہیں کر سکتا۔

یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ۔ جب بادلوں میں بجلی کی چمک ظاہر ہوتی ہے تو اس میں لوگوں کے لئے خوف و ہراس بھی ہوتا ہے اور بارش سے زمین کی آبادی اور خوش حالی کا لالچ بھی ہوتا ہے یا یہ کہ مسافروں کے لئے راستہ گم کرنے کا خوف ہوتا ہے اور زمینداروں کے لئے خوش حالی کی نوید مسرت ہوتی ہے۔

مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ (۱۱) هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا
کے علاوہ کوئی ناصر ہوتا ہے — وہ وہ ہے جو تم کو بجلی دکھاتا ہے خوف اور طمع کی
وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ (۱۲) وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ
صورت میں اور پانی اٹھانے والے بادل پیدا کرتا ہے — اور رعد اس کی حمد کی تسبیح کرتا

تنبیہ :۔ آیت مجیدہ میں بطور حصر بیان کیا گیا ہے کہ بادلوں کا پیدا کرنے والا بارش برسانے والا اور تاریک گھٹا ٹوپ بادلوں سے بجلی کی چمک ظاہر کرنے والا صرف اللہ ہی ہے کہ رعد کی کڑک درحقیقت اس کی عظمت شان اور تنزیہ ذات کی تسبیح ہے اور ان امور پر موکل فرشتے یا تمام ملائکہ اس کے جلال و ہیبت کے سامنے لرزاں و ترساں اس کی حمد و ثنا میں رطب اللسان ہیں اور وہ وہی ذات ہے جو صاعقہ بھیج کر جسے چاہے عذاب میں مبتلا کرتی ہے اس بیان کے بعد تنبیہ کے طور پر فرماتا ہے کہ یہ چیزیں دیکھ بھال کر بھی لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ اس کی گرفت سخت ہے۔

افسوس! لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا اور عظمت پروردگار کی معرفت سے بیگانے ہو گئے شبانہ روز اور صبح و مسا اس کی عظمت شان پر تکوینیات عالم کے ہر چار سو ناقوس بج رہے ہیں لیکن لوگوں کے کان ان کی آوازوں سے نا آشنا ہیں وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتے انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی جانب سے بارہا لسانی و عملی طور پر ہدایات پہنچیں اور حجت تمام ہو چکی لیکن اوہام پرست اذہان نے توجہ نہ دی انہوں نے حق کی آواز پر کان دھرنے کی بجائے

توہمات کی بے سروپا اور بے تکی آوازوں کو جذب کیا اور حقیقت کی طرف چشم بصیرت کھولنے کی بجائے توہم پرستوں کی اندھا دھند تقلید کو ہی مذہب قرار دیدیا۔

تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے کہ رعد ایک فرشتہ کا نام ہے جو بادل پر تعینات ہے وہ بادل کو چلاتا ہے۔ اور اپنے خوفناک آواز سے اُسے جھڑکتا ہے اور اللہ کی تسبیح کرتا ہے اور حضور نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اگر لوگ میرے اطاعت گذار ہوتے تو میں رات کو بارش بھیجتا اور دن کو سورج کی روشنی سے ان کو خوشنود کرتا اور رعد کی آواز ان کے کانوں تک نہ پہنچتی اور حضور کا دستور تھا جب رعد کی آواز سنتے تھے تو کہتے تھے۔ سُبْحَانَ مَنْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ۔ اور مروی ہے کہ بادلوں کو چلانے والے فرشتے کے ہاتھ میں ایک تازیانہ ہے جو برق سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ چمک اُسی سے ظاہر ہوتی ہے

بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَةُ مِنْ خِیْفَتِہٖ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ
اور سب فرشتے اس کے خوف سے (تسبیح کرتے ہیں) وہ بجلیوں کو بھیجتا ہے تو وہ اس پر پڑتی ہیں
بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾
جس پر وہ چاہے اور وہ لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت گیر ہے

تفسیر برہان میں بروایت قرب الاسناد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن پر ہر قسم کی موت آسکتی ہے لیکن صاعقۂ آسمانی سے مومن نہیں مرتا بشرطیکہ اس کی زبان پر اللہ کا ذکر ہو۔ دوسری روایت میں آپ نے فرمایا کہ مومن گر کر ڈوب کر اور درندے سے زخمی ہو کر مر سکتا ہے لیکن اگر اللہ کے ذکر سے اس کی زبان معطر ہو تو صاعقۂ آسمانی سے اس پر ہرگز موت نہیں آسکتی اور تفسیر مجمع البیان میں اسی مضمون کی ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی مروی ہے۔

وَهُمْ یُجَادِلُوْنَ: یعنی جاہل لوگ آیاتِ خداوندی کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے باوجود توحید پروردگار کے معاملہ میں جھگڑا کرتے ہیں اور ابن عباس سے مروی ہے زید بن قیس اور عامر بن طفیل ایک مرتبہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے بظاہر وہ توحید کے بارے میں مجادلہ کرنا چاہتے تھے اور ان کی پالیسی یہ تھی کہ باتوں باتوں میں اچانک حملہ کر کے دھوکے سے فانوس نبوت اور مشعل رسالت کو خاموش کر دیا جائے چنانچہ عامر نے زید سے کہا کہ میں سامنے بیٹھ کر توحید کے مسائل میں بحث کروں گا تو پیچھے سے آکر تلوار سے ان کا کام تمام کر دینا چنانچہ اسی منصوبہ کے ماتحت عامر نے حضور کے ساتھ توحید کے موضوع پر مجادلہ شروع کر دیا اور زید تلوار لے کر پیچھے سے آگیا چنانچہ اس نے ارادۂ فاسدہ کے ماتحت تلوار کو نیام سے نکالنا چاہا پس ایک بالشت کے برابر تلوار نکلی اور پھر رک گئی اس نے ہر چند چارہ کیا لیکن ناکام رہا۔ عامر اس کو بار بار اشارے کرتا تھا لیکن وہ اپنے مقام پر بے بس تھا اتنے میں حضور نے جو مڑ کر دیکھا تو وہ تلوار کو بے نیام

کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا پس آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے ان دونوں کے شر سے تو خود ہی محفوظ رکھ پس زید پر اللہ نے بغیر بادل کے گرمی کے دن میں صاعقہ نازل کیا کہ وہ وہیں جل کر خاکستر ہو گیا اور عامر بھاگ گیا اور یہ کہہ گیا کہ اے محمد تو نے اپنے رب سے دُعا کی کہ اُس نے میرے ساتھی زید کو مار دیا ہے اب میں اس کے انتقام کے لئے تیرے خلاف ایک نو عمر شاہسواروں کی فوج لاؤں گا آپ نے فرمایا مجھے تیرے شر سے اللہ ہی بچا لے گا چنانچہ وہ بنی سلول کی ایک عورت کے ہاں مہمان ہوا پس اس کے دو زانوؤں پر غدودیں نکل آئیں اور اُسی عارضہ سے مر گیا۔

تفسیر برہان میں بروایت امالی شیخ انس بن مالک سے منقول ہے کہ حضورؐ نے عرب کے فرعونوں میں سے ایک فرعون کی طرف توحید کا دعوت نامہ بھیجا۔ اُس نے قاصد سے کہا کہ بتاؤ تمہارا خدا سونے کا ہے یا چاندی کا یا لوہے کا تو قاصد نے واپس آکر اطلّاع دی پس آپ نے اُس کو دوبارہ بھیجا پس اُس کافر نے دوبارہ وہی الفاظ دہرائے ابھی وہ بات کر رہا تھا کہ آسمان سے صاعقہ گرا اور اُس کے سر پر پڑا پس وہ وہیں ڈھیر ہو گیا اور یہ آیت اُتری۔

دُعا کرنا اور پکارنا

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ اللہ حق ہے اور اُسی سے دعا کرنا اور اس کو پکارنا ہی حق ہے جار و مجرور کو مقدم کرکے حصر فرمادیا کہ دعوتِ حق صرف اُسی کی ذات میں ہی محصور ہے اُس کے علاوہ کسی کو پکارنا اور اُس سے دعا مانگنا حق نہیں ہے بلکہ باطل ہے اور اگلے حصّہ میں صاف اعلان فرمایا ہے کہ جو لوگ اُس کے سوا کسی کو پکارتے ہیں وہ غلط کرتے ہیں

لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۖ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِهِ لَا
اس کو پکارنا حق ہے اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کے سوا کسی کو وہ ان کی کسی حاجت
يَسْتَجِيبُونَ لَهُم بِشَيْءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ
کو پورا نہیں کر سکتے ان کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی دُور سے پانی کی طرف ہاتھ

کیونکہ وہ اُن کو کچھ بھی نہیں دے سکتے پس غیر اللہ کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی شخص دُور سے پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر خواہش کرے کہ وہ پانی میرے منہ میں آجائے تو ایسی صورت میں نہ پانی اُس کے منہ میں آتا ہے اور نہ اُس کی پیاس بجھتی ہے پس جس کو دیتا ہے اللہ ہی دیتا ہے اس کے علاوہ نہ کوئی کسی کو دیتا ہے نہ دے سکتا ہے۔

اسی بنا پر محمدؐ و آلِ محمد علیہم السّلام نے اپنے شیعوں کو جو دعا کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ ہر مشکل و مصیبت میں اور ہر ضرورت و حاجت میں اللہ کی طرف رجوع کرو اور اُسی کو زاری اور عاجزی سے پکارو لیکن درمیان میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو بطور وسیلہ کے پیش کرو اور یہ طریقہ بھی بتایا کہ اپنی دعاؤں کے اول و آخر میں درود شریف پڑھ لیں کیونکہ درود ایک ایسی دعا ہے جو کبھی رد نہیں ہوتی پس جب دعا کے ہر دو طرف درود ہو گا تو اس کے صدقہ میں درمیان کا حصہ یعنی دعا بھی مقبول ہو جائے گی۔ پس جو لوگ اس طریقہ سے دعا کریں گے۔ قرآن صامت اور قرآن ناطق ہر دو کی ہدایت پر ان کا عمل ہو گا اور

جو لوگ کسی پیر و مرشد یا نبی و امام کو ہی مشکل و مصیبت میں اپنی دعاؤں کا ملجا و ماویٰ قرار دیں اور ان کو وسیلہ کی بجائے مستقل حاجت روا و مشکل کشا تسلیم کریں۔ آیت مجیدہ کی رُو سے اُن کا یہ اقدام سراسر غلط بلکہ کفر ہے اور اس کا انجام ناکامی اور آخرت کی ذلت کے سوا کچھ نہیں۔ نیز آل محمد علیہم السلام کی فرمائش کے بھی خلاف ہے پس نہ ایسے شخص سے خدا راضی ہے اور نہ آلِ محمد راضی ہوں گے عقائد کی تفصیل ہماری تصنیف عقائد کی کتاب لمعۃ الانوار میں دیکھئے۔

سجدہ صرف اللہ کے لئے ہے

لِلّٰہِ یَسْجُدُ جس طرح پہلی آیت میں جار و مجرور کا مقدم کرنا دعا کا حصر اللہ میں بتاتا ہے اسی طرح آیت میں جار و مجرور یعنی للہ کا مقدم ہونا جواز سجدہ کا حصر اللہ میں کرتا ہے یعنی ذاتِ خداوندی کے علاوہ کوئی بھی لائق سجدہ نہیں ہے۔ پس آسمانوں اور زمین میں بسنے والی جملہ علوی و سفلی مخلوق کا سجدہ صرف اللہ کی ہی ذات کے لئے ہے۔

سجدہ کی چونکہ دو قسمیں ہیں (۱) سجدۂ تکوینی (۲) سجدۂ تشریعی۔

سجدۂ تکوینی۔ یعنی بغیر اختیار کے اپنے خالق و مالک حقیقی کے سامنے جھک جانا۔ چنانچہ کائنات کی ہر علوی و سفلی نوری و خاکی، مادی و روحانی اور ذی روح و بے روح مخلوق اپنے حدوث و وجود میں اپنے کمال و زوال میں اور اپنے تغیر و انقلاب میں بے بسی و بے چارگی کے پیش نظر ہمہ تن اس کی عظمت و رفعت، جلال و سلطنت اور قدرت و حکمت کے سامنے محوِ سجود ہے۔ اس نے جس طرح چاہا جب چاہا جہاں چاہا اور جتنی مدت کے لئے چاہا پیدا کر دیا پیدا ہونے والی مخلوق میں چون و چرا کی مجال نہیں اور یہی بے بسی اس کی بارگاہ میں سجدہ تکوینی ہے کہ مخلوق کو اپنے حسن و قبح میں اختیار ہے نہ قد و قامت میں مجالِ مقال ہے۔ اسی طرح بیماری تندرستی بچپنہ جوانی بڑھاپا اور موت و حیات وغیرہ کہ نہ پیدا ہونا اپنے اختیار میں اور نہ مرنا اپنے بس میں ہے۔ پس سب مخلوق کی یہ کیفیت و حالت بلکہ ان کا سراپا وجود اپنے خالق مدبر کے سامنے سجدہ تکوینی ہے۔

فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۚ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾
پھیلائے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچے حالانکہ وہ نہیں پہنچ سکتا اور کافروں کا پکارنا دیوتوں کا بے سود ہی ہے
وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا
اور اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اطاعت سے یا مجبوری سے

سجدۂ تشریعی۔ اپنے ارادہ و اختیار سے اپنے خالق مالک اور فیاض محسن کے سامنے مخصوص طریقہ سے جھکنے کا نام ہے۔ جو صرف ذی روح بلکہ ارباب عقول کے شایان شان ہے جیسے جن و ملک و انسان اگرچہ ان میں سے ہر ایک کی نوعیت سجدہ الگ الگ ہی ہے۔

پس آیت مجیدہ میں طوعاً سے مراد سجدہ تشریعی ہے جس سے مراد ملائکہ اور باقی مکلفین جنوں اور انسانوں کا

سجدہ مراد ہے اور کرھًا سے مُراد سجدۂ تکوینی ہے جو کفار کی حیثیت کنایۂ سے آشکار ہے۔ یعنی یہ کہ اُن کی مقام تخلیق و دیگر تکوینیات میں بے بسی اُن کا سجدہ ہے پس جس طرح سجدہ تکوینی اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں ہو سکتا اسی طرح سجدہ تشریعی بھی اس کے علاوہ کسی کے لئے زیبا نہیں اور مطلق سجدہ کا جواز اللہ کے لئے ہی ہے اور اس کے غیر کے لئے سجدہ کرنا موجب کفر و شرک ہے۔

بعض لوگ سجدۂ تعبدی اور سجدہ تعظیمی میں فرق کرتے ہیں کہ سجدہ تعبدی اللہ کے لئے مخصوص ہے اور سجدہ تعظیمی غیر کے لئے جائز ہے اور اس کی تائید میں آدم کے سامنے ملائکہ کا سجدہ اور یوسف کے سامنے بھائیوں کا سجدہ پیش کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتوں کے سجدہ میں آدم محض بحیثیت قبلہ کے تھے درحقیقت اُن کا سجدہ اللہ کے لئے تھا اور ممکن ہے ان کے سجدہ سے مُراد آدم کی فضیلت کو تسلیم کرنا اور ان کے علم و کمال کے سامنے جھک جانا ہو اسی طرح حضرت یوسف کے آگے بھائیوں کا سجدہ شکر پروردگار کی خاطر تھا کیوں کہ اس سجدہ میں حضرت یعقوب بھی شامل تھے اور اُن کا یوسف کے لئے سجدہ تعظیمی یقیناً غلط اور خلافِ عقل ہے کیونکہ یوسف پر یعقوب کی تعظیم واجب تھی نہ کہ سلطنت مل جانے کے بعد یعقوب پر بھی بیٹے کا سجدہ تعظیمی ضروری تھا۔ بلکہ روایات تو یہ بتلاتی ہیں کہ حضرت یعقوب جب کنعان کو چھوڑ کر مصر پہنچے اور یوسفؑ استقبال کے لئے تشریف لے گئے چونکہ باپ کی خاطر گھوڑے سے نہ اُترے اس لئے خداوند کریم نے اُن کی نسل سے نبوّت کو ختم کر دیا تو جس خدا نے یعقوب کے سامنے یوسف کا گھوڑے پر سوار رہنا گوارا نہ کیا وہ خدا یوسف کے سامنے یعقوب کا سجدہ تعظیمی کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ اسی طرح ایک غریب وفادار باپ اگرچہ بے علم بھی ہو لیکن اس کی ضمیر کے خلاف ہے کہ اپنے امیر و مالدار بیٹے کو جھک کر ملے اگرچہ وہ درجۂ رفیعہ پر ہی فائز کیوں نہ ہو تو حضرت یعقوب کی ضمیر نبوت نے کیونکر گوارا کیا کہ اپنے بادشاہ بیٹے کے سامنے تعظیماً سربسجود ہوں اور یوسف پیغمبر نے کیسے برداشت کیا کہ سفید ریش اور نبی باپ اس کے آگے جھکا ہوا ہو۔ بہرکیف تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کا سجدہ ذات پروردگار کے لئے شکر کا سجدہ تھا حضرت یعقوب کا سجدہ شکر مصیبتِ فراق سے نجات کے لئے اور بھائیوں کا سجدۂ شکر اپنے غلط کردار سے معافی مل جانے کے لئے تھا ہم نے سجدۂ آدم اور سجدہ یعقوب و اولادِ یعقوب کو اپنے اپنے مناسب مقامات پر بھی بیان کیا ہے اور غیر اللہ کے لئے سجدہ کا عدم جواز ہم نے اپنی تصنیف کتاب لمعۃ الانوار میں ثابت کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

پس بعض جہلا کا کہنا کہ آئمہ کے لئے سجدہ تعظیمی ہو سکتا ہے ان کی شریعت مصطفویہ پر دیدہ دلیری ہے اسی بنا پر تو ضرائح مقدسہ آئمہ میں جا کر جب دو رکعات نماز ہدیہ پڑھی جاتی ہے یا باقی نوافل و فرائض پڑھنے کا خیال ہو تو لپشت سر نماز پڑھنا مکروہ بنایا گیا ہے بلکہ قبر معصوم کے سر کی جانب نماز ادا کرنا بہتر ہے قبر کے پیچھے کھڑے ہو کر اسی غرض سے روکا گیا ہے کہ سجدۂ غیر اللہ سے مشابہت نہ ہو جائے بہرکیف غیر اللہ کا سجدہ کرنا کفر ہے اور جناب

رسالت مآبؐ سے صریح طور پر منقول ہے کہ اگر غیر اللہ کا سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ یقیناً اس سجدہ سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے ورنہ سجدۂ تعبدی کا تو شوہر کے لئے سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا پس شریعت اسلامیہ میں تعظیم کا طریقہ سلام ہے اور آل محمدؐ کی تعظیم اُن پر درود بھیجنا اور اُن کے اوامر اور نواہی میں ان کی اطاعت کرنا ہے۔

ظِلٰلُهُمْ۔ اس کا معنی ہے سایہ اور مراد جسم ہے یعنی اُن کے جسم صبح و شام اللہ کا سجدۂ تکوینی کرتے ہیں۔ آیت ۱۵ کے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے۔ سجدہ قرآنی کا بیان تفسیر کی جلد ۶ صفحہ ۱۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

وَظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۩ ﴿۱۵﴾ قُلْ مَنْ رَّبُّ

اور ان کے سائے بھی صبح اور شام　کہہ دو کون ہے رب

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ

آسمانوں اور زمین کا کہہ دو اللہ۔ کہہ دو کیا تم نے بنائے ہیں اس کے

دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ

علاوہ حاکم جو نہیں اپنے نفسوں کے لئے مالک نفع و نقصان کے

اللہ ہر شے کا خالق ہے

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ آیت مجیدہ میں پروردگار عالم نے سوال وجواب کے اچھوتے انداز میں دلیل وبرہان کے زیر سایہ اپنی ربوبیت وخالقیت کو واضح فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ پھر جواب کی تعلیم دی کہ خود ہی جواب دو کہ وہ اللہ ہے۔ اب تنبیہ اور توبیخ کے لہجہ میں استفہام انکاری کے طریقہ سے دلیل کا ضمنی ذکر کر دیا کہ کیا انہوں نے ایسوں کو اولیاء بنا رکھا ہے جو دوسروں کے لئے تو بجائے خود اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں کیونکہ عہدۂ ربوبیت تو اس ذات کے لئے سزاوار ہے جو اپنے مربوب و مخلوق کو نفع یا نقصان پہنچا سکے تاکہ اس کو عبادت کے لئے استحقاق حاصل ہو لیکن جو اپنے لئے بھی نفع و نقصان کا مالک نہ ہو وہ کسی دوسرے کی بگڑی بنانے پر یا بنائی بگاڑنے پر کیسے قدرت رکھ سکتا ہے پس اس کو ولی و حاکم یا رب مان کر عبادت کا سزاوار جاننا کہاں کی عقلمندی ہے؟ پس ایسا کرنے والا شخص یقیناً کور بصیرت اور عقل کا اندھا ہے۔ چنانچہ دوبارہ تنبیہ کے طور پر فرمایا کیا اندھا اور بینا برابر ہیں؟ یہ الفاظ باپ دادا کی تقلید میں اندھا دھند غیر اللہ کو رب سمجھ کر اُن کی پوجا کرنے والوں کے لئے مہمیز فکر ہے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر تقلید کی تاریکی سے نجات پا کر عقل و فکر کی پشت پر سوار ہو کر نور ایمان حاصل کر کے دائرہ توحید خداوندی میں قدم رکھیں اور اسی کو اپنے نفع و نقصان کا مالک سمجھ کر اس کی عبادت کریں۔

اَمْ جَعَلُوْا - یہاں پھر استفہام انکاری کے لہجہ میں تنبیہ و توبیخ ہے اور ضمنی طور پر مسئلہ خلق کی وضاحت ہے کہ کیا انہوں نے ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنہوں نے مخلوق پیدا کی جس طرح کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس حقیقی خدا اور ان کے درمیان ان کے لئے فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے؟ پس ان کو واضح طور پر اشگاف الفاظ میں بہانگ دہل اعلان کر کے کہہ دو کہ ہر علوی و سفلی خشک و تر نوری و خاکی جاندار و بے جان ذوی العقول و بے عقل بری و بحری اور ارضی و سماوی غرضیکہ جس کو شئی کہا جاتا ہے اُن کا خالق صرف اللہ ہے اُس کے علاوہ کوئی بھی کسی شئی کا خالق نہیں ہے نہ اُس کو آلات کی ضرورت نہ اسباب کی حاجت اور نہ معاون و مددگار کی خواہش ہے وہ ہر شئی پر قاہر و غالب ہے نہ وہ مادہ و طبیعت کا محتاج ہے اور نہ ہیولٰے و صورت کی اس کو حاجت ہے۔ پس وہ جس طرح چاہے جب چاہے جس کے متعلق چاہے ارادہ کرتا ہے اور شئی ویسے ہو جاتی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي

کہہ دو کیا برابر ہیں اندھا اور بینا یا کیا برابر ہیں

الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ

تاریکی اور روشنی یا کیا بنائے انہوں نے اللہ کے لئے شریک کہ پیدا کیا انہوں

فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ

نے اس کی پیدا شدہ مخلوق کی طرح؟ تاکہ مشتبہ ہو گئی ان پر پیدا وار کہہ دو کہ اللہ ہے پیدا کرنے والا

علامہ طبرسی اعلی اللہ مقامہٗ مجمع البیان میں فرماتے ہیں - اِنَّ اَكْثَرَ اَصْحَابِنَا لَا يُطْلِقُوْنَ عَلٰى غَيْرِهٖ سُبْحَانَهٗ اِنَّهٗ يَخْلُقُ اَصْلًا - الخ - تحقیق ہمارے اکثر علما غیر اللہ کے لئے اس لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جانتے کہ وہ خلق کرتا ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں وَ مَعْنَى الْخَلْقِ عِنْدَهُمْ اَلْاِخْتِرَاعُ وَ لَا يَقْدِرُ الْعِبَادُ عَلَيْهِ - کیونکہ خلق کا معنی ان کے نزدیک ہے ایجاد کرنا اور اس چیز پر بندے قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ یہ صرف اللہ کا کام ہے۔

یہ آیت مفوضہ اور غالی قسم کے لوگوں کے لئے تنبیہ و سرزنش ہے جو محمدؐ و آل محمدؐ کو خالق مانتے ہیں اور اس بارے میں بے ہودہ رکیک اور کمزور استشہادات بھی پیش کرتے ہیں جن کا مبنیٰ آیات متشابہات یا ضعیف روایات کو قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ آیات محکمات و احادیث متواترہ میں صریح و واضح طور پر تخلیق کا حصر اللہ جل شانہ کی ذات میں کیا گیا ہے جس طرح کہ اس مقام پر آیت کا صاف و صریح منطوق ہے قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ اے محمدؐ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر شے کا خالق ہے اور آئمہ طاہرین علیہم السلام نے ان لوگوں سے برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ بلکہ

ان پر لعنت بھیجی ہے جو ان کو خالق کہیں آج کل کی مسموم فضا میں جبہ و عمامہ میں ملبوس غداران مذہب دامن توحید کو تار تار کرنے کے درپے ہیں اور انتہائی ڈھٹائی اور بے حیائی سے برسر منبر توحید کو للکار کر کہتے ہیں کہ خدا نے محمد و آل محمد کو پیدا کیا اور انہوں نے باقی سب کچھ پیدا کیا اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہوئے ذرہ بھر نہیں شرماتے حالانکہ وہ اس قسم کے دعویٰ سے بالکل بری الذمہ تھے وہ اللہ کے عبادت گذار اور اس کی عظمت کے سامنے سجدہ ریز تھے وہ خود بھی اس کی عبدیت کو اپنے لئے مایۂ فخر سمجھتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی عبدیت کا پیغام پہنچاتے تھے ہم نے لمعۃ الانوار میں اس مسئلہ کی کافی وضاحت کی ہے مذہب کے غدار غلط کار مولویوں کی چرب لسانی نے عوام کے اذہان میں مذہبی عقائد کی داغ بیل ایسے غلط طریقہ سے رکھی ہے کہ اب جو وہ قرآن کو سنتے ہیں تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں کہ ہمیں کیا سنایا گیا اور قرآن کیا کہتا ہے چنانچہ بعض سادہ لوح فریب خوردہ لوگ اپنے عقائد کی تصحیح کی بجائے قرآن کی صحت کا انکار کرنے لگتے ہیں جس طرح خود فریب کار مولوی اپنے عقائد کی اصلاح کی بجائے قرآنی آیات کی تاویل کر لیتے ہیں چنانچہ شہر جھنگ کے ایک معزز جناب بشیر افضل جعفری کہنے لگے ہیں نے ایک اچھے خاصے سمجھدار شیعہ سے قرآن کی تعلیم کے ترک پر اظہار افسوس کیا تو وہ کہنے لگا جعفری صاحب قرآن کو ہم کس لئے پڑھیں وہ تو ہمارے مذہب کے مخالف ہے اور خدا کی قسم مجھے کانہیں بلکہ رونے کا مقام ہے کہ جس مذہب کا تمسک قرآن و اہلبیت کے ساتھ ہے اس مذہب کے افراد عقائد کی درستی کی بجائے قرآن کو اپنے غلط عقائد کے خلاف پا کر اس سے دستبرداری کا اظہار کریں خدا کی قسم اس کی تمام تر ذمہ داری ان حبیب تراش ملاؤں پر عائد ہوتی ہے جو اپنے لقمہ تر کی خاطر مذہب کی روح میں قرآنی تعلیمات کے خلاف زہر اگل کر عقائد مذہب

شَیۡءٍ وَّہُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَہَّارُ (۱۶) اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
ہر شی کا اور وہ ایک اکیلا ہر پر قہار ہے اس نے نازل کیا آسمان سے پانی
مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِیَۃٌۢ بِقَدَرِہَا فَاحۡتَمَلَ السَّیۡلُ
پس جاری ہوئیں وادیاں اپنے اپنے اندازہ سے تو اٹھایا سیلاب نے ابھری ہوئی
زَبَدًا رَّابِیًا ؕ وَ مِمَّا یُوۡقِدُوۡنَ عَلَیۡہِ فِی النَّارِ
جھاگ کو اور جس پر ایندھن ڈالتے ہو آگ میں زیور یا برتن ڈھالنے کی
ابۡتِغَآءَ حِلۡیَۃٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُہٗ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ
خاطر اس سے بھی جھاگ ابھرتی ہے اسی طرح ایسے ہی خدا بیان کرتا ہے

اَنۡزَلَ اس مقام پر خداوند کریم نے حق و باطل کی وضاحت کے لئے دو مثالیں بیان کی ہیں پہلی مثال یہ ہے کہ جس طرح خدا آسمان سے پانی نازل کرتا ہے تو نہریں اپنی اپنی حیثیت سے پانی کو اپنے دامن میں لے کر بہتی ہیں اور پانی کا بہتا

بہا دھارا جھاگ کو اپنے اُوپر اُبھارتا چلا جاتا ہے اِسی طرح خدا نے اسلام کو بھیجا پس جس کے دل و دماغ میں صلاحیت اچھی تھی تو وہ معرفت وایقان کی منازل اچھی طرح طے کرکے آگے بڑھا اور جس کا ظرف کمزور تھا اس نے تھوڑی معرفت حاصل کی بہرکیف ہر ایک نے اپنی وسعت کے مطابق اس کو قبول کیا۔ یا یہ کہ خدا نے قرآن کو اُتارا تو لوگوں نے اپنے اپنے ظرفوں کی حیثیت سے اس کے مطالب کو قبول کیا اور اسی نسبت سے شک و وہم جھاگ اور خس وخاشاک کی طرح اوپر بہتا ہوا چلا گیا۔

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ:۔ ضمیر غائب کا مرجع ما ہے اور یہ خبر مقدم ہے اور اس کا مبتدا موخر ہے۔ زَبَدٌ مِثْلُهُ اور یہ موصوف وصفت ہیں اِیْقَاد کا معنی جلانے کے لئے لکڑیاں ڈالنا اور ترجمہ یہ ہے کہ وہ دھاتیں سونا چاندی وغیرہ

الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ

حق و باطل کی مثالیں پس لیکن جھاگ تو ہو جاتی ہے باطل لیکن

جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ

وہ جو نفع دیتی ہے لوگوں کو تو وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں

كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ

اسی طرح بیان کرتا ہے خدا مثالیں ان لوگوں کے لئے جو بات مانتے ہیں

جن پر لکڑیاں ڈالتے ہو پگھلانے کے لئے آگ میں زیور یا گھریلو سامان برتن وغیرہ بنانے کے لئے ان پر بھی پانی کی طرح جھاگ یعنی ردی مادہ ابھر آتا ہے۔ ابتغاءٓ مصدر ہے لیکن اسم فاعل مبتغین کے معنی میں یُوقِدُونَ سے حال واقع ہے اور یہ دوسری مثال ہے کہ حق قرآن اور اسلام کو سونے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور آگ پر پگھلانے کے بعد اُوپر اُبھرنے والے ردی مادہ کو شکوک وشبہات سے تشبیہ دی گئی ہے۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ۔ پس جس طرح پانی کے اوپر کی جھاگ اور دھاتوں سے الگ ہونے والے ردی مواد نیست و نابود ہو جاتے ہیں اور نفع مند چیزیں زمین میں یا کٹھالی میں ٹھہر جاتی ہیں اسی طرح حق قرآن اور اسلام مومنوں کے دلوں میں ٹھہر جاتے ہیں اور شکوک وشبہات کی جھاگ اور میل کچیل ختم اور نیست و نابود ہو جاتی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں قتادہ سے منقول ہے کہ خداوند کریم نے اس مقام پر ایک ضرب المثل میں تین مثالیں جمع فرمائی ہیں (۱) نزول قرآن کو آسمان سے نازل ہونے والے پانی سے تشبیہ دی ہے اور دلوں کو وادیوں اور نہروں سے مشابہ قرار دیا ہے پس جو اس کے معانی میں تفکر و تدبر زیادہ کرے وہ معرفت وایقان کی دولت اپنے اندر زیادہ جمع کر لیتا ہے۔ جس طرح بڑی نہر کے اندر زیادہ پانی جگہ لیتا ہے اور جو شخص حق کی اجمالی تصدیق پر راضی ہو کر

بیٹھ جائے اور تحقیق و تدقیق کی قوت کو آگے بڑھنے کے لئے استعمال نہ کرے تو اس کی مثال چھوٹی نہر کی ہے جس کے اندر تھوڑا پانی سماتا ہے (۲) خیالاتِ فاسدہ اور وساوسِ شیطانیہ کو پانی کے اوپر آجانے والی جھاگ سے تشبیہ دی ہے اور یہ جھاگ مٹی کے خبیث اور ردی مادہ کی بدولت ہوتی ہے نہ کہ پانی اس کو اپنے ساتھ لاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے نزول سے جو دل اور نفس ہیں شکوک و شبہات اور وساوس و اوہام پیدا ہوتے ہیں وہ نفوس انسانیہ اور قلوب بشریہ کی وجہ سے ہوتے ہیں نہ کہ قرآن و حق میں ان کا وجود ہوتا ہے پس جس طرح پانی کے اوپر آنے والی جھاگ ایک وقت کے بعد ختم اور باطل ہو جاتی ہے اور پانی صاف شفاف رہ جاتا ہے اسی طرح یہ شکوک و شبہات بھی باطل ہو جاتے ہیں اور دل میں حق اور ایمانِ خالص رہ جاتا ہے۔

(۳) حق کو سونے یا چاندی سے تشبیہ دی ہے جس سے زیور یا برتن بنتے ہیں، پس آگ میں ڈالنے سے پانی کی جھاگ کی طرح اس سے بھی خبیث اور ردی مادہ خارج ہو جاتا ہے پس کفر اس ردی مادہ سے مشابہ ہے اور ایمان و حق جوہرِ خالص سے مشابہ ہے جو دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔

الْحُسْنٰی ؕ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی

اپنے رب کی نیک جزا ہے اور جو لوگ نہیں مانتے اس کی تو اگر ان کے لئے زمین کی تمام چیزیں

الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

ملکیت میں ہوں اور اتنا اور بھی ساتھ مل جائے تو سب کو اپنے عذاب کا فدیہ دینے کے لئے

سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع

تیار ہو جائیں گے ایسے لوگوں کا حساب سخت ہوگا اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور وہ بری جائے قیام ہے

گویا مومن کے صاف دل پر جب قرآن اترتا ہے تو وہ جگہ بنا لیتا ہے اور فائدہ دیتا ہے جس طرح پانی زمین کو آباد کرتا ہے اور کافر کے خبیث قلب پر قرآن کی وجہ سے شکوک ابھرتے ہیں جس طرح پانی پر جھاگ ہوتی ہے۔ پس جس طرح جھاگ غیر مفید ہے اسی طرح کافر کے لئے شکوک و شبہات غیر مفید ہیں اور بروایت احتجاج طبرسی حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کفار و ملحدین کے اعتراضات جھاگ کی طرح ہیں جو تحقیق کی طاقت سے حرفِ غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں جس طرح پانی کی جھاگ کو ہوا مٹا دیتی ہے اور قرآن و حق قلوب صافیہ میں معرفت و عرفان کی پیداوار بڑھاتے ہیں جس طرح پانی زمین کو آبادی کا موقع دیتا ہے

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا ۔ بعض مفسرین اس کو جملہ مستانفہ مانتے ہیں اور بعض اس کو پہلی آیت سے متصل قرار دیتے ہیں کیونکہ اس جگہ بھی مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی دعوت کو لبیک کہتے ہیں ان کے لئے جنت ہے جس طرح سابق

مثال میں خالص پانی اور خالص سونا فائدہ مند ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے تو بروز محشر جو ان پر عذاب آئے گا اگر وہ پوری روئے زمین کے مالک ہو جائیں اور اسی قدر اور ملکیت بھی ان کے پاس ہو تو عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب کی سب فدیہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں گے لیکن اس وقت یہ چارہ جوئی فائدہ مند نہ ہوگی اور ان کو جہنم کی بھٹی میں دھکیل دیا جائے گا جس طرح سابق مثال میں جھاگ اور مادہ فاسدہ کوئی فائدہ نہیں دیا کرتا۔

رکوع نمبر ۹

أَفَمَنْ يَعْلَمُ۔ مقصد یہ ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے اس کی تاویل یہ منقول ہے کہ علی اور اس کا غیر برابر نہیں پس تا قیامت مومن و منافق برابر نہیں، مسلم و کافر برابر نہیں اور موحد و مشرک برابر نہیں۔ اور تفسیر برہان میں اولوالالباب سے شیعان علی مراد لئے گئے ہیں اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ایک گھنٹہ کا تفکر ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ اولوالالباب ہی تفکر کرتے ہیں

وفائے عہد اور صلہ رحمی

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ

کیا وہ جو جانتا ہے کہ تیرے اوپر جو اتری ہے تیرے رب کی جانب سے حق ہے مثل اس کے

هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ

ہو سکتا ہے جو اندھا ہو پس صاحبان عقل ہی نصیحت لیتے ہیں جو اللہ کے ساتھ کئے

يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَالَّذِينَ

ہوئے وعدوں کی وفا کرتے ہیں اور نہیں توڑتے عہد کو اور وہ جو ملاتے

يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

ہیں اس کو جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ڈرتے ہیں اپنے رب سے

الَّذِينَ يُوفُونَ۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ خدا نے اپنے بندوں سے دو طرح کے عہد لئے ہیں ایک عہد عقلی اور دوسرا عہد شرعی۔ پس عہد عقلی یہ ہے کہ خدا نے چونکہ عقل کو رسول باطنی قرار دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے محسن و خالق و مالک کی ہر طرح اطاعت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ اور عہد شرعی یہ ہے کہ نبی بھیج کر اتمام حجت ہو چکا ہے اور تمام ایمان والوں سے نبی نے اپنی اطاعت کا عہد لیا ہے کہ اس کے اوامر کی اتباع کریں گے۔ اور اس کے نواہی سے اجتناب کریں گے۔ اور اس آیت مجیدہ کی تاویل آل محمد کے حق میں ہے چنانچہ تفسیر برہان میں معصوم سے مروی ہے کہ عہد سے مراد وہ عہد ہے جو عالم ذر میں حضرت امیر علیہ السلام کی ولاء کے متعلق کیا گیا تھا پس اللہ نے عالم ذر میں عہد لیا تھا اور جناب رسالت مآبؐ نے غدیر کے دن اسی عہد کی تجدید کی تھی اور اس عہد کو نہ

توڑنے کی تاکید کی گئی۔ چنانچہ بعد میں میثاق کا تکرار بھی تاکید کے لئے ہے۔ حالانکہ ضمیر غائب سے مقصد پورا ہو سکتا تھا۔

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ۔ یعنی وہ صلہ رحمی کرتے ہیں جہاں اللہ نے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور اہل بیت اطہار سے روایات متواترہ منقول ہیں کہ اس مقام پر آلِ محمدؐ کی صلہ رحمی مقصود ہے اور امام جعفر صادق علیہ السّلام نے فرمایا۔ خبردار! یہ نہ سمجھو کہ آلِ محمدؐ کو صلہ رحمی کے بعد اپنی قرابت سے صلہ رحمی کی ضرورت نہیں بلکہ آلِ محمدؐ سے بھی صلہ رحمی کرو اور اپنی قرابت سے بھی قطع رحمی نہ کرو۔ نیز قرابتداروں کے علاوہ تمام مومنین کو ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنا چاہیے تاکہ ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں ہمدردی اور مواسات کو ضروری قرار دیں۔

وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ
اور ڈرتے ہیں سخت حساب سے ۔ اور جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضامندی
رَبِّہِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰہُمْ سِرًّا وَّ
کے لیے اور قائم کیا نماز کو اور خرچ کیا اُس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا چھپ کر اور
یَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عُقْبَی الدَّارِ ﴿۲۲﴾
ظاہر اور دور کرتے ہیں نیکی کے ذریعہ سے برائی کو ان کا انجام جنت کا گھر ہوگا
جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَہَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِہِمْ وَ
ہمیشہ کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے نیک بزرگ اور ان کے

تفسیر مجمع البیان اور دیگر کتب حدیث و تفسیر میں مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام نے بوقت وفات ستر دینار کی تقبیل حسن بن حسین بن علی بن حسین کی طرف بھیجی یہ آپ کا چچازاد تھا افطس کے لقب سے مشہور تھا۔ ایک کنیز نے عرض کی کہ حضور وہ تو آپ کو اچھا نہیں سمجھتا پس آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھ کر اس کو خاموش کر دیا۔

بروایت سماعہ آپ نے فرمایا زکوٰۃ کے علاوہ صلہ رحمی بھی انسان کے مال میں فرض و واجب ہے اور جس شخص نے اپنے فرائض ادا کر دیئے۔ اس کا حق ادا ہو گیا (برہان) نیز آپ سے مروی ہے کہ صلہ رحمی مال کو بڑھاتی ہے اعمال کا تزکیہ کرتی ہے حساب قیامت کو آسان کرتی ہے مصیبت کو دور کرتی ہے اور عمر کو بڑھاتی ہے۔ ایک روایت میں جناب رسالت مآبؐ سے منقول ہے والدین سے نیکی کرنا اور صلہ رحمی کرنا حساب آخرت کی منزل کو آسان کریں گے

سُوْٓءَ الْحِسَابِ :۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں ،

(۱) حساب میں باریکی کرنا اور ذرہ ذرہ کا حساب لینا اور اس کا ترجمہ ہم نے سخت حساب کیا ہے اور آئمہ کی طرف

maablib.org

سے مومنوں کو سخت حساب سے باہمی معاملات میں منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان و مجمع البیان میں ہے ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک آدمی کی شکایت کی۔ چنانچہ اتفاق سے وہ بھی اُسی وقت آن پہنچا پس آپ نے اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ شخص تیرا شکوہ کر رہا ہے اُس نے جواب میں عرض کی حضور! میں نے اس پر زیادتی کوئی نہیں کی بلکہ اپنا لین دین کا حساب اس سے لیا ہے البتہ حساب میں کسی چیز سے درگذر نہیں کیا گیا بلکہ میں نے کوڑی کوڑی کا حساب لیا ہے یہ سُنتے ہی امام عالی مقام کا چہرہ غصہ سے تلملا اٹھا سیدھے ہو بیٹھے اور ارشاد فرمایا کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ تو نے کوڑی کوڑی کا حساب لے کر کوئی بُرا نہیں کیا۔ خداوند کریم اسی کو قرآن مجید میں سوء الحساب سے تعبیر فرما رہا ہے۔ پس جس نے اپنے مومن بھائی سے اس طرح حساب لیا گویا اس نے اس کے ساتھ بُرا کیا۔ پس مومن کے ساتھ مومن کا سلوک یہ ہونا چاہیے کہ اپنے حق سے کچھ نہ کچھ تسامح اور درگذر کرلے تو بہتر ہے تاکہ سخت حساب کی بجائے نرم حساب کا پہلو ہو جائے۔

(۲) کا فروں سے سوء الحساب یہ بھی ہوگا کہ ان کی نیکیاں قابلِ جزا نہ ہوں گی اور بُرائی کوئی بھی معاف نہ ہوگی۔

(۳) ممکن ہے بُرے حساب سے مُراد بُرا ٹھکانا ہو گویا مجاز مرسل کے طریقہ سے جزا کو حساب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ
ازواج اور اولاد اور فرشتے ان پر داخل ہوں گے ہر دروازہ سے (یہ کہتے
بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾
ہوئے) کہ تم پر سلام ہو کہ تم نے صبر کیا ہے پس ان کا جنت کا گھر بہترین انجام ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوْا: - یعنی اپنے اوپر آنے والے مصائب میں صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور جن جن چیزوں سے خدا نے منع فرمایا تو صبر و ضبط سے کام لے کر اپنے نفس کو حلال پر صابر و شاکر رکھا نیز جن چیزوں کا خدا نے حکم دیا ان کی بجا آوری میں بھی صبر و استقلال اور ثباتِ قدمی کا مظاہرہ کیا اور یہ سب کچھ رضائے پروردگار کی خاطر کیا کوئی دوسری غرض ملحوظ خاطر نہ تھی۔ یہ یاد رہے کہ نیتِ خیر سے کارِ خیر قابلِ تعریف ہوتا ہے ورنہ اگر نیت فاسدہ سے کارِ خیر بھی سرزد ہو تو وہ لائقِ مذمت و نفرین بن جاتا ہے۔ مثلاً ایک فقیر و مسکین لاوارث عورت پر نیتِ خیر سے قربۃً الی اللہ خرچ کرنا موجبِ ثواب ہے لیکن اسی کارِ خیر میں اگر نیت یہ ہو کہ وہ زنا میں میرا ساتھ دے گی تو ایسی صورت میں اُس کا یہ خرچ کرنا قابلِ مذمت و باعثِ گناہ ہوگا۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ہم صابر ہیں لیکن ہمارے شیعہ زیادہ صابر ہیں کیونکہ ہم نے صبر کیا اپنے علم کے ماتحت اور ہمارے شیعہ جو صبر کرتے وہ صرف ہماری اطاعت کے لئے حالانکہ ان کو اس کا

علم نہیں ہوتا۔

اصبغ بن نباتہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا۔ صبر کی دو قسمیں ہیں ایک مصیبت پر صبر کرنا اور یہ صبر حسن اور جمیل ہے یعنی اچھا ہے لیکن اس سے زیادہ اچھا ہے وہ صبر جو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے عمل میں لایا جائے اسی طرح ذکر بھی دو قسم کے ہیں ایک مصیبت کے وقت اللہ کا ذکر اور اس سے افضل ہے حرام چیز سے بچنے کے لئے اللہ کو یاد کرنا۔

ایک حدیث میں حضرت امیر علیہ السلام جناب رسالت مآبؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر مصیبت پر (۲) صبر اطاعت پر (۳) صبر گناہ سے پس جو مصیبت پر صبر کرے اور دل میں سکون پیدا کرے تو اس کو تین سو درجہ کی بلندی نصیب ہو گی کہ ہر دو درجہ کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہو گا اور جو اطاعت پر صبر کرے اس کو چھ سو درجے عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان تحت الثریٰ سے عرش علا تک کا فاصلہ ہو گا اور جو گناہ سے صبر کرے گا اس کو نو سو درجے عطا ہوں گے کہ دو درجوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہو گا جو امکان کی آخری حد ہے ا

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اگر مومن اپنی مصیبت پر صبر کرے تو اس کے لئے ایک ہزار شہید کا ثواب ہو گا۔

آپ سے مروی ہے قبر میں نماز مومن کے دائیں زکوٰۃ بائیں اور نیکی و احسان اوپر سایہ فگن ہو گی تو صبر ایک گوشہ میں ہو گا جب فرشتے سوال و جواب کے لئے آئیں گے تو صبر کہے گا اے نماز زکوٰۃ اور مومن کی نیکیاں تم جواب دو۔ جہاں تم عاجز آؤ گے تو میں کافی ہوں گا۔ اسی بنا پر تو ہے کہ جب فرشتے مومنوں کو جنت کی مبارک باد کے لئے آئیں گے تو کہیں گے تم پر سلامتی ہے کہ تم نے صبر کیا تھا پس اس کا انجام یہ ہے کہ اب بہترین گھر میں تم آباد ہو۔

وَيَدْرَءُوْنَ۔ اس کے تین معانی کئے گئے (۱) اگر انسان سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو ساتھ ساتھ کوئی نیکی کر دے تاکہ وہ اس برائی کے انجام بد کے لئے سدّ راہ ہو جائے (۲) مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بُرا سلوک کرے تو اس کی برائی کا بدلہ اپنی جانب سے حسنِ سلوک کے ساتھ کرے گویا اس کے شر کو اپنی خیر سے دور کرے۔ (۳) گناہ کے بعد توبہ کر کے اس کی عقوبت سے محفوظ رہے اور اس مقام پر یہ سب معانی مراد لئے جا سکتے ہیں۔

اُولٰئِكَ: یعنی وہ لوگ جن میں یہ اوصاف پائے جائیں جو ابھی شمار کئے جا چکے ہیں (۱) عہد خداوندی کی وفا کرنا (۲) صلہ رحمی کرنا (۳) خوفِ خدا (۴) خوف یوم الحساب (۵) گناہوں سے صبر کرنا عبادت پر ثابت رہنا اور مصائب پر صابر رہنا (۶) نماز قائم کرنا (۷) راہ خدا میں خرچ کرنا (۸) برائی کو نیکی کر کے مٹانا یا توبہ کرنا انہی اوصاف والے لوگ قرآنی اصطلاح میں اولوالالباب یعنی دانشمند شمار ہوتے ہیں۔

وَمَنْ صَلَحَ۔ یعنی خدا جنت میں مومن کے کمال سرور کے لئے اس کے نیک و مومن والدین اور بیوی و بچوں کو یکجا

کردے گا تاکہ ان کے سب ارمان پورے ہو جائیں۔

اَزْوَاجِهِمْ۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ سے سوال کیا گیا کہ عورت و مرد جب دونوں مومن ہوں تو کیا جنت میں وہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے۔ آپ نے فرمایا خدا حاکم عادل ہے اگر مرد کا درجہ بلند ہوگا تو اس کو اختیار دیا جائے گا اگر وہ چاہے گا تو وہ عورت اس کو عطا کی جائے گی لیکن اگر عورت کا درجہ بلند ہوگا تو عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ چاہے گی تو وہ مرد اس کو ملے گا اور بروایت خصال حضرت ام سلمہ سے مروی ہے اُس نے حضور رسالت مآبؐ سے دریافت کیا کہ جس عورت کے دو شوہر ہوں اگر عورت اور اس کے دونوں شوہر اہلِ جنت سے ہوں تو پھر وہ عورت کس شوہر کے پاس جائے گی تو آپ نے فرمایا عورت کو اختیار دیا جائے گا پس وہ ان دونوں میں سے اس کو اختیار کرے گی جو اخلاق میں اچھا ہوگا۔ اے ام سلمہ حُسن خلق دنیا و آخرت کی خیر و خوبی حاصل کر لیتا ہے۔

مِنْ كُلِّ بَابٍ۔ بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک طویل حدیث میں جنتی مومن کی خوش حالی بیان فرمائی کہ پھر خدا ایک ہزار فرشتے کو مومن کی مبارک بادی کے لئے بھیجے گا جو اُسے جنت کی مبارک دیں گے اور حور جنت سے اس کی شادی رچائیں گے۔ چنانچہ وہ مومن کی جنت کے پہلے دروازہ پر پہنچ کر دربان فرشتے سے مومن کی ملاقات کی درخواست کریں گے کہ ہمارے لئے اللہ کے دوست سے اجازت طلب کرو۔ کیوں کہ ہم کو خدا نے تہنیت و مبارک باد کے لئے بھیجا ہے وہ کہے گا کہ میں ابھی سنتری فرشتے کو خبردار کرتا ہوں تاکہ تمہاری اطلاع اندر مومن تک پہنچائے اِس دربان فرشتے سے سنتری فرشتے تک تین جنتوں کا فاصلہ ہے پس اگلے دروازہ پر جا کر یہ اس کو خبر دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتہ مبارک باد کے لئے پہلے دروازہ سے باہر داخلہ کی اجازت چاہتا ہے تو وہ سنتری اگلے دروازہ کے چوکیدار کو اطلاع دے گا کہ اس سنتری اور اُس چوکیدار کے درمیان دو جنتوں کا فاصلہ ہے۔ پس وہ چوکیدار اُس مومن کے مخصوص رہائش گاہ کے دروازہ کے ملازمین کو اطلاع دے گا کہ اللہ کی جانب سے ایک ہزار فرشتہ اللہ کے دوست کو مبارک باد کے لئے دروازہ پہ اجازت کے خواہاں ہیں۔ پس وہ ملازمین مومن سے اجازت لے کر باہر اطلاع بھیجیں گے اس وقت وہ ایک عالی شان محل میں ہوگا جس کے ہزار دروازے ہوں گے اور ہر ہر دروازہ پہ ایک مخصوص ملازم فرشتہ تعینات ہوگا۔ پس تہنیت کرنے والوں کو اجازت ملے گی تو یہ فرشتے محل کے سب دروازے کھول کر کھڑے ہوں گے اور وہ فرشتے ایک ایک ہو کر ایک ایک دروازے سے گذر کر مومن کے پاس پروردگار کی جانب سے پیغام و سلام پہنچائیں گے اور مبارک باد پیش کریں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے کہ فرشتے ہر دروازہ سے داخل ہو کر سلام کہیں گے اور بتائیں گے کہ یہ تیرا انعام اس لئے ہے کہ تو نے صبر کیا اور یہ جنت کا گھر تیرا اچھا انجام ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ :- ویسے تو ہر عہد خداوندی کو توڑنے والے اور قطع رحمی کرنے والے اور فساد برپا کرنے والے آیت مجیدہ کے ہر دور میں مصداق بنتے رہے اور بنتے رہیں گے۔ کیوں کہ قرآن مجید کی آیات تاقیامت زندہ ہیں اور ان کے مصادیق تاقیامت پیدا ہوتے رہیں گے۔ لیکن اس آیت مجیدہ کے مصداق اولی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان کو اُس کے رسول کے سامنے تجدید عہد کرنے کے بعد دنیاوی و ظاہری فانی اقتدار کی خاطر توڑ دیا۔ اور اسلام میں فساد کی تخم ریزی کر کے ہمیشہ کے لئے اختلاف و انتشار کا سامان مہیا کیا اور یہ عہد ایک ایک سے تنہا نہیں تھا اور کسی بند مکان میں نہیں تھا بلکہ ایک لاکھ بیس ہزار حاجیوں کے مجمع میں غدیر کے کھلے میدان میں تھا اور صرف علی کی خلافت کا عہد زبانی نہیں تھا بلکہ عملی طور پر بیعت بھی ہوئی اور بخٍ بخٍ کی صدائیں بھی فضائے آسمانی میں ایک وقت تک گونجتی رہیں لیکن خدا کی قسم دل لرزتا ہے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ ہاتھ کانپتے ہیں آنکھیں فرط غم سے ڈبڈبا جاتی ہیں اور قلم تھراتا ہے کیسے لکھوں اور کیا لکھوں کہ غدیر میں عہد کرنے والی زبانیں کیونکر انحراف پر مائل ہوئیں۔ بخٍ بخٍ کا کلمہ کیوں کر فراموش ہوا اور بیعت کرنے والے ہاتھ کیسے بیعت لینے کے لئے بڑھے۔ اس داستانِ غم کو بیان کرنے سے مہر سکوت ہی بھلی ہے بس جو ہوا جس طرح ہوا اور جس لئے ہوا اوراق تاریخ میں اس دھاندلی کا غبار اب تک موجود ہے وہ آتشِ حسد جس کا دھواں کبھی علی و بتول کے دروازہ سے اُٹھا اور کبھی خیام آلِ محمدؐ کے خیموں میں شعلوں کی شکل اختیار کر گیا اُس کا دبایا ہوا خاکستر اب تک اموی تاریخ ساز تحریرات کی سیاہیوں میں موجود ہے جو کبھی کبھار چنگاریوں کی شکل میں اُبھر کر مشتعل ہونے کی کوشش کرتا ہے ہم

وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَ

اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو بعد پکا کرنے کے اور

یَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ

توڑتے ہیں جس کا حکم دیا ہے اللہ نے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں

فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

زمین میں ایسے لوگوں کے لئے لعنت ہے اور اُن کے لئے برا گھر (جہنم) ہے

اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ

اللہ کھول دیتا ہے رزق جسے چاہے اور تنگ دیتا ہے جسے چاہے (خوش ہو گئے (کشادہ رزق والے)

الدُّنْیَا وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ ع

دنیاوی زندگی پر حالانکہ دنیاوی زندگی آخرت کے مقابلہ میں عارضی فائدہ ہے

نے عیدِ غدیر احمد ولیعہدی کا امیر اور اس کا تعمل تفسیر کی پانچویں جلد میں مفصل بیان کیا ہے۔

رکوع نمبر ۱

وَيَقُولُ الَّذِينَ - کافر لوگ بہانے بنانے کے لئے کہا کرتے تھے کہ آپ پیچانو تجویز کردہ معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا حالانکہ وہ بیسیوں معجزے آپ سے ملاحظہ کر چکے تھے اور خود یہی قرآن کُلًّا د معجزۃً معجزہ ہے جس کا مقابلہ کرنا کسی انسان کے مقدر میں نہیں ہے لیکن وہ لوگ ازراہِ عناد خواہ مخواہ آپ کو ستانے اور مسلمانوں کو دکھ دینے کے لئے مجادلانہ دستور کو دہراتے ہوئے کہہ دیا کرتے تھے کہ کوئی معجزہ دکھاؤ۔ چونکہ ان کا سوال صرف معاندانہ تھا اس لئے اس کے جواب سے اعراض کیا گیا اور ارشاد فرمایا کہ ہدایت اور گمراہی کے دونو راستے تمہارے سامنے ہیں جو جس طرف کو چاہے کسی کو مجبور نہیں کیا جا سکتا آیت مجیدہ میں ہدایت اور گمراہی کی اللہ کی طرف نسبت اس لئے ہے کہ قبول کرنے اور نہ کرنے کی بنیادی طاقتیں اس کی عطا کردہ ہیں۔ اگرچہ وہ قبول کرنے یا نہ کرنے میں خود مختار ہیں اور تفسیر

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ

اور کافر کہتے ہیں کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر معجزہ اپنے رب کی طرف سے

قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ

کہہ دو تحقیق اللہ گمراہی میں رکھتا ہے جسے چاہے اور ہدایت پر لاتا ہے ان کو جو رجوع

أَنَابَ ﴿٢٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ

کریں۔ وہ جو ایمان لائیں اور مطمئن ہوں ان کے دل اللہ کے ذکر کے ساتھ

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

آگاہ ہو اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہو جاتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائیں اور عمل صالح

الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ ﴿٢٩﴾ كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَاكَ

کریں تو ان کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھی بازگشت ہے اسی طرح ہم نے تجھے بھیجا

کی دوسری جلد میں ہم وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔

الَّذِينَ آمَنُوا - اس کی ترکیب دو طرح سے ہو سکتی ہے۔

(۱) محلاً منصوب ہے مَنْ أَنَابَ سے بدل ہے اور يَهْدِي کا مفعول ہے یعنی ہدایت کرتا ہے ان کو جو رجوع کریں یعنی جو ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے ساکن و مطمئن ہوں۔

(۲) محلاً مرفوع ہے کیونکہ مبتدا مبدل منہ ہے اور بعد والا الَّذِينَ اس سے بدل ہے پس طُوبَىٰ لَهُمْ اس کی خبر ہے اور اس صورت میں أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ الخ جملہ معترضہ ہے۔

بِذِکْرِ اللّٰہِ ۔ اس مقام پر ذکر سے مراد یاد کرنا اور دل میں اس کے انعامات و اکرامات کا تصور کرنا ہے ۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں فرماتا ہے کہ اللہ کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں اور دوسرے مقام پر مومنوں کی تعریف میں فرماتا ہے اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ ۔ یعنی جب اللہ کا ذکر ہو تو ان کے دل دہل جائیں اور کانپ اٹھیں تو کیا یہ دونوں آیتوں کے مفہوم میں منافات نہیں ہے ؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں مقامات پر مفہوم الگ الگ ہے کیونکہ اس جگہ مقصد یہ ہے کہ جب مومن اللہ کی نعمتیں کرامتیں اور بے پایاں احسانات دیکھتا ہے تو طبیعت میں اطمینان و سکون پیدا ہوتا ہے اور دوسرے مقام پر مقصد یہ ہے کہ مومن جب اللہ کا رعب و جلال اور اس کی ہیبت و سطوت کی طرف نظر اٹھاتا ہے تو اس کا دل کانپ اٹھتا ہے اور مومن ہوتا ہی وہی ہے جس کا ایمان خوف اور رجا کے درمیان ہو پس دونوں آیتوں میں کوئی باہمی منافات نہیں ہے ۔

تفسیر صافی و برہان میں عیاشی سے منقول ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ اللہ کے ذکر اور حجاب ہیں اور ان کے ساتھ ایمان والے مطمئن ہیں ۔ اور روایات اہل بیت میں ہے کہ آیت مجیدہ میں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد شیعہ ہیں اور ذکر سے مراد علی اور اس کی اولاد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں اور قرآن مجید میں ایک مقام پر ذِکْرًا رَّسُوْلًا کی لفظ بھی ان روایات کی تائید کرتی ہے گویا آیت مجیدہ کا ظاہر وہ تھا جو پہلے بیان کیا گیا ہے اور باطن اور تاویل یہ ہے کہ تا قیام قیامت محمد و آل محمد یکے بعد دیگرے اللہ کا ذکر ہیں جو تمسک پکڑنے والوں کے لئے باعث سکون و اطمینان ہیں ۔

طُوْبٰی لَھُمْ ۔ طوبیٰ کے متعدد معانی کئے گئے ہیں اور سب کا مآل یہ ہے کہ اس کا انعام جنت ہوگا ۔ روایات اہلبیت میں ہے کہ طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل حضرت امیر علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر شیعہ کے گھر میں اس کی شاخ پہنچے گی اور اس کے ایک ایک پتہ کے نیچے ایک پوری امت سما سکے گی ۔ مروی ہے کہ حضرت رسالت مآب اپنی دختر نیک اختر کو بہت پیار کرتے تھے چنانچہ عائشہ کو یہ بات گوارا نہ ہوئی ۔ آپ نے فرمایا اے عائشہ شب معراج جب میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے جبریل طوبیٰ کے قریب لے گیا اور اس کا پھل مجھے دیا جو میں نے کھا لیا اور وہ میری پشت میں مادۂ تخلیق بنا پس زمین پر پہنچ کر میں خدیجہ سے ہمبستر ہوا تو وہ مادہ خدیجہ کے شکم میں منتقل ہوا اور جناب فاطمہ پیدا ہوئی ۔ پس جب بھی میں فاطمہ کو پیار کرتا ہوں تو شجرۂ طوبیٰ کی خوشبو محسوس کرتا ہوں ۔

ایک روایت میں ہے کہ اگر پرندہ سات سو برس پرواز کرتا رہے اس کی اصل کے گرد گھوم نہ سکے گا اور ہر جنتی کے گھر میں اس کی شاخ ہوگی ۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس شخص کے لئے طوبیٰ ہے جس نے ہمارے غائب کے زمانہ میں ہماری ولایت سے تمسک پکڑا اور اس پر ثابت قدم رہا ۔

بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا دین والوں کی کئی علامتیں ہیں جن سے وہ پہچانے جاتے ہیں ۔ سچ بولنا ۔ امانت کا ادا کرنا ۔ عہد کی وفا کرنا ۔ صلہ رحمی کرنا ۔ کمزوروں پر

رحم کرنا۔ عورتوں کی بات کم ماننا۔ لوگوں سے اچھا برتاؤ کرنا۔ خوش خلقی، حلم و حوصلہ۔ علم کی اتباع کرنا اور ہر وہ کام کرنا جو اللہ کے قرب کا باعث ہو ان کے لئے طوبیٰ ہو گا اور طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی اصل نبی علیہ السلام کے گھر میں ہے اور ہر مومن کے گھر میں اس کی ایک شاخ ہے پس مومن جس چیز کی خواہش کرے گا طوبیٰ کی شاخ پر وہ موجود ہو جائے گی اگر تیز رفتار سوار اس کے سایہ میں ایک سو سال تک دوڑے تو اس سے باہر نہ جا سکے گا اور اگر کوئی بُلند پرواز طائر اس کے نیچے سے اوپر کی طرف پرواز کرے تو اس کی بُلندی تک عمر بھر نہ پہنچ سکے گا بے شک اللہ کی اس نعمت میں رغبت کرو۔ کیونکہ مومن وہ ہے جس کو اپنا ہی خیال ہو اور دوسرے لوگ اُس کی طرف سے راحت میں ہوں پس رات کو مصلیٰ بچھا کر عبادت پروردگار میں مصروف رہے اور اپنی گردن کی آتش جہنم سے آزادی کا پروردگار سے سوال کرتا رہے۔ پس تم اسی طرح ہو جاؤ!

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہو جب دو مومن آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جس طرح درخت سے پتے گرتے ہیں۔ جب ایک دوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو فرشتے ان کو خیر کی دعا کرتے ہیں۔ اور جب دو مومن ایک دوسرے سے گلے ملتے ہیں تو ان کو منادی ندا کرتا ہے کہ تمہارے لئے طوبیٰ ہے اور جب ایک دُوسرے سے جُدا ہوتے ہیں تو دو فرشتے ان کو بشارت دیتے ہیں کہ اے اللہ کے دوستو جنت تمہارے لئے ہے۔

مروی ہے کہ حضورؐ سے طوبیٰ کے متعلق پُوچھا گیا تو فرمایا اس کی اصل میرے گھر میں اور شاخیں جنتیوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پھر جب دوبارہ سوال کیا گیا تو فرمایا اس کی اصل علی کے گھر میں اور شاخیں مومنوں کے گھروں میں ہوں گی۔ پس کسی نے دریافت کیا کہ حضورؐ یہ کس طرح ؟ تو آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو کیوں کہ میرا اور علی کا گھر جنت میں ایک جگہ ہو گا۔ اور مروی ہے کہ اس کا پھل جہاں سے توڑا جائے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل موجود ہو جائے گا۔ پس وہ جگہ خالی نہ رہے گی۔

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص تین مومنوں کو کھانا کھلائے خداوند کریم اس کو تین جنتوں سے کھانا کھلائے گا ایک فردوس، دوسرے جنت عدن اور تیسرے طوبیٰ۔

تفسیر برہان میں بروایت موفق بن احمد بلال سے منقول ہے کہ ایک روز حضرت رسالت مآبؐ ہمارے پاس تشریف لائے کہ ان کا چہرہ مبارک خُوشی سے چودھویں کے چاند کی طرح منوّر تھا۔ پس عبدالرحمٰن بن عوف نے دریافت کیا کہ حضور! آپ کی پیشانی میں یہ چمک اور نور کیسا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھے اپنے چچا زاد بھائی علی کے متعلق خوش خبری دی ہے کہ اُس نے اس کی شادی میری دختر نیک اختر فاطمہ کے ساتھ کر دی ہے اور خازن جنت رضوان نے بحکم پروردگار طوبیٰ کو حرکت دی تو اُس پر اس قدر رقعے پیدا ہو گئے جس قدر تا قیامت میری اہل بیت کے

محب ہوں گے اور خداوند کریم نے اس کے نیچے نورانی فرشتے پیدا کئے اور ہر فرشتے کو ایک ایک رقعہ سپرد کر دیا جب قیامت کے روز تمام انسان محشور ہوں گے تو وہ فرشتے ایک ایک رقعہ ہر محب اہل بیت کو دے گا اور وہ جہنم سے برائت نامہ اور جنت کا ٹکٹ ہوگا پس میرے بھائی علی اور میری بیٹی فاطمہ کی وجہ سے میری اُمت کے بہت سے زن و مرد جہنم سے نجات پائیں گے۔

شانِ نزول لِتَتْلُوَا عَلَيْهِمْ۔ آیت نمبر ۳۰ کے متعلق کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی جب کہ حضورؐ نے علیؑ سے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سہیل بن عمرو نے کہا ہم رحمٰن کو نہیں جانتے آپ لکھیں باسمک اللّٰھم اور یہی زمانۂ جاہلیت کا دستور تھا۔ پھر آپ نے فرمایا لکھو هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو فوراً مشرکین کہنے لگے اگر ہم آپ کو رسول اللہ سمجھیں تو آپ سے لڑیں کیوں؟ صاف اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوائیے بعض جوشیلے صحابہ نے جنگ کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا

فِیْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِیْٓ
ایک اُمت میں کہ تحقیق گذر چکیں اس سے پہلے اور اُمتیں تاکہ تو تلاوت کرے ان پر اس کی

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ
جو ہم نے تجھ پر وحی کی درحالیکہ وہ کفر کرتے ہیں رحمٰن کا کہہ وہ وہی میرا رب ہے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ
کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اس پر میں نے توکل کی اور اسی کی طرف میرا پلٹنا ہے اور اگر تحقیق

اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ
کوئی قرآن ہو کہ چلائے جائیں اس کے ساتھ پہاڑ یا شگافتہ کی جائے زمین یا

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ
بلوائے جائیں اس سے مردے (تو وہ یہی ہے) بلکہ سارا معاملہ اللہ کے قبضہ میں ہے کیا نہیں

نہیں بلکہ وہی کچھ لکھو جو یہ لکھواتے ہیں پس یہ آیت اُتری اور آیت نمبر ۳۱ کا شانِ نزول یہ ہے کہ چند مشرکین کعبہ کے پیچھے بیٹھے تھے پس آدمی بھیج کر انہوں نے رسول اللہ کو اپنے پاس بلایا چنانچہ آپ چلے گئے تو عبداللہ بن امیہ نامی ایک مشرک کہنے لگا اگر آپ چاہتے ہیں کہ تیری تابعداری کریں تو قرآن پڑھ کر مکہ کے پہاڑوں کو دور ہٹا دو تاکہ شہری آبادی کے لئے جگہ کشادہ ہو جائے کیونکہ اب زمین تنگ ہے نیز قرآن کے ذریعے سے زمین کو شگافتہ کر کے چشمے اور نہریں پیدا کر دیجئے تاکہ ہماری زمین آباد ہو کیونکہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ داؤد نبی سے کم نہیں ہے اور ہوا کو چلائے

maablib.org

لئے مسخر کر دے تاکہ سامان خورد و نوش لانے کے لئے شام تک بخوبی آمد و رفت کر سکیں کیوں کہ اپنے قول کے مطابق آپ کا درجہ سلیمان پیغمبر سے کم نہیں ہے اور ہمارے سامنے اپنے بزرگ قصی و دیگر اسلاف کو زندہ کر تاکہ ان لوگوں سے ہم پوچھ لیں کہ آپ سچ فرماتے ہیں یا نہیں پس ہماری تسلی ہو جائے گی کیونکہ حضرت عیسٰے مردوں کو جلایا کرتے تھے اور آپ بقول خود حضرت عیسٰے سے کم مرتبہ نہیں رکھتے پس یہ آیت کریمہ اتری۔

أَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ
کیا نہیں جانتے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو ہدایت کر دے

جَمِيعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا
اور ہمیشہ سے کافروں کو پہنچتا رہتا ہے بوجہ اپنے کئے کے کوئی عذاب

قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ
یا اترتا ہے ان کے گھروں کے قریب یہاں تک کہ آ جائے

وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (۳۱) وَلَقَدِ
وعدہ اللہ کا تحقیق اللہ نہیں وعدہ خلافی کرتا اور تحقیق

اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ
مسخری کی گئی رسولوں سے تجھ سے پہلے تو میں نے ڈھیل دے دی

كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ (۳۲) أَفَمَنْ
کافروں کو پھر ان کو پکڑ لیا تو کس طرح تھا میرا عذاب کیا وہ

أَفَلَمْ يَايْئَسِ ۔ یہاں یاس علم کے معنی میں ہے یعنی مومنوں کو علم ہے کہ اگر خدا چاہے تو جبراً سب لوگوں کو ایمان پر لائے لیکن یہ اس کی مشیت کے خلاف ہے۔

وَلَا يَزَالُ ۔ یعنی کافروں پر کوئی نہ کوئی عذاب آیا رہتا ہے۔ پس وہ اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے یہاں تک کہ فتح مکہ کے وعدہ کا وقت بھی آ جائے گا اور خدا اپنے وعدہ کو جھوٹا نہیں کرتا۔

تفسیر برہان میں بروایت کافی امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ ایک سائل کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ جناب رسالت مآبؐ تمام نبیوں سے اعلم تھے حضرت سلیمان بن داؤد ہدہد پر ناراض ہوئے تھے جب کہ وہ غائب تھا کیونکہ ہوا میں پرواز کے وقت وہ پانی کی نشاندہی کرتا تھا اور پرندہ کو خدا نے وہ علم دیا جو سلیمان کو نہ دیا کیونکہ وہ ہوا کے علاوہ جن و انس پر حکومت کے باوجود پانی کی تلاش میں پرندہ کا محتاج تھا اور رسولِ خدا کو قرآن دیا جس کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے پہاڑ چلائے

جا سکتے ہیں زمینوں کے فاصلے طے کئے جا سکتے ہیں اور مردے بھی زندہ ہو سکتے ہیں اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ہم ہی وہ ہیں جن کو خدا نے چُن لیا اور ہم ہی اس کتاب کے وارث ہیں۔

رکوع نمبر ۱۱۔ قُلْ سَمُّوْهُمْ۔ یعنی کیا تم ان کو خالق و رازق کا نام دے سکتے ہو؟ جن کی عبادت کرتے ہو

هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

ذات جو نگران ہے ہر نفس پر جو وہ کمائے (اس کی طرح کوئی دوسرا ہو سکتا ہے)

قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ

انہوں نے بنائے اللہ کے شریک کہہ دو کہ ان کے نام تو بتاؤ کیا خبر دیتے ہو اس کو ایسی بات

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ

کی کہ وہ نہیں جانتا زمین میں یا مہمل باتیں کرتے ہو بلکہ زینت دی گئی ہے کافروں کے لئے ان کی

وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ

فریب کاری اور روکا انہوں نے اللہ کی راہ سے (لوگوں کو) اور جس کو اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کو

هَادٍ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ

کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا ان کے لئے عذاب ہے زندگی دنیا میں اور

لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے اور نہیں کوئی اس کو اللہ سے

وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِىْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ

بچانے والا مثال اس باغ کی جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے

بِمَا لَا يَعْلَمُ۔ یعنی خدا کو تم اُس کے شریک کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہیں جانتا یعنی ہے ہی نہیں اگر ہوتا تو وہ جانتا۔

اَمْ بِظَاهِرٍ۔ یعنی ظاہری بوگس اور مہمل باتیں کرتے ہو جن کا واقع میں کوئی معنی نہیں ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ۔ مثل کا معنی شبہ ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی ہے صورت یا تعریف یعنی جنت کی صورت یا اس کی تعریف یہ ہے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مثل کا لفظ یہاں زائد ہے اور تحسین کلام کے لئے بڑھایا گیا ہے۔

اُكُلُهَا۔ یعنی اس کے پھلوں کی جگہ خالی نہ رہے گی۔ جب ایک پھل توڑا جائے گا تو اس کی جگہ دوسرا موجود ہو جائے گا اور بعضوں نے دوام کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ اس کا ذائقہ منہ سے زائل نہ ہو گا اسی طرح اُس کا سایہ دائمی ہو گا گویا جنت کی نعمتوں میں کمی یا انقطاع و بدمزگی

قطعاً نہ ہوگی۔

اِتَّقَوْا۔ تقویٰ کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ واجبات کو ترک نہ کیا جائے اور حرام کا ارتکاب نہ کیا جائے پھر اس کے اوپر درجہ بدرجہ مراتب ہیں اور حضرت علیؑ سب متقیوں کا امام ہے۔

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا تِلْكَ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ان کے پھل ہمیشگی ہیں اور سایہ بھی یہ انجام ہے

عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿٣٥﴾

ان کا جو تقویٰ کریں اور انجام کافروں کا دوزخ ہے

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے خوش ہوتے ہیں اس سے جو تجھ پہ نازل ہوا

اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ قُلْ اِنَّمَآ

اور ان فرقوں میں سے کئی لوگ انکار کرتے ہیں بعض کا کہہ دو کہ

اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ

بس میں تو مامور ہوں کہ عبادت کروں اللہ کی اور نہ اس کا شریک بناؤں اسی کی طرف بلاتا ہوں

اِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ

اور اسی کی طرف پلٹنا ہے اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا حکم عربی اور اگر تم

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

اتباع کرو ان کی خواہش کی بعد اس کے کہ تجھے علم ہو چکا ہے

اَلنَّارُ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ دنیا کی آگ دوزخ کی آگ کا ستر واں حصہ ہے جس کو ستر دفعہ بجھایا گیا اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی آدمی اس کی گرمی کو برداشت نہ کر سکتا اور جب بروز محشر اس کو دوزخ کی آگ پر رکھا جائے گا تو یہ دنیاوی آگ فریاد کرے گی کہ اس کی فریاد کو سن کر ملک مقرب اور نبی مرسل بھی گھبرا جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ۔ یعنی وہ اہل کتاب جو ایمان لا چکے ہیں قرآن کے نازل ہونے پر خوش ہوتے ہیں جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ۔ یعنی اسلام لانے والوں کے علاوہ باقی اہل کتاب اور جملہ مشرکین قرآن کے بعض احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کے مزاجوں اور رواجوں کے خلاف ہوں۔ مروی ہے کہ رحمٰن کا ذکر تورات میں بہت زیادہ ہے اور قرآن میں چونکہ کم تھا اس لئے

اسلام لانے والے یہودیوں کو بھی یہ بات کھٹکتی تھی پس یہ آیت اُتری قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰن یعنی اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو دونو جائز ہیں تو اسلام لانے والے خوش ہوگئے لیکن مشرکین کو یہ بات بالخصوص ناگوار گذری اور ان کو احزاب اس لئے کہا گیا کہ انہوں نے مل جل کر رسولِ خدا کے خلاف ایک حزب قائم کی تھی۔ یعنی منظم متحدہ محاذ قائم کیا تھا۔

وَكَذٰلِكَ۔ یعنی جس طرح سابق انبیاء پر ہم نے کتابیں اتاریں اسی طرح ہم نے تجھ پر بھی حکمت کی کتاب عربی میں اتاری۔ یہاں مُراد حکمت ہے اور حکم سے تعبیر کیا گیا ہے کیوں کہ اس میں حلال و حرام کے احکام موجود ہیں۔

رکوع نمبر ۱۲

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

تو نہ ہوگا تیرا اللہ سے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا اور تحقیق ہم نے تجھ سے

رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً

پہلے رسول بھیجے اور ان کے لئے ہم نے ازواج کا انتظام کیا اور اولاد کا

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ

اور نہیں جائز رسول کے لئے کہ معجزہ دکھائے مگر خدا کے اذن سے کیونکہ ہر کام کے

اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۤءُ وَيُثْبِتُ وَ

لئے ایک فیصلہ شدہ وقت ہے اللہ مٹاتا ہے جسے چاہے اور ثابت رکھتا ہے اور

اَزْوَاجًا۔ لوگوں نے رسولؐ پر کثرت ازواج کا اعتراض کیا کہ اگر حاملِ نبوّت ہوتا تو فرائض نبوت کی انجام دہی اور اس کی ذمہ داری اس کو شادیوں سے غافل کر دیتی۔ تو خدا نے ان کو اس کا جواب دیا ہے کہ شادی کرنا، یا کثرت ازواج فرائض نبوت کی بجا آوری کے منافی نہیں کیونکہ سابق انبیاء کی ازواج بھی تھیں اور ان کی اولادیں بھی تھیں مثلاً حضرت سلیمانؑ نبی کے گھر تین سو بیویاں اور سات سو کنیزیں تھیں اور حضرت داؤد پیغمبرؑ کے گھر میں ایک سو بیویاں تھیں۔ لہذا یہ بات قابلِ اعتراض نہیں ہے۔

مَا كَانَ۔ یعنی معجزہ کا دکھانا نبی کا اختیاری معاملہ نہیں ہے کہ جب چاہے اُس کو ظاہر کر دے بلکہ یہ اللہ کی مشیت کے تابع ہے اور ہر کام کے لئے ایک وقت معیّن ہے بعض مفسّرین کا کہنا ہے کہ آخری فقرے کا معنی معکوس ہے یعنی لِكُلِّ كِتَابٍ اَجَلٌ یعنی تورات زبور انجیل اور قرآن مجید میں سے ہر ایک کے لئے اللہ کے نزدیک ایک وقت مقرّر تھا۔

محو و اثبات ۔ يَمْحُوا اللّٰهُ۔ محو و اثبات کے کئی معانی کئے گئے ہیں (۱) احکام کا محو و اثبات مراد ہے

جب منسوخ وناسخ کہا جاتا ہے (۲) کراماً کاتبین کی تحریرات میں سے ان کو مٹایا جاتا ہے جو مباحات ہوں اور باقی کو برقرار رکھا جاتا ہے (۳) اپنے فضل و کرم سے قابلِ بخشش مومنوں کے گناہ بخشتا ہے اور قابلِ سزا لوگوں کے گناہ برائے عقوبت اپنے عدل کے ماتحت باقی رکھتا ہے (۴) ہر شے کے متعلق ہے مثلاً رزق و عمر وغیرہ جسے چاہے بڑھا دے جسے چاہے کم کر دے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ ہونے والے امور و واقعات کے علوم کے متعلق اللہ کے پاس دو دفتر ہیں ایک کتاب محو و اثبات دوسری ام الکتاب۔ پہلی کو لوحِ محو و اثبات اور دوسری کو لوحِ محفوظ بھی کہا گیا ہے پہلی کتاب کی رُو سے محو و اثبات جاری ہے مثلاً خداوند کریم نے عمر و رزق و بیماری و تندرستی وغیرہ میں اس کی مدت و اجل کے لکھ دی ہے لیکن ان کا کم و بیش ہونا یعنی محو و اثبات بھی بعض اعمال کے لحاظ سے مقدر کر دیا کہ فلاں شخص فلاں عملِ خیر کرے گا تو اس کا رزق یا عمر اتنا بڑھا دیا جائے گا اگر عملِ بد کرے گا تو اس قدر کمی کی جائے گی اسی بنا پر تو اس قسم کی دعائیں آئمہ سے منقول ہیں کہ اے اللہ اگر میرا نام اشقیاء کے دفتر میں ہے تو اُسے نیکوں کی فہرست میں کر دے اور جس طرح محو و اثبات جاری ہے اسی طرح تقدیم و تاخیر بھی جاری ہے اور اس کا علم بھی اللہ سبحانہ کے پاس ہے اور دعاؤں سے تقدیروں کے بدل جانے کا مقصد بھی یہی ہے۔ کہ کتاب محو و اثبات میں جو مقدر ہے وہ بدل سکتا ہے اور اسی کا علم انبیاء و اولیاء کو دیا جاتا ہے۔

عِندَهُۥٓ أُمُّ ٱلۡكِتَٰبِ ﴿٣٩﴾ وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ

کے پاس ام الکتاب ہے اور یا تجھے دکھائیں گے بعض وہ

بَعۡضَ ٱلَّذِي نَعِدُهُمۡ أَوۡ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا

جس کا ان سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے (اس سے قبل) اٹھا لیں گے

عَلَيۡكَ ٱلۡبَلَٰغُ وَعَلَيۡنَا ٱلۡحِسَابُ ﴿٤٠﴾

پس سوائے اس کے نہیں کہ تیرے اوپر پہنچانا ہے اور ہم پر حساب لینا ہے

چنانچہ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام فرمایا کرتے تھے اگر قرآن مجید میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں قیامت تک کے ہونے والے واقعات بتا دیتا میں نے پوچھا حضور! وہ کونسی آیت ہے تو آپ نے يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ الخ پڑھی۔

اسی طرح بروایت کافی و عیاشی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ علم دو قسم کے ہیں ایک علم مخزون جو اللہ کے پاس ہے اور اس نے مخلوق میں سے کسی کو اس پر مطلع نہیں فرمایا اور دوسرا علم وہ ہے جو اُس نے ملائکہ اور انبیاء کو تعلیم کیا ہے اور اس سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ جو علم اُس کے پاس ہے وہ جس کو چاہے

مقدم یا مؤخر کرے اور جسے چاہے محو کرے یا ثابت رکھے ، اور مقدر بدل جانے کے بعد جو صورت حال ہوتی ہے اس کو اصطلاح جعفریہ میں بدا سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس مسئلہ کی وضاحت تفسیر کی پانچویں جلد ص۱۹۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

محو و اثبات اور تقدیم و تاخیر کے بعد جو نتائج ہوتے ہیں اُن کا اندراج اُمّ الکتاب میں ہے جس کا علم سوائے پروردگار کے کسی کے پاس نہیں مگر وہ جسے جتنا چاہے دے دے۔ پس کتاب محو و اثبات میں جو مقدار رزق یا مقدار عمر وغیرہ ہے وہ غیر محتوم ہیں جو دعاؤں سے یا صدقات و خیرات سے زیادہ ہو سکتی ہے یا بداعمالیوں سے کم بھی ہو سکتی ہیں اور جو ام الکتاب میں مرقوم ہیں ان میں کمی یا بیشی اور تقدیم و تاخیر کا کوئی امکان نہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ بعض چیزیں کتاب محو و اثبات میں بھی ہوں اور بعینہٖ وہی اُمّ الکتاب میں بھی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کتاب محو و اثبات میں کچھ اور ہو۔ اور ام الکتاب میں اس سے اضافہ یا کمی موجود ہو۔

(۵) محو و اثبات کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ توبہ کے بعد وہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ان کی بجائے نیکیوں کو بحال رکھتا ہے (۶) زمین کی آبادی کے لئے ایک قرن کو مٹایا دوسروں کو آباد کیا وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

وَاِمَّا نُرِیَنَّکَ - یعنی مسلمانوں کے ساتھ جو فتوحات کے ہم نے وعدے کئے ہیں ان کی دو صورتیں ہیں یا وہ عین حیات تجھے دکھائیں گے یا تیری وفات کے بعد پورے ہوں گے لہٰذا ان کی انتظار نہ کیجئے۔ پس تیرا کام تبلیغ کرنا ہے اور حساب میرے ذمہ ہے کہ کفار کو اپنے کئے کا بدلہ دنیا میں دوں یا آخرت میں دوں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ
کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کی اطراف کو کم کرتے ہیں اور
وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۴۱)
اللہ حکم کرتا ہے کہ اس کے حکم کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور وہ جلد حساب لینے والا ہے
وَقَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِیْعًا ؕ
اور تحقیق فریب کیا ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس اللہ کے پاس سب تجویزیں ہیں

اَوَلَمْ یَرَوْا - زمین کی اطراف کو کم کرنے کی کئی وجوہ ذکر کئے گئے ہیں (۱) کفار کو تنبیہ ہے کہ تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہم زمین کی اطراف سے زمین پر بسنے والوں کو موت کے ذریعے سے کم کرتے رہتے ہیں ورنہ اگر یہ صورت نہ ہوتی تو زمین پر انسانوں کی جگہ نہ ہو سکتی گویا جانے والے آنے والوں کے لئے جگہ خالی کر کے جاتے ہیں اور زمین خدا آباد رہتی ہے خداوند عالم نے اپنی حکمت و صنعت کی طرف متوجہ فرما کر کفار کو دعوتِ فکر دی ہے۔ نیز اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ دوسروں کی موت کو دیکھ کر مطمئن نہ رہو کیونکہ ان کی طرح ایک دن تمہاری باری بھی آجائے گی۔ پس اپنے خالق کے

پہچاننے میں سُستی نہ کرو (۲) زمین کی اطراف کے کم کرنے کا مقصد علماء و فقہاء و علماء کی موت ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب عالم مرتا ہے تو اسلام میں ایک ایسی کمزوری پیدا ہوتی ہے جس کو کوئی شئی پُر نہیں کر سکتی (۳) یہ نہیں دیکھتے کہ ہم آباد زمین کو بنجر بنا دیتے ہیں یعنی آباد زمین کے اطراف کم ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس کا اُلٹ ہو جاتا ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ۔ جناب رسالت مآبؐ کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ لوگ انبیاء سے فریب کاری کرتے رہے ہیں اور اللہ کو ان کی سب مکاریاں معلوم ہیں اور وہ سب کو حسبِ مصلحت اُن کا بدلہ دے گا

علم الکتاب علی کے پاس ہے

كَفٰى بِاللّٰهِ۔ کافروں نے کہا کہ تو رسُول نہیں تو جناب رسالت مآبؐ کو حکم ہوا کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کا مصداق کون ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں (۱) اس سے مراد اللہ ہے (۲) اہل کتاب ہیں سے اسلام لانیوالے مراد ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اور سلمان فارسی وغیرہ (۳) حضرت علیؑ اور اس کی اولاد طاہرین علیہم السلام مراد ہیں۔ پہلا

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ

وہ جانتا ہے جو کماتا ہے ہر نفس اور عنقریب جان لیں گے کافر لوگ کہ

لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ

انجام کار اچھا گھر کس کا ہے اور کہتے ہیں وہ جو

كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا

کافر ہیں کہ تو رسول نہیں ہے کہہ دو کہ کافی ہے اللہ گواہ میرے

بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

اور تمہارے درمیان اور وہ جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے

قول باطل ہے کیونکہ اس کا اللہ پہ عطف ہے اور قاعدہ کی رو سے معطوف اور معطوف علیہ الگ الگ دو ہونے چاہییں دوسرا قول بھی باطل ہے کیونکہ یہ سورہ سب کا سب مکیہ ہے اور اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والے ہجرت کے بعد مدینہ میں مسلمان ہوئے لہٰذا ان کی شہادت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پس تیسرا قول حق ہے کہ اس کا مصداق حضرت علی اور اس کی اولاد آئمہ طاہرینؑ ہیں۔ اور کتب فریقین میں روایات بکثرت موجود ہیں کہ آیت مجیدہ میں مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ کا مصداق علی ہے۔

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس سے مراد ہم ہیں اور رسول کے بعد اس

کی کا پہلا مصداق حضرت علی ہے جو ہم سے افضل اور اکمل ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے آپ نے اپنے سینے کی طرف ہاتھ کا اشارہ کر کے فرمایا کہ خدا کی قسم کتاب پوری کا علم ہمارے پاس ہے اور شعبی سے منقول ہے کہ رسول کے بعد قرآن کا پورا علم علی اور اس کی اولاد طاہرین کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے اس نے کہا کہ اگر میں جانتا کہ کوئی شخص مجھ سے کتاب اللہ کا زیادہ عالم ہے تو میں اس کی شاگردی قبول کرتا پس فوراً کہنے والے نے علی کا نام لیا تو ابن مسعود نے کہا کہ کیا میں نے اس سے حاصل نہیں کیا یعنی میں ان کی شاگردی قبول کر چکا ہوں اور ان سے حسبِ استعداد علم حاصل کر چکا ہوں۔ علامہ حلی اعلی اللہ مقامہ نے آیت مجیدہ کو علی کی خلافت بلافصل کی دلیل قرار دیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب علی کا تمام اُمت سے اعلم ہونا ثابت ہو گیا تو اُسے ہی رسول کا قائم مقام اور خلیفہ بلافصل ہونا چاہیے

تفسیر صافی میں ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا ایک ہے الّذی عندہٗ علم الکتاب اور دوسرا ہے عندہٗ علم الکتاب ان دونوں میں کیا فرق ہے آپ نے فرمایا ان دونوں میں اتنا فرق ہے جتنا مچھر کے پَر پر آنے والے پانی اور سمندر کے پانی میں فرق ہے۔ پہلے کا علم آصف بن برخیا کا علم، مچھر کے پَر والے پانی کے قطرہ کی طرح ہے اور علی کا علم ایک موجزن سمندر کی طرح ہے اور آپ نے فرمایا وہ علم ہمارے پاس ہے۔ ہم نے اپنی تو تصنیف کتاب لمعۃ الانوار میں حضرت علی کا مقام علم وضاحت سے بیان کیا ہے۔

سُوْرَۂ اِبْرٰهِيْمْ

اس میں دو آیتیں مقتولین بدر سے تعلق رکھتی ہیں باقی سورہ مکیہ ہے اس کی آیات کی تعداد باون ۵۲ ہے جناب رسالتمآبؐ سے مروی ہے جس نے سورۂ ابراہیم و سورۂ حجر کی تلاوت کی اس کو بت پرستوں اور مرتدوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ اجر عطا ہوگا۔

○ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر جمعہ کو اپنی نماز کی دو رکعتوں میں سورہ ابراہیم و سورہ حجر کو پڑھے گا فقر۔ دیوانگی اور اچانک مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

○ تفسیر برہان میں خواص القرآن سے مروی ہے کہ اس سورہ کو سفید پارچہ پر لکھ کر بچہ کو باندھی جائے تو رونے سے ۔ ڈرنے سے اور ام الصبیان سے محفوظ رہے گا۔

○ دوسری روایت میں ہے کہ سفید پارچہ پر لکھ کر چھوٹے بچے کے بازو پر باندھی جائے تو وہ رونے ڈرنے اور دیگر امراض سے محفوظ ہوگا نیز اس کا دودھ چھڑانا آسان ہوگا۔

○ تفسیر مجمع البیان میں ابوالدرداء سے منقول ہے جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا جب پسّو مچھر اور کھٹمل وغیرہ تکلیف دیں تو ایک پیالہ میں پانی لو اور اس سورت کی آیت نمبر ۱۲ کو سات دفعہ پڑھو اور اس کے بعد کہو فَاِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَكُفُّوْا شَرَّكُمْ وَ اَذَاكُمْ عَنَّا بس اس پانی کو اپنی خواب گاہ کے ارد گرد چھڑک دو تو رات کو ان کی ایذا رسانی سے محفوظ رہو گے

○

رکوع نمبر ۱۳

اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ۔ یہ نور سے بدل ہے یعنی وہ نور اللہ کا راستہ ہے جو عزیز و حمید ہے پس نبی لوگوں کو کفر کی تاریکی سے اللہ کے راستہ کی دعوت دیتا ہے۔ بعد میں لفظ اللہ ممکن ہے کہ حمید سے بدل ہے اور ممکن ہے مبتدا ہو اور اَلَّذِیْ اس کی خبر ہو پس بدل ہونے کی صورت میں مجرور پڑھا جائے گا اور مبتدا ہونے کی صورت میں مرفوع ہو گا۔

وَیَبْغُوْنَهَا۔ ضمیر مونث کا مرجع سبیل ہے۔ اور سبیل کا لفظ مذکر و مونث دونوں طریقوں سے جائز ہوتا ہے۔ یعنی وہ اللہ کے سیدھے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے ٹیڑھے راستے تلاش کرتے پھرتے ہیں یا یہ کہ وہ دنیا کو غلط اور ناجائز طریق سے حاصل کرتے ہیں ورنہ اگر حلال طریق سے حاصل کریں تو پھر ان کی یہ محبت آخرت کی محبت سے منافات نہیں رکھتی۔

فَیُضِلُّ اللّٰهُ۔ اللہ کی طرف نسبت مجاز ہے کیونکہ طاقتوں کے دینے والا وہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

الٓرٰ یہ کتاب ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ نکالے لوگوں کو (کفر کی) تاریکیوں

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ

سے طرف نور (ایمان) کے ان کے رب کے اذن سے (یعنی) طرف راستے (اللہ کے) جو عزیز و

الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي

حمید ہے وہ اللہ جس کے لئے ہے وہ جو آسمانوں اور زمین میں

الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿۲﴾

ہے اور ویل ہے کافروں کے لئے سخت عذاب سے

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ

جو پسند کرتے ہیں زندگی دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں اور روکتے ہیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ

اللہ کے راستہ سے اور کجروی چاہتے ہیں ایسے لوگ بڑی گمراہی

ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ

میں ہیں اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اپنی قوم کی

بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ (۱) اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو وہ وقائع بتاؤ جو گذشتہ ایام میں سابقہ اُمتوں کے ساتھ گذرے (۲) ان کو اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کراؤ، جو تمام ایام میں ان پر ہوئیں (۳) ان کو اللہ کا قانون بتاؤ جو نیکوں اور بدکاروں کے ساتھ برتا جاتا ہے۔ (۴) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضرت قائم آل محمدؐ کا زمانہ ہے۔

بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ بلا کا معنی احسان بھی ہے۔ جس طرح تحت اللفظ ترجمہ کیا گیا ہے اور اس کا معنی آزمائش و مصیبت بھی ہوا کرتا ہے یعنی فرعونیوں کا تمہارے ساتھ یہ برتاؤ تم پر اللہ کی جانب سے سخت امتحان و آزمائش کا دور تھا تفسیر کی دوسری جلد میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے

قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ

زبان سے تاکہ ان کو سمجھا سکے پس گمراہی میں چھوڑتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ہدایت کرتا

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ④ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا

ہے جسے چاہے اور وہ غالب حکمت والا ہے اور تحقیق ہم نے بھیجا

مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ

موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نور (ایمان)

اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کی طرف اور ان کو یاد دلاؤ اللہ کے ایام تحقیق اس میں نشانیاں ہیں

لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ

ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لئے اور جب موسیٰ نے کہا تھا اپنی قوم

اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ

کو یاد کرو اللہ کی نعمت جو تم پر ہوئی کہ اس نے تم کو نجات دی آل فرعون سے

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ

جو چکھاتے تھے تم کو سخت عذاب اور ذبح کرتے تھے تمہارے

اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ

بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری لڑکیوں کو اور اس میں تم پر تمہارے رب کی

رکوع نمبر ۱۴

لَئِنْ شَكَرْتُمْ کتب تفاسیر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جس شخص پر خدا کی نعمت ہو پس وہ اس کا دل سے اعتراف

کرے اور زبان سے اس کی حمد کرے تو ابھی تک اس کی بات ختم نہیں ہوتی کہ خدا اس میں زیادتی کا فیصلہ کر دیتا ہے نیز
آپ سے مروی ہے کہ چھوٹی یا بڑی نعمت پر جب انسان الحمد للہ کہہ دے تو اس نے اس کا شکر ادا کر دیا اور بعض روایات
میں ہے کہ شکر کا معنی ہے حرام سے بچنا۔ تفسیر برہان میں امالی شیخ سے بروایت ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک روز
مسجد نبوی میں رسالتمآب تشریف فرما تھے اور مہاجرین و انصار میں سے صحابہ کا جم غفیر موجود تھا بدری و شجری سب

رَبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ
طرف سے بڑا احسان ہے اور جب تم کو اپنے رب نے خبر دی کہ اگر تم شکر کرو گے

لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷
تو میں زیادہ دونگا اور اگر تم نے کفر کیا تو میرا عذاب بھی سخت ہے

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ
اور فرمایا موسے نے اگر کفر کرو تم اور تمام زمین والے تو تحقیق اللہ

جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۸ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا
سب سے بے نیاز لائق حمد ہے کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ
خبر ان کی جو تم سے پہلے تھے قوم نوح و عاد و ثمود اور وہ لوگ جو ان

بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
کے بعد تھے جن کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ان کے پاس رسول آئے

موجود تھے۔ خدا کی نعمات کا ذکر چلا تو آپ نے صحابہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ بتاؤ تم پر خدا کی پہلی نعمت کونسی ہے۔ پس سب نے جان و مال و رزق و اولاد و ازواج کو گننا شروع کر دیا۔ جب خاموش ہوئے تو آپ علی کی طرف متوجہ ہوئے کہ ساتھیوں کی باتیں سن چکے ہو اب تم بتاؤ کہ اللہ کی پہلی نعمت کون سی ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں کچھ نہ تھا اور اس نے وجود عطا فرمایا۔ آپ نے فرمایا پھر دوسری؟ آپ نے جواب دیا کہ اس نے
مجھے زندگی بخشی۔ آپ نے فرمایا کہ تیسری؟ علی نے جواب دیا اُس نے مجھے اچھی شکل و صورت عطا کی۔ آپ نے
فرمایا کہ چوتھی؟ علی نے جواب دیا۔ اُس نے مجھے فکر کرنے والا بنایا غافل نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا کہ پانچویں؟ اس
نے مجھے سوچنے کی قوتیں عطا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چھٹی؟ اُس نے مجھے اپنے دین کی ہدایت کی کہ میں گمراہ

نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ ساتویں ؟ تو علی نے جواب دیا کہ اُس نے میرے لئے بازگشت ایسی بنائی کہ وہاں تنہا نہ ہوں گی۔ پھر آٹھویں ؟ اُس نے مجھے آزاد بنایا غلام نہیں بنایا۔ نویں ؟ اُس نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزیں میرے لئے پیدا کیں۔ دسویں ؟ اُس نے مجھے مرد اور حاکم بنایا عورت نہیں بنایا۔ آپ نے فرمایا آگے چلو تو علی نے عرض کی حضورؐ! خدا کی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ پس آپ ہنس پڑے اور فرمایا تجھے یہ علم و حکمت مبارک ہو تو ہی تو میرے علم کا وارث اور امت کا معلم ہے جو تیری اتباع کرے گا وہ صراط مستقیم پر ہوگا اور جو تجھے چھوڑ گیا وہ ذلیل ہوگا (ملخصاً)

فَرَدُّوْٓا۔ اس کے کئی معانی بیان کئے گئے ہیں (۱) وہ جو تحت اللفظ موجود ہے (۲) ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ خاموش ہو جاؤ (۳) اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیئے تاکہ نہ بول سکیں (۴) ان کے اپنے ہاتھ پکڑ کر ان کے منہ پر رکھ دیئے۔

بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا

واضح دلیلیں لے کر تو انہوں نے دغدغے، اپنے ہاتھوں کو کاٹا اور کہنے لگے تحقیق ہم

كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ

نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تحقیق ہم کو شک ہے جس کی طرف تم بلاتے ہو

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝٩ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ

تو اُن کو رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ وہ

ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ

بخشے تمہارے گناہ اور تمہیں مہلت دیتا ہے ایک وقت مقررہ تک کہنے لگے تم تو ہماری

اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا

طرح کے انسان ہی ہو تم چاہتے ہو کہ روک دو ہمیں اُس سے جس کی عبادت کرتے

كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ قَالَتْ

رہتے ہمارے باپ دادا تو کوئی واضح معجزہ لے کر آؤ کہا ان کو

لَفِيْ شَكٍّ یعنی تمہاری دعوت سے ہم کو شک ہے کہ شاید تم اپنے اقتدار کی خاطر ایسا کرتے ہو تو فرمایا واضح دلیلوں کے بعد اللہ میں شک کی کونسی گنجائش ہو سکتی ہے

اِنْ اَنْتُمْ ۔ قرآن تبلاتا ہے کہ کافر لوگ ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو بشر نہ ہو اگرچہ رسول ان کو سمجھاتے رہے کہ تمہاری طرح ہم بشر ہیں لیکن ہم پر خدا کا احسان ہے کہ ہم کو اُس نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن وہ بضد رہے کہ جو رسول ہو بشر ہو ہی نہیں سکتا آخر کار عذاب میں گرفتار ہوئے لیکن اپنی ضد کو نہ چھوڑا۔

لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ

رسولوں نے ہم تمہاری طرح بشر ہی ہیں لیکن خدا احسان کرتا ہے

عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ

جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں کوئی معجزہ

بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

مگر ساتھ اذن خدا کے اور اوپر اللہ کے ہی مومنوں کو توکل کرنی چاہیئے

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ

اور ہم کیوں نہ اللہ پر توکل کریں حالانکہ اُس نے ہمیں ہدایت فرمائی راستے کی

عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾

ہم صبر کریں گے اوپر اس کے جو تم ہم کو ستاؤ اور اللہ پر ہی توکل کرنیوالوں کو توکل کرنی چاہیئے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ

اور کہا کافروں نے اپنے رسولوں کو ہم تم کو ضرور نکال دیں گے اپنے شہر سے یا

اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِىْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ

واپس آجاؤ ہمارے دین پر تو وحی کی ان پر ان کے رب نے کہ ہم ضرور ہلاک کرینگے

رکوع نمبر ۱۵

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ ۔ ۱۵۵

چاہ کن را چاہ در پیش والی بات ہے جو دوسرے کے لئے کنواں کھودتا ہے وہ خود اُس میں گرتا ہے اسی طرح جو دوسرے کو برباد اور بے گھر کرنا چاہے وہ خود برباد اور بے گھر ہوتا ہے اور وہ مظلوم ہی ظالم کے گھر میں آباد ہو جاتا ہے چنانچہ اس قسم کے ہزاروں واقعات سنے اور دیکھے ہیں اور حدیث میں ہے وَمَنْ اٰذٰى جَارَهٗ وَرَّثَهُ اللّٰهُ دَارَهٗ جو اپنے ہمسایہ کو تکلیف دے خدا اُس ہمسایہ کو ہی اُس کا وارث بنا دیتا ہے اور آیت مجیدہ اسی مطلب کی ترجمانی کر رہی ہے۔

مِنْ وَّرَآئِهٖ ۔ یہ لفظ لغات اضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

مَآءٍ صَدِیْدٍ - امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد زانیوں کی شرمگاہ کا غلیظ پانی اور جناب رسالت مآب سے مروی ہے کہ جب یہ پانی ان کو دیا جائے گا تو وہ ناپسند کریں گے جب منہ سے لگائیں گے تو منہ جل جائے گا اور کھوپڑی اتر جائے گی جب پئے گا تو انتڑیاں ٹوٹ جائیں گی اور یہ دبر کے راستے سے نکل جائے گا اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص شراب پئے چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی اور اسی حال میں مرے گا تو اس کو جہنم میں یہی پانی پلایا جائے گا۔

الظّٰلِمِيْنَ ⑬ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَ

ظالموں کو اور ہم تم کو سکونت دیں گے زمین کی ان کے بعد اور

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ وَاسْتَفْتَحُوْا

یہ اس کے لئے ہے جس کو حساب کا ڈر ہو اور میری گرفت سے خوف کرتا ہو اور انہوں نے فتح

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ

طلب کی اور ناکام ہوا ہر متکبر سرکش اس کے آگے جہنم ہے اور پلایا جائیگا

يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ⑯ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ

اس کو پیپ بدبودار اس کے گھونٹ گھونٹ لے گا اور پی نہ سکے گا اور

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَ

اس پر موت ہر طرف سے آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور

مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ⑰ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اس کے پیچھے اور سخت عذاب ہو گا مثال ان کی جنہوں نے کفر کیا

بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ

اپنے رب سے ان کے عمل مثل اس خاکستر کے ہیں جس کو ہوا اڑا لے جائے

یَاْتِیْهِ الْمَوْتُ یعنی ہر طرف سے عذاب اس کو گھیرے گا کہ دنیا میں اس کا معمولی حصہ بھی موت کا باعث بن جاتا لیکن وہاں وہ عذاب میں مبتلا رہے گا اور موت نہ آئے گی کیوں کہ موت عذاب میں تخفیف کا باعث ہو جاتی ہے۔

مَثَلُ الَّذِیْنَ :- یعنی کفار کے اعمال بروز محشر قابل جزا نہ ہوں گے پس ان کے پاس سوائے حسرت کے اور کچھ نہ ہو گا۔

بالحق۔ یعنی آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش عبث نہیں ہے بلکہ خدا نے اپنی مشیت اور حکمت سے ہی اس کو درست اور بجا خلق فرمایا ہے۔

درد دل خداوند علیم و حکیم نے تقریباً ہر سورۂ قرآنی میں اکثر مقامات پر جہاں بھی اپنے وجود پر دلیل و برہان قائم فرمائی ہے اور اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو دعوت دی ہے اپنا خالق ہونا ضرور بیان کیا ہے

فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ

تیز آندھی کے دن نہ نفع حاصل کر سکیں گے اپنے کمائے سے کچھ

شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿۱۸﴾ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ

بھی یہ محرومی بہت سخت ہے کیا تم دیکھتے نہیں تحقیق

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ

اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اگر وہ چاہے تو تم کو ختم

وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۹﴾ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ

کردے اور نئی مخلوق کو لے آئے اور نہیں یہ بات اللہ پر

بِعَزِيزٍ ﴿۲۰﴾ وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ

ناشدنی اور لوگ نکل آئیں گے اللہ کے سامنے سب تو کہیں گے کمزور

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ

بڑوں کو تحقیق ہم تو تمہارے پیچھے چلتے تھے پس کیا تم بچاؤ گے ہمیں

تاکہ لوگ مسئلہ خلق کو سمجھ کر دعوت توحید کو سمجھیں لیکن دورِ حاضر میں قوم شیعہ پر سخت ترین آزمائش کا مقام ہے کہ قومی و مذہبی منبر پر ایسے طالع آزما بدضمیر دین فروش اور مذہب کے اصول و فروع سے اعلانیہ بغاوت کرنے والے لوگ مسلط ہو چکے ہیں جن کے ہاتھ میں مذہب ایک کھلونے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور ان کی نگاہوں میں دین کا لباس صرف سادہ لوح انسانوں سے مفاد حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس سلسلہ میں بعض علمائے سوء بھی شامل ہیں جنہوں نے منظم طور پر دین کی بنیاد کو کھوکھلا کرنے کا پروگرام مرتب کیا ہے اس سے قبل علماء اعلام اس بات سے نالاں تھے کہ نااہل لوگوں نے گانے کو فضائل آل محمد کے بہانے سے مذہبی و دینی رواج سمجھ رکھا ہے کو ہر گلوکار منبر حسینی پر سوار ہو گیا اب جبہ پوش علماء سوء نے اصول دین سے عوام کو باغی کرنے کے لئے منبر حسینی کو آلۂ کار بنا لیا ہے

چنانچہ آیاتِ قرآنیہ کی کھل کر مخالفت کی جاتی ہے اور حد یہ کہ خدا کی خالقیت اور رازقیت بلکہ اس کی جملہ صفاتِ مخصوصہ کو چیلنج کیا جاتا ہے اور آلِ محمدؐ کو خدا کا شریک ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے حتیٰ کہ بابانگِ دہل یہ نعرے کسے جاتے ہیں کہ خدا نے ان کو پیدا کیا اور انہوں نے سب مخلوق کو پیدا کیا حالانکہ آلِ محمدؐ خود ان مشرکانہ عقائد سے بری و بیزار ہیں اور ایسے عقائد والوں پر وہ لعنت کرتے ہیں۔ اب حالت یہ ہے کہ علمائے سُوء کے خطابیات سے متاثر ہو کر گلوکار طبقہ نے بھی کھل کر توحید سے نبرد آزمائی کو اپنا محبوب مشغلہ بنا لیا ہے۔ غلط سلط روایات کو اساس مذہب قرار دے کر عوام کی گمراہی کا سامان خوب فراہم کیا گیا ہے اسی داستان کو قرآن دہرا رہا ہے کہ کمزور عوام اس قسم کے متکبرین علمائے سوءٔ اور دیگر پیشوایان قوم اور صاحبان منبر حضرات سے خواہش کریں گے کہ ہم نے تمہارے پیچھے پڑ کر اپنے دین کا ستیاناس کیا تھا۔ کیا اب تم ہم کو عذاب سے چھڑا سکتے ہو تو وہ کہیں گے ہم خود مبتلائے عذاب ہیں تو تم کو کیسے چھڑائیں؟ آخر میں مایوس ہو کر کہیں گے کہ ہماری جزع فزع سے کچھ نہیں بنتا لہذا ہمارے لئے کوئی چھٹکارا نہیں ہے

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ

اللہ کے عذاب سے کچھ تو وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہم کو بچا لیا تو ہم

هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا

بھی تم کو بچا لیں گے برابر ہے کہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں

مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ

ہمارا چھٹکارا نہیں ہے اور ابلیس کہے گا جب فیصلہ ہو جائے گا

بے شک دنیا میں علمائے اعلام اگر توحید پروردگار کا علم بلند کریں اور آئمہ طاہرین کے ارشادات پیش کریں تو دین سے باغی گروہ ان کو وہابی و دشمن اہلبیت کے بُرے القاب سے یاد کر کے عوام کو ان کے خلاف بھڑکا لیتا ہے اور اپنا دنیاوی مفاد حاصل کرنے میں اُسے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے لیکن بارگاہِ پروردگار میں جب یہ معاملہ پیش ہو گا تو وہاں سوائے یاس و حسرت کے اور کچھ ان کے پاس نہ ہو گا۔

رکوع نمبر ۱۶

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس کو ستر طوق اور ستر جولانوں کے ساتھ محشور کیا جائے گا۔ لیکن ایک دوسرے شخص کو ایک سو بیس طوقوں اور جولانوں کے ساتھ لایا جائے گا تو شیطان ازراہِ حیرت پوچھے گا یہ دوسرا اسیر ثانی کون ہے تو کہا جائے گا یہ وہ ہے جس نے علی پر بغاوت کی تھی۔ شیطان کہے گا مجھے تو اُس دن سے ان کی معرفت ہو گئی تھی جب مجھے کہا گیا تھا کہ میرے خالص بندوں پر تجھے دسترس حاصل نہ ہو گی۔ تو نے ان کی دشمنی کا بھار کیسے اٹھا لیا تو وہ کہے گا کہ

تیرے کہنے سے میں نے یہ کام کیا تھا پس شیطان کہے گا اللہ نے جو وعدہ کیا تھا وہ ٹھیک تھا اور میرا وعدہ غلط ہے الخ بے شک ہر وہ آدمی جو شیطان کی دعوت پر اللہ کے دین اور دین والوں سے دشمنی کرے شیطان بروز قیامت اس سے بیزار ہوگا اور یہ شخص خوار اور شرمسار ہوگا۔

شجرہ طیبہ اور شجرہ خبیثہ الم تر کیف ان آیتوں میں کلمہ طیبہ سے مراد کلمہ توحید نبوت و ولایت ہے یعنی ایمان کی تعبیر ہے کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ سے مراد ہے عقیدہ کفر پس کلمہ طیبہ کی مثال عقول انسانیہ سے مطلب کو قریب تر کرنے کے لئے پاکیزہ درخت کو قرار دیا جیسے کھجور کا درخت مثلاً کہ اس کی جڑیں زمین میں ثابت ہوتی ہیں کہ تیز سے تیز آندھیاں اور طوفان اس کو گرا نہیں سکتے۔ اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں اور اذن پروردگار سے وہ چھ ماہ کے بعد پکتا ہے اور لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ ویسے تو حین کا معنی ہے وقت خواہ کوئی سا وقت ہو لیکن یہاں چھ ماہ کا عرصہ مراد ہے کیونکہ کھجور کا پھل چھ ماہ میں پکتا ہے اسی طرح ہر میوہ کے لئے اپنا اپنا وقت ہوا کرتا ہے

إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا

کہ تحقیق اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جو وعدہ کیا تھا اس کو پورا نہیں کیا اور میں

كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

نے تم کو زبردستی سے نہیں کہا تھا مگر یہ کہ میں نے صرف دعوت دی اور تم نے قبول کر لی

لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ

پس مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے نفسوں کو ملامت کرو اب نہ میں تمہاری فریاد سن سکتا ہوں

وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۗ

اور نہ تم میری سن سکتے ہو میں تو انکاری ہوں اس کا جو تم نے مجھے شریک بنا لیا اللہ کا اس سے پہلے

إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ

تحقیق ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہوگا اور داخل کئے جائیں گے وہ جنہوں نے

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے بہشت میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں وہ اللہ کے اذن

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿٢٣﴾

سے اس میں ہمیشہ رہیں گے ان کا آپس میں تحیہ سلام ہوگا

حتیٰ کہ علامہ حلی سے قواعد میں مذکور ہے اگر کوئی شخص نذر کرے کہ میں ایک حین تک روزہ رکھوں گا تو چھ ماہ کے
روزے اس پر واجب ہوں گے۔ اور اسی آیت مجیدہ کی ذیلی احادیث سے انہوں نے استدلال کیا ہے۔ پس

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ
کیا تم دیکھتے نہیں کس طرح بیان کی اللہ نے مثال کلمہ طیبہ (ایمان) کہ وہ مثل پاکیزہ درخت
طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِي أُكُلَهَا
کے ہے جس کی اصل ثابت ہو اور اس کی شاخ آسمان میں ہو کہ دے وہ اپنا پھل
كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ
ہر وقت باذنِ پروردگار اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں لوگوں کے لئے تاکہ
لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ
وہ نصیحت حاصل کریں اور مثال کلمہ خبیثہ (کفر) کی مثل درخت خبیث کے
خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾
ہے جو اکھاڑا جائے زمین کے اوپر سے جس کی کوئی جڑ نہ ہو
يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ
اور ثابت کرتا ہے اللہ ایمان والوں کو ساتھ قول ثابت کے زندگی دنیا میں اور
فِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾ ع
آخرت میں اور راہِ حق سے دور کرتا ہے ظالموں کو اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے

اسی طرح ایمان کی اصول
مومن کے دل میں اس
طرح ثابت ہوتی ہیں کہ
کفر والحاد کی تیز سے تیز تر
آندھیاں اور دین سے
باغی عناصر اور علمائے
سوء کی چکنی چپڑی باتیں
غرضیکہ اہل باطل کے
باطل پرور اور ایمان سوز
نعرے اور ان کی بے انتہا
دھاندلیوں اور بدتمیزیوں
کے طوفان مومن کے
دل میں جمے ہوئے اصول
عقائد کو متزلزل نہیں کر
سکتے پس اس کی شاخیں
یعنی مقام عمل میں اس
کا ثواب آسمان تک
پہنچتا ہے اور وہ اس
کی برکات ولذات
سے ہر وقت بہرہ ور
ہوتا رہتا ہے۔ احادیث آئمہ میں متواتر طور پر اس کی تاویل یہ بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضور رسالت مآب نے فرمایا میں شجرۂ طیبہ کی اصل ہوں علی فرع ہے اور آئمہ
اس کی شاخیں ہیں اور آئمہ کا علم اس کا پھل ہے اور شیعان آلِ محمد اس کے پتے ہیں آخر میں آپ نے فرمایا

جب کوئی شیعہ پیدا ہوتا ہے تو اُس درخت میں ایک نیا پتہ اگ آتا ہے اور جب کوئی شیعہ مرتا ہے تو اُس کا ایک پتہ گر جاتا ہے۔

اسی طرح کلمۂ خبیثہ یعنی کلمۂ کفر کی مثال ہے زمین پر پڑی ہوئی وہ ردی بوٹیاں جن کی جڑیں نہیں ہوتیں وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک آسانی سے منتقل ہو جاتی ہیں اور ہواؤں کے معمولی جھونکے ان کو تہس نہس کر دیتے ہیں اور احادیث آئمہ میں متواتر منقول ہے کہ اس کی تاویل بنی امیہ میں ہے۔

عالم برزخ کا حال

یُثَبِّتُ اللّٰہُ۔ یعنی مومنوں کو خدا قول ثابت پر یعنی کلمۂ ایمان پر ثابت رکھتا ہے پس وہ دنیا میں بھی لغزش نہیں کرتا اور آخرت کی نعمات سے بھی ہم کنار ہوتا ہے چنانچہ تفاسیر میں بحوالۂ کافی شریف سوید بن غفلہ سے مروی ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ انسان کی موت کے وقت اس کے مال اولاد اور عمل کی صورتیں اس کے سامنے آتی ہیں پس مال سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں نے بڑی محنت سے تجھے جمع کیا تھا اب تو میری کیا مدد کرے گا تو وہ جواب دے گا کہ مجھ سے صرف کفن ہی لے سکتا ہے اور پس پھر اولاد کی طرف مخاطب ہو گا کہ میں نے زندگی بھر تمہاری خدمت کی اب تم میری کیا مدد کرو گے تو وہ جواب دیں گے کہ ہم قبر میں دفن کر کے واپس آ جائیں گے پھر عمل سے خطاب کرے گا کہ خدا کی قسم میں تجھ سے لاپرواہ تھا اور تو مجھے اس وقت تاوان معلوم ہوتا تھا لیکن اب امداد کا محتاج ہوں کیا تو کچھ کر سکے گا تو جواب ملے گا کہ قبر و حشر اور دربار خداوندی میں تیرے ساتھ ہوں گا۔ پس اگر وہ مومن ہو گا تو بہت شائستہ اور خوبصورت منظر کے ساتھ اُس کے سامنے آئے گا اور اُس کو جنت کی بشارت دے گا۔ مومن پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ تو وہ جواب دے گا میں تیرا نیک عمل ہوں۔ وہ غسل دینے والوں اور میت کو اٹھانے والوں کو پہچانتا ہے اور ان کو جلدی کی تلقین کرتا ہے۔ پس جب قبر میں پہنچتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں جن کے بال اور دانت زمین تک پہنچتے ہیں ان کی آواز رعد کی کڑک اور ان کی آنکھیں بجلی کی چمک پیدا کرتی ہیں اور بروایت عیاشی حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ وہ منکر و نکیر کمر تک اس میں روح داخل کر کے اس کو سیدھا بٹھائیں گے اور پوچھیں گے تیرا رب کون ہے؟ کہے گا کہ اللہ ہے۔ وہ پوچھیں گے تیرا نبی کون ہے؟ جواب دے گا کہ محمد مصطفٰے ؐ ہے۔ اور پوچھیں گے تیرا دین کیا ہے؟ کہے گا کہ اسلام ہے پھر پوچھیں گے کہ تیرا امام کون ہے؟ تو جواب دے گا کہ علیؑ ہے پس ندا آئے گی کہ میرا بندہ سچ کہہ رہا ہے اس کو جنّت کا بستر دو۔ اور جنت کا لباس بھی پیش کرو اور اس کی قبر میں جنّت کی طرف دروازہ کھول دو۔ پس پہلی روایت کی بنا پر وہ فرشتے اس کو کہیں گے خدا تجھے ثابت رکھے اور اسی کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت پر دنیا و آخرت میں۔ پھر قبر میں نظر کی حد تک وسعت دی جائے گی اور وہ اس کی قبر میں جنت کا دروازہ کھول دیں گے اور کہیں گے کہ آرام سے سو جا جس طرح بے فکر جوان سویا کرتے ہیں اور اگر وہ کافر ہو گا تو وہ عمل بُری شکل میں اس کے

پیش

ہو گا۔ اور دوزخ کی بشارت دے گا اور قبر میں فرشتے اُس سے رب نبی اور دین کے متعلق پوچھیں گے تو وہ کہے گا مجھے کوئی پتہ نہیں ہے پس اس کے سر پر جہنم کا گرز ماریں گے کہ تمام ذی روح سوائے جنوں اور انسانوں کے اس کی آواز سن کر گھبرا جائیں گے پس اس کے لئے جہنم کا دروازہ کھلے گا جہنم کا فرش اور جہنم کا لباس اس کو دیا جائے گا۔ جہنم کے سانپ بچھو اس کو کاٹتے رہیں گے اور اس کا دماغ ناخنوں کے راستے سے پگھل کر باہر آئے گا اور تا قیام قیامت اسی میں گرفتار رہے گا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

رکوع نمبر ۱۷

اَلَمْ تَرَ۔ ان لوگوں کی مذمت ہے جنہوں نے نعمتِ پروردگار کے بدلہ میں بجائے شکر کے کفرانِ نعمت کیا۔ تفسیر برہان میں ہے بروایت اصبغ بن نباتہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا۔ بندوں پر اللہ کی عطا کردہ نعمت ہم ہیں اور قیامت کے روز جو کامیاب ہو گا پس وہ ہماری وجہ سے ہی ہو گا۔

وَیُنْفِقُوْا۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے مستحب صدقات خفیہ دیئے جائیں یا نوافل خفیہ ادا کئے جائیں تاکہ ریاکاری کی تہمت سے بچ جائیے اور فرائض کو اعلانیہ ادا کیا جائے تاکہ تارکِ واجبات نہ سمجھا جائے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا

کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے تبدیل کیا اللہ کی نعمت کو کفر سے اور اتارا اپنی

قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ

قوم کو ہلاکت کے گھر میں یعنی دوزخ جس میں جلیں گے اور وہ برا ٹھکانا

الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ

ہے اور انہوں نے بنائے اللہ کے شریک تاکہ گمراہ کریں اس کے راستہ

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ

سے کہہ دو کہ فائدہ اٹھا لو پس تحقیق تمہاری بازگشت جہنم ہے کہہ دو میرے ان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

بندوں کو جو ایمان لائے کہ قائم کریں نماز کو اور خرچ کریں اُس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے

اَللّٰهُ الَّذِيْ۔ خدا نے اپنی معرفت کے لئے پھر مسئلہ خلق کو دُہرایا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا۔ الخ اور تمام چیزوں کے شمار کے بعد دیدہ دانستہ انکار کرنے والوں یا اور تاویل نکالنے والوں کو ظالم اور کفار کے لفظ سے یاد فرمایا وَاٰتٰىكُمْ۔ یعنی انسان جو جو چیزیں مانگتا ہے۔ مثلاً رزق، تندرستی۔ مال گھر دولت اور بیوی بچے وغیرہ اُس نے یہ سب عطا فرمائی ہیں بلکہ اگر شمار کرنا چاہو تو اس کی نعمات حدِ حساب سے باہر ہیں۔ غالباً مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں مانگتے

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

چھپ کر بھی اور ظاہر بھی پہلے اس کے کہ آئے وہ دن جس میں نہ سودا بازی ہوگی اور نہ

وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

دوستانہ مراسم فائدہ دیں گے اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو

وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اور اتارا آسمان سے پانی پس پیدا کیا اس کے ذریعہ سے پھلوں سے تمہارا

رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ

رزق اور مطیع کیا تمہارے لئے کشتیوں کو کہ چلیں سمندر میں اس کے اذن سے

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

اور مطیع کیا تمہارے لئے دریاؤں کو اور مطیع کیا تمہارے لئے سورج اور چاند کو عادت

دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ

جاریہ کے ساتھ اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور تمہیں دیا ہر اس

كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

چیز سے جو تم نے سوال کیا اس سے اور اگر گننے لگو اللہ کی نعمتوں کو تو شمار نہ کر سکو گے

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ

تحقیق انسان بہت ظلم کرنے والا بے شکرا ہے اور جب کہا ابراہیم نے اے

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ

رب کر اس شہر کو امن والا شہر اور بچا مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ

ہیں۔ اس نے بے مانگے عطا فرمائی ہیں۔ پس وہ لائق شکر ہے

رکوع نمبر ۱۸

رَبِّ اجْعَلْ۔ اس مقام پر بلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہو چکے تو یہ دعا مانگی۔ اس کی تفصیل تفسیر کی دوسری جلد صفہ ۲۱۰ پر مذکور ہے وہاں بلداً نکرہ مستعمل ہے اور یہاں البلد الف ولام عہد خارجی سے معرفہ کیا گیا ہے کیونکہ نکرہ جب مکرر ذکر کیا جائے تو دوسری دفعہ اس پر الف ولام کا داخل کرنا قاعدہ عربی کا تقاضا ہے۔

وَاجْنُبْنِيْ۔ چونکہ آپ نے جب اولاد کے لئے امامت کی دعا کی تھی اور جواب ملا تھا کہ وہ ظالموں کو نہیں مل سکتی تو چونکہ شرک سب ظلموں سے بڑا ظلم ہے اس لئے اپنی اولاد کے لئے شرک سے بچنے کی دعا

کر رہے ہیں اور اپنے آپ کو اس میں شریک کرنے کا مقصد صرف ثابت قدمی کی توفیق طلب کرتا ہے جس طرح اِهْدِنَا میں ہدایت پر برقرار رہنے کی دُعا مطلوب ہوتی ہے پھر فرمایا کہ ان بتوں نے بہت سوں کو گمراہ کر رکھا ہے مقصد یہ ہے کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ پس نسبت مجازی ہے جس طرح خدا یا قرآن کی طرف یہ نسبت مجاز ہوا کرتی ہے۔

اَسْكَنْتُ سے اسمٰعیل اور اس کی والدہ ہاجرہ کو مکّہ کی زمین میں ٹھہرانے کا قصّہ تفسیر کی دوسری جلد صد ۲۱۳ پر گذرا ہے۔

نَعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ

عبادت کریں بتوں کی — اے رب تحقیق انہوں نے گمراہ کیا بہتوں کو لوگوں سے

النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ

پس جو میری اتباع کرے گا تو وہ مجھ سے ہوگا اور جو میری نافرمانی کرے گا تو تو ہی

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ

بخشنے والا رحیم ہے — اے رب تحقیق میں نے ٹھہرائی ہے اپنی اولاد ایک

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا

بوادی غیر آباد میں تیرے عزت والے گھر کے پاس تاکہ قائم

لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ

کریں نماز کو پس کر لوگوں کے دلوں کو کہ مائل ہوں

بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ جب حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا مانگی اس وقت یہ گھر نہ بنا تھا۔ بلکہ جب اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو کعبہ کی تعمیر کی گئی۔ پس مقصد یہ ہے کہ تیرے بننے والے گھر کے قریب میں اپنی ذریّت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں کیوں کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ بات معلوم تھی کہ یہاں بیت اللہ بنا ہے یا یہ کہ بیت اللہ پہلے موجود تھا پس طسم و جدیس کے قبیلوں نے منہدم کر دیا تھا یا یہ کہ طوفانِ نوح کے زمانہ میں اُوپر اٹھا لیا گیا تھا پس یہاں گھر سے مراد ہے گھر کا مقام وقوع

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً۔ لوگوں کے دلوں کو مائل کرنے کی دعا اس لئے کی تاکہ ان کی روزی کشادہ ہو ورنہ اگر لوگوں کے دل حج و عمرہ کی غرض سے یا تجارت کی نیّت سے اس طرف مائل نہ ہوں تو وہاں کے لوگوں کے لئے زندگی مشکل ہو جائے۔ مِنَ النَّاسِ پر مِن تبعضیہ لگا دیا۔ پس دعا کو مسلمانوں کے لئے خاص کر دیا ورنہ یہود و نصاریٰ و مجوس کی کثرت سے مکّہ میں جگہ تنگ ہو جاتی اور حضرت ابراہیم کی دعا کا نتیجہ ہے کہ ہر موسم میں مکّہ میں ہر ملک کا تازہ میوہ موجود ہوتا ہے۔

عَلَی الْکِبَرِ - بڑھاپے کے زمانہ میں آپ کو اولاد عطا ہوئی - چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں ہے جب آپ کی عمر ۹۹ برس تھی حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے اور جب آپ کی عمر ۱۱۲ برس تھی تو حضرت اسحٰق پیدا ہوئے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت اسحٰق سے سن و سال میں ۱۳ برس بزرگ تھے اور بعض روایات میں حضرت اسحٰق کا بڑا ہونا بھی مذکور ہے - اور حضرت ابراہیم کا ایک تیسرا لڑکا بھی بعض کتب میں منقول ہے - جس کا نام مدین تھا -

إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿٣٧﴾ رَبَّنَا

ان کی طرف اور ان کو رزق دے پھلوں سے تاکہ وہ شکر گذار ہوں اے رب

إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِن

تحقیق تو جانتا ہے جو ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور نہیں مخفی رہتی اللہ پر کوئی چیز زمین میں

شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿٣٨﴾ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي

نہ آسمان میں حمد ہے اس اللہ کی

وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمٰعِيلَ وَإِسْحٰقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ

جس نے بخشا مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق تحقیق میرا رب دعا کا

الدُّعَآءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي

سننے والا ہے اے رب کر مجھے ادا کرنے والا نماز کا اور میری اولاد میں سے

مروی ہے کہ جب آپ نے دعا مانگی کہ لوگوں کے دلوں کو میری اولاد کی جانب سکونت کی طرف پھیر دے تو حکم ہوا کہ کوہ ابوقبیس پر چڑھ کر لوگوں کو دعوت دو چنانچہ آپ نے کوہ ابوقبیس پر کھڑے ہو کر حج بیت اللہ کی طرف لوگوں کو بلایا اور بقدرت خدا مشرق و مغرب تک آپ کی آواز پہنچی حتیٰ کہ قیامت تک ہونیوالوں میں سے جن جن لوگوں کے ارواح نے آپ کی دعا پر لبیک کہی وہی حج پر موفق ہوتا ہے - (برہان)

رَبِّ اجْعَلْنِیْ - آپ نے اپنے لئے اور اپنی ذریت کے لئے نمازی ہونے کی دعا کی - بروایت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہم ہی حضرت ابراہیم کی ذریت کا بقیہ ہیں -

تفسیر برہان میں اختصاص مفید سے مروی ہے کہ بنی اُمیہ میں سے ایک شخص جس کا نام سعد تھا عبدالعزیز بن مروان کی اولاد میں سے تھا - حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس کو سعد الخیر کے نام سے یاد فرماتے تھے - ایک دن وہ روتا ہوا آیا آپ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ اس نے عرض کی میں اس لئے روتا ہوں کہ میں قرآن میں مذکورہ شجرہ ملعونہ کا فرد ہوں تو آپ نے فرمایا نہیں نہیں تو ہم میں سے ہے اگرچہ نسل کے لحاظ سے اموی ہے - دیکھو حضرت ابراہیم

کی دعا میں ہے کہ جو میری اطاعت کرے گا وہ مجھ سے ہوگا۔
وَلِوَالِدَیَّ۔ حضرت ابراہیم کا والدین کی بخشش کے لئے دعا کرنا اُن کے مومن ہونے کی دلیل ہے کیونکہ مشرک کی بخشش کی دعا بالکل عبث ہے۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

اے رب تو قبول کر دعا کو — اے رب مجھے بخش اور میرے والدین کو بخش اور مومنوں

يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا

کو جس دن قائم ہو حساب — اور نہ سمجھو خدا کو غافل اس سے جو

عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

ظالم کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں ان کو مہلت دیتا ہے اس دن کے

فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

لئے جس دن ٹکٹکی باندھیں گی آنکھیں جلدی کرنے والے ہوں گے سروں کو اوپر بلند کرنے والے ہونگے

إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ وَأَنْذِرِ النَّاسَ

کہ ان کی نظر (ہول محشر سے) واپس نہ پلٹے گی اور ان کے دل خالی ہونگے اور ڈراؤ لوگوں کو جس

يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا

دن آئے گا ان پر عذاب تو کہیں گے وہ جو ظالم ہیں اے پروردگار

أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ

ہمیں مہلت دے ایک وقت قریب تک ہم تیری بات مانیں گے اور رسولوں کی

رکوع نمبر ۱۹

ہول محشر

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ۔ یعنی محشر کے ہول و ہیبت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور بلانے والے کی آواز کی طرف جلدی سے دوڑتے ہوئے جائیں گے (مُهْطِعِينَ کا معنی تیزی کرنے والے) اور ان کے سر بلند ہوں گے آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی نیچے دیکھنے کی ہمت تک نہ ہوگی (اقناع کا معنی بلند کرنا ہے) اور تحیر و رعب کی وجہ سے آنکھیں بند ہونا تو درکنار جھپکائی بھی نہ جا سکیں گی اور ان کے دل ہر محبت تعلق اور رشتہ کی طرف میلان سے بالکل خالی ہوں گی جس طرح آسمان و زمین کے درمیان ہوا کی حالت ہے۔ بس جنت و جہنم کا تصور تک ان کے دل سے اڑ جائیگا صرف ہیبت و رعب ہی کا منظر ہوگا۔

الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ

اطاعت کریں گے (تو جواب ملے گا) کیا تم نے قسم نہیں کھائی تھی پہلے (دنیا میں) کہ تمہارا یہاں

زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

سے جانا نہ ہوگا اور مطمئن ہو کر بیٹھ گئے ان لوگوں کے گھروں میں جنہوں نے اپنے اوپر

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

ظلم کیا اور تم کو معلوم تھا کہ ہم نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا اور ہم نے تم کو ان کی مثالیں دی تھیں

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ

اور تحقیق مکر کیا انہوں نے بڑا مکر اور اللہ کے پاس محفوظ ہے ان کا مکر اور اگرچہ مکر ان کا

مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ

ایسا ہو کہ اس کے ذریعہ پہاڑ متزلزل ہو جائیں پس نہ خیال کرو اللہ کو کہ خلاف

مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

کرے گا اپنے اس وعدہ کا جو اُس نے رسولوں سے کیا تحقیق اللہ غالب انتقام لینے والا ہے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا

جس دن بدلی جائے گی زمین علاوہ اس زمین کے اور آسمان بھی اور سب لوگ

لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ

نکلیں گے اللہ کے سامنے جو واحد قہار ہے اور دیکھو گے مجرم لوگوں کو اس دن

يَقُوْلُ ۱۶۵ عذاب کا منظر دیکھ کر ظالم کہیں گے۔ ایک مرتبہ ہمیں واپس دنیا میں جانے کی مہلت دی جائے تو ہم اللہ کی دعوت کو قبول کریں گے اور نبیوں کی بھی اطاعت کریں گے لیکن ان کی اس درخواست کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

عِنْدَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے پاس ان کے مکر و فریب کی خبر محفوظ ہے کہ وہ ان کو دے گا۔

وَاِنْ كَانَ۔ ان کو وصلیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کے مکر و فریب اس قدر مضبوط تھے کہ ان سے پہاڑ ہل جاتے لیکن قرآن و اسلام کی بنیادیں دلیل و برہان کے لحاظ سے اس قدر پختہ ہیں کہ ان کو متزلزل کرنا مشکل تر ہے اور اگر اس کو شرطیہ قرار دیا جائے تو معنی یہ ہے کہ اگر ان کا مکر پہاڑ کو ہلا دے تب بھی قواعد اسلام کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا کیونکہ دلیل و برہان کی رو سے اس کی بنیاد پہاڑوں سے مضبوط تر ہے لیکن ان کا مکر تو پہاڑوں کو گرانے سے بھی قاصر

ہے پس وہ اسلام کا کیا بگاڑ سکتا ہے؟

ہر دور میں مکار و فریب کار لوگ دین والوں سے برسرپیکار رہتے ہیں۔ چنانچہ اپنے زمانہ میں نمرود نے توحید کو باطل کرنے اور عوام الناس کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کے لئے یہ ڈھونگ رچایا کہ ایک غبارہ نما صندوق بنایا اور لمبی لمبی لکڑیاں اس کے ساتھ باندھ کر اوپر گوشت باندھ دیا پھر اس غبارہ نما صندوق میں خود اپنے وزیر کے ساتھ بیٹھ گیا اور گدیں پکڑوا کر ان کے پاؤں کے ساتھ صندوق کو باندھ دیا اس اندازہ سے کہ وہ اڑ کر گوشت تک پہنچ نہ سکیں چنانچہ جب انہوں نے گوشت کو دیکھا تو اس کی طرف پرواز کی۔ پس وہ صندوق بھی بلند ہو گیا اور گوشت جو اوپر بندھا ہوا تھا وہ اور اوپر کو بلند ہو گیا بس جونہی وہ گدیں اوپر پرواز کرتی تھیں صندوق اٹھتا جاتا تھا اور اس کے ساتھ گوشت بھی بلند سے بلند ہوتا جاتا تھا۔ چنانچہ کافی وقت گذر جانے کے بعد نمرود سمجھا کہ اب آسمان تک پہنچ گیا ہوں گا۔ اوپر کا دروازہ کھولا تو آسمان اتنا دور نظر آیا جس قدر زمین سے نظر آتا تھا۔ پھر زمین کی طرف کا دروازہ کھولا تو وہ نظر سے غائب تھی

مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٤٩﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَ

بندھا ہوا زنجیروں میں ان کی قمیصیں تارکول کی ہوں گی اور ڈھانپے

تَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿٥٠﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ

گی ان کے چہروں کو آگ تاکہ جزا دے اللہ ہر نفس کو جو اس

مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾ هَٰذَا بَلَاغٌ

نے کمایا تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے یہ قرآن اتمام حجت ہے

لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ

لوگوں کے لئے اور تاکہ اس کے ذریعے سے ڈر جائیں اور جان لیں کہ صرف اللہ ایک ہی

وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع ١٩

ہے اور تاکہ نصیحت حاصل کریں دانش مند

پس اوپر جانے سے حوصلہ پست ہو گیا گدوں کو آزاد کر دیا اور صندوق زمین پر آن پہنچا۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی امام زین العابدین علیہ السّلام سے منقول ہے کہ اس زمین کے علاوہ دوسری زمین لائی جائے گی جس پر کوئی گناہ واقع نہ ہو گا اور وہ بالکل صاف و ہموار ہو گی نہ اس پر پہاڑ ہوں گے اور نہ نباتات کا نشان ہو گا۔ اور تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اس کے ٹیلے گھاٹیاں اور پہاڑ و جھاڑیاں سب ختم کی جائیں گی اور چاندی کی طرح سفید زمین ہو گی۔ جس پر نہ خون ریزی کی گئی ہو گی اور نہ کوئی گناہ اس پر واقع ہو گا اور آسمان کی

تبدیلی اس طرح ہوگی کہ سورج چاند اور ستاروں سے بالکل خالی ہو گا اور بعض کہتے ہیں کہ آسمان کی جگہ ایک دوسرا آسمان لایا جائے گا۔ بہرکیف موجودہ صورت سے وہ صورت الگ ہو گی خواہ اس کی کیفیت جو بھی ہو۔ اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کر اپنے حساب و کتاب کے لئے اپنے پروردگار کے پیش ہوں گے۔ مجرمین زنجیروں میں اپنے اپنے شیطانوں کے ساتھ محشور ہوں گے۔ چنانچہ وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا یہی معنی بعضوں نے کیا ہے۔

سَرَابِیْلُهُمْ۔ یعنی سزا کے طور پر ان کے جسم پر تارکول لگایا جائے گا جو بحیثیت قمیص کے ہو جائے گا تاکہ آگ کو جلدی قبول کرے۔ بعض کہتے ہیں وہ پگھلا ہوا تانبا یا پیتل ہو گا۔ لیکن ان کے منہ پر قطران نہ ہو گا اور ان کو جلانے کے لئے خود آگ براہِ راست پہنچے گی۔

تفسیر صافی میں بروایت کافی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو لوگ خوشنودی خدا کے لئے ایک دوسرے سے محبت رکھیں گے وہ ہول محشر کے وقت یمین عرش میں عرش کے سایہ میں زبرجد کی زمین پر ہوں گے نیز اسی کتاب میں آپ سے مروی ہے کہ اسی زمین پر جب سے یہ پیدا ہوئی ہے اولادِ آدم سے قبل سات عالم گذر چکے ہیں جو ذرّیت آدم نہ تھے پس وہ یکے بعد دیگرے اس زمین پر رہے۔ پھر آدم آیا اور اس کی ذرّیت سے زمین آباد ہوئی اور جب سے جنّت پیدا ہوئی وہ مومنوں کے ارواح سے خالی نہیں ہوئی اور جب سے دوزخ پیدا ہوا وہ بھی ارواح کافرین سے خالی نہیں ہوا۔ تو تم کیا سمجھے کہ اہل جنّت کے جنّت میں جانے کے بعد اور اہل دوزخ کے دوزخ میں جانے کے بعد زمین خدا میں اس کی عبادت کرنے والا اور اس کی توحید کا پرستار اور اس کی عظمت کا ذاکر کوئی نہ ہو گا۔ ایسا نہیں بلکہ وہ نر و مادہ کے بغیر ایک مخلوق پیدا کرے گا جو اس کی توحید و تمجید و تحمید بیان کریں گے اور ان کی رہائش کے لئے زمین بھی ہو گی اور آسمان بھی ان پر سایہ فگن ہو گا اسی لئے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اس زمین کے علاوہ کوئی دوسری زمین اور اس آسمان کے علاوہ کوئی دوسرا آسمان لایا جائے گا۔

maablib.org

سُورَۂ حِجرْ

آیت نمبر ۸۸ کے علاوہ سب سورہ مکیہ ہے۔ اور سورہ یوسف کے بعد اترا ہے۔ اس کی کل آیات ۹۹ ہیں۔

تفسیر برہان میں کتاب خواص القرآن سے منقول ہے حضورؐ نے فرمایا جو اس سورہ کی تلاوت کرے مہاجرین و انصار کے برابر اس کی نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا۔ اگر بازو کے ساتھ باندھ کر خرید و فروخت کرے تو اس کے ساتھ خرید و فروخت اچھی رہے گی اور لوگ اس سے معاملہ کرنا پسند کریں گے اور جب تک اس کے پاس رہے گا رزق میں وسعت ہوگی

امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ زعفران سے لکھ کر تھوڑے دودھ والی عورت کو پلایا جائے تو اس کا دودھ بڑھ جائے گا اور جو شخص اس کو لکھ کر اپنے خزانہ میں رکھے یا اپنے جیب میں ڈالے اور اُس کے ساتھ سفر کرے تو اس کا کسب ترقی کرے گا اور کوئی شخص اُس سے معاملہ کرنے میں گریز نہ کرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ①

الٓرٰ - یہ کتاب اور قرآن مبین کی آیتیں ہیں

وَقُرْاٰنٍ ۔ کتاب سے کلام مکتوب اور قرآن سے کلام ملفوظ مراد ہے اور اسی معنوی اختلاف کی وجہ سے عطف مستحسن ہے اگرچہ عطف کے جواز کے لئے صرف اختلاف لفظی بھی کافی ہوا کرتا ہے۔

پارہ ۱۴

MAAB 1431
maablib.org

رکوع نمبرا

رُبَمَا۔ اہل مدینہ اور عاصم نے اس کو اسی طرح پڑھا ہے لیکن باقی قاریوں نے رُبَّمَا یعنی شد کے ساتھ پڑھا ہے۔ نحویوں کے قانون کی رُو سے رُبَّ کے بعد آنے والا مَا دو طرح کا ہوتا ہے (۱) نکرہ اور یہ شی کے معنی میں ہوتا ہے یعنی رُبَّ شَیْءٍ۔ اور آیت مجیدہ میں رُبَّ وُدٍّ یَوَدُّہٗ کی تاویل میں ہوگا (۲) دوسری صُورت یہ ہے کہ مَا کافہ ہوگا جو اپنے مدخول کو اپنے عمل سے روک دینے کے علاوہ اور کوئی معنی و اثر نہیں رکھتا اور یہی وجہ ہے کہ فعل پر داخل ہو رہا ہے ورنہ اس کو اسم پر داخل ہو کر اُسے جر دینی چاہیئے تھی۔ اور حق تو یہ ہے کہ اس کے بعد والا فعل ماضی ہو لیکن یَوَدُّ چونکہ حکایتِ حال ماضی کے لئے ہے اگرچہ وہ مستقبل میں ہی ہو گا۔ اس لئے اس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور رُبَّ کو تخفیف کے ساتھ یعنی شدّ کے بغیر پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ عربی میں اکثر مضاعف (مشدّد) حروف میں کسی

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۲ ذَرْهُمْ

بعض اوقات دوست رکھتے ہیں کافر کہ کاش مسلمان ہوتے ان کو

يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۳

چھوڑ دیجئے کھائیں اور نفع اٹھائیں اور ان کو غافل کریں اُمیدیں پس عنقریب جان لیں گے

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۴

اور ہم نے نہیں ہلاک کیا کسی بستی کو مگر یہ کہ ان کے لئے وقت مقرر تھا

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۵ وَ

نہیں سبقت کرتی کوئی اُمّت اپنی مقررہ مدّت سے اور نہ پیچھے ہوتی ہے اور

قَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۶

کہنے لگے اے وہ جس پر قرآن نازل کیا گیا تو تو دیوانہ ہے

قانون کے بغیر بھی تخفیف ہو جایا کرتی ہے جس طرح حروف مشبہ بالفعل کی مثال سے واضح ہے اَنَّ، اِنَّ اور لٰکِنَّ وغیرہ۔ اور یہ بھی اسی قسم سے ہے مقصد یہ ہے جب کفّار موت کی سختی دیکھیں گے یا بروز محشر جنت و نار کی تقسیم کا مرحلہ پیش آئے گا۔ پس اپنی گرفتاری اور اہلِ اسلام پر نعماتِ خداوندی ملاحظہ کریں گے تو خواہش کریں گے کہ کاش ہم مسلمان ہوتے۔ اور تفسیر مجمع البیان میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے جب دوزخی دوزخ میں پہنچیں گے اور ان میں بعض گنہ گار مسلمان بھی شامل ہوں گے تو کافر لوگ مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں گے کہ ہم تو کافر تھے لیکن تم بتاؤ تم کو اسلام نے کیا فائدہ دیا تو مسلمان جواب دیں گے کہ یہ ہمارے گناہوں کی سزا ہے پس رحمتِ پروردگار کا سمندر جوش میں آئے گا اور

مسلمانوں کی آزادیٔ جہنم کا حکم صادر ہوگا تو اُس وقت کفار حسرت بھری آواز سے کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔ اس مقام پر مسلمان سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبر کی اُمت کے تہتر فرقوں میں سے ایک ناجی فرقے سے تعلق رکھنے والے ہوں گے ورنہ جن لوگوں نے رسول کے بعد رسول کی وصیت پر عمل نہ کیا اور ظاہرہی اسلام کا لباس پہن کر اسلام کے درخت کو کاٹنے کے درپے رہے پس قرآن کی بے حرمتی کی اور عترتِ پیغمبر کی ناقدری کرکے انہیں اپنے مقام سے ہٹا کر اقتدارِ ناپائیدار کے متوالے ہوئے وہ بروزِ محشر کافروں اور ظالموں کے زمرے میں حسرت کرنے والے ہوں گے اور رسول کی تعلیمات کو اپنا کر جنہوں نے آلِ رسول کی پیروی کی وہ اپنے آقاؤں کی غلامی میں سرشار ہونگے اور ان میں سے جن گنہ گاروں کو جہنم میں بھیجا جائے گا وہ آلِ اطہار کی شفاعت کی بدولت عذاب سے نجات پاکر دشمنوں کی حسرت میں اضافہ کے موجب ہوں گے۔

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا الخ یہ کفار کو تنبیہ ہے کہ بے شک اس فانی دنیا کی فانی لذات سے چند روزہ دل بہلالیں، کھا پی لیں اور طول اُمید میں اپنے آپ کو کھوتے رہیں آخر وہ اپنی سرکشیوں اور کفریہ کارستانیوں کا انجام ضرور دیکھیں گے۔

تفسیر صافی میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا مجھے تم لوگوں پر دو چیزوں کا خطرہ ہے ایک خواہش کی اتباع اور دوسری طولِ اُمید۔ کیونکہ اتباعِ خواہش حق سے روکتی ہے اور طولِ امید آخرت سے غافل کردیتی ہے اور بروایت امام محمد باقر علیہ السّلام حدیثِ نبوی میں ہے کہ انسان کا ساتھ حب اللہ کی دوستی اور نیک بختی دیتی ہے تو موت کی یاد آنکھوں کے سامنے اور لمبی امیدیں پشت کے پیچھے ہو جاتی ہیں لیکن جب شیطان کی محبت اور شقاوت گھیر لے تو لمبی اُمیدیں سامنے اور موت کی یاد پشت کے پیچھے ہو جایا کرتی ہے

كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ الخ یعنی اللہ کے علم میں جس قوم کی ہلاکت یا عذاب کا جو وقت مقرر ہوگا اس سے مقدم یا موخر نہ ہو سکے گا۔ گویا جلدی گرفتار نہ ہونا تم کو دھوکا نہ دے بلکہ اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اعمالِ بد سے توبہ اور آئندہ کی اصلاح کی کوشش کرو ورنہ وقت آجانے پر حسرت اور ندامت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ پس یہ تاخیر اُس کی مصلحت و مشیّت کے ماتحت ہی ہے۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷﴾

کیوں نہیں لاتے تم فرشتوں کو اگر تم سچے ہو

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا

ہم نہیں اتارتے فرشتے مگر حق کے ساتھ اور وہ اس وقت مہلت نہ دیے

يُسْتَاْخِرُوْنَ الخ باب استفعال ہے لیکن یتاخرون کے معنی میں ہے۔

بالحق۔ اس مقام پر حق کا معنی حکمت و مصلحت یا موت لیا گیا ہے۔

نَزَّلْنَا الذِّكْرَ ۔ آیت مجیدہ قرآن کی تحریف کے قائلین کے منہ پر زبردست طمانچہ ہے۔

مسئلہ تحریف قرآن آیت مجیدہ کی تفسیر میں علمائے اسلام کے چار اقوال ہیں۔
(۱) قتادہ اور ابن عباس کا قول ہے کہ کمی بیشی تحریف اور تغییر سے حفاظت کا خدا نے ذمہ لیا ہے جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ یعنی اس کے سامنے اور پیچھے سے باطل اس کے پاس نہیں آسکتا۔ مقصد یہ کہ باطل کے ہاتھ ردو بدل یا زیادتی و کمی کے لئے اس کی طرف نہیں بڑھ سکتے (۲) حسن کا قول ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے (اللہ اس کی موجودہ صورت کی حفاظت کا ہمیشہ کے لئے ضامن ہے کہ نسل بہ نسل اُمّت اس کو نقل کرے گی اور سینہ بہ سینہ اس پر ایمان دلوں کی گہرائیوں میں اُترتا رہے گا اور قیامت تک ہر زمانہ میں لوگ اس کی حفظ کا عصر بہ عصر اہتمام کرتے چلے جائیں گے تاکہ حجت قائم رہے (۳) جبائی سے منقول ہے کہ خدا اس کو مشرکوں کے شر سے محفوظ رکھے گا پس وہ اس کو مٹانے دبانے اور جھٹلانے پر قادر نہ ہو سکیں گے (۴) فرا سے مروی ہے کہ لَہٗ میں ضمیر غائب کا مرجع حضرت رسالتمآبؐ ہے

مُنظَرِینَ ⑧ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨
جائیں گے — تحقیق ہم نے ہی اتارا قرآن کو اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ ⑩
اور تحقیق ہم نے رسول بھیجے تجھ سے پہلے پہلی جماعتوں میں

اور معنی یہ ہے کہ قرآن کو ہم نے نازل کیا ہے اور اور حضرت رسالتمآبؐ کی حفاظت کے ہم خود ذمہ دار ہیں۔ آخری قول کے علاوہ باقی تمام اقوال قرآن مجید سے تحریف کی نفی کرتے ہیں۔ اور شیعہ عقیدہ یہی ہے کہ قرآن مجید باطل پرستوں کے تصرفات سے ہر دور میں محفوظ رہا ہے اور کسی زمانہ میں تحریف و تصحیف کا ہاتھ اسے نہیں چھو سکا اور نہ قیامت تک اسے چھو سکے گا۔ پس جو لوگ قوم شیعہ کی طرف قرآن کی تحریف کی نسبت دیتے ہیں وہ کذاب و مفتری ہیں اُن کی یہ نسبت جاہل عوام کی نظروں میں قوم شیعہ کو بدنام کرنے کا حربہ ہے اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قوم شیعہ جناب رسالتمآبؐ کی آخری وصیّت (جس میں ثقلین یعنی کتاب و اہل بیت سے تمسک کرنے کا تاکیدی حکم تھا) کے سختی سے پابند ہیں۔ چنانچہ وہ اس حدیث کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کو بھی نظر انداز کرنے میں تامل نہیں کرتے نہ اس بارے میں ان کو وقتی تشدّد اپنے سامنے جھکا سکتا ہے اور نہ وہ کرسئ اقتدار سے مرعوب ہو سکتے ہیں حتّٰی کہ ان کے سر کٹ سکتے ہیں لیکن قدم صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹ سکتے۔ پس پیغمبرؐ کی وفات کے بعد جن لوگوں نے اقتدار کو مذہب بنا لیا اور اسی کی خاطر صرف قرآن مجید کو کافی کہہ کر عترت پیغمبرؐ کو نظر انداز کر دیا انہوں نے جہاں تعلیمات اسلامیہ کو بالعموم اپنی خواہشات

کے سانچے میں ڈھالنے کی ناپاک کوشش کی وہاں بالخصوص قوم شیعہ کو نیست ونابود کرنے کے ہزاروں منصوبے تیار کئے اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہزاروں ہتھکنڈے استعمال کئے چنانچہ اسی نظریہ کے ماتحت پورے ساٹھ سال تک یعنی سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۱۰۰ھ تک حضرت علی اور اولادِ علی کو سب وشتم کا نشانہ قرار دیا گیا اولادِ رسول کو ہر قسم کے مظالم کا ہدف بنایا گیا اور شیعانِ علی سے اس سلسلہ میں ہر بڑی سے بڑی قربانی لی گئی جس کو ہر دور کے شیعوں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ پس انجام کار ظالم ظلم سے تھک گئے لیکن مظلوم مصائب وآلام کی چکیوں میں پسنے کے بعد بھی نہ گھبرائے پس ظلم کا ہتھوڑا ٹوٹا تشدد کا ہاتھ شل ہوا اور اقتدار کا شکنجہ ڈھیلا ہوا لیکن حق والوں نے جل جل کر مر مر کر اور پس پس کر بھی حق کا دامن نہ چھوڑا جس کے نتیجہ میں ہمیشہ حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا رہا لیکن زمانے کی ہوا کے ساتھ ساتھ قوم شیعہ کو بدنام کرنے کے نت نئے حربے اور جدید ہتھکنڈے استعمال کئے گئے جن کو قوم شیعہ کی مذہبی صداقت اور ایمانی استقلال نے کبھی پنپنے کا موقعہ نہ دیا۔ چنانچہ ہر میدان مقابلہ ومناظرہ میں مذہب شیعہ کی صداقت کا لوہا منوایا جاتا رہا پس قرآن مجید میں تحریف کی شیعوں کی طرف نسبت اہل باطل کے ان اوچھے ہتھیاروں میں سے ہے جو حق کے مقابلہ میں جواب نہ بن آنے پر جھوٹا فریق استعمال کیا کرتا ہے۔

بے شک شیعہ قرآن کو اللہ کی سچی کتاب بلکہ تمام کتب سماویہ سے افضل اور ان کی ناسخ مانتے ہیں اور اسی کتاب کو آخری آسمانی کتاب جانتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ حضرت علی سے لے کر حضرت مہدی آخر الزمان تک بارہ اماموں کو اس کتاب کا صحیح مفسر مانتے ہیں اور شیعہ قرآن مجید کی اس تفسیر کو قبول کرتے ہیں جو آئمہ اہل بیتؑ سے منقول ہو۔ چونکہ آلِ محمدؐ کے علاوہ کوئی بھی علوم قرآنیہ میں ان کے ہم پلہ نہیں ہے خواہ اس کی شخصیت کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو۔ لہذا شیعہ قوم کے نزدیک قرآنی علوم کے متعلق اُس کے قول کی کوئی وقعت نہیں۔

اکثریتی اسلامی جماعت چونکہ صرف قرآن مجید کو ہی کافی سمجھنے لگی تھی اور پہلے دن سے ہی اُنہوں نے اس نظریہ کا اعلان کر دیا تھا کہ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ۔ لہذا ہر دور میں ان کے مفسروں نے قرآن کی من مانی تفسیریں کیں اور حسب استطاعت آئمہ اہل بیت سے جاہل عوام کو متنفر کرنے کے لئے ہر گند اکیچڑ ان پر اچھالنے کی سازشیں بلکہ کوششیں کیں اگرچہ تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ ہر زمانہ میں قرآن کی باریکیوں اور مسائل مشکلہ کی پیش آمدہ گرہوں کو جب درباری علماء و فضلاء کے ناخن تدبیر نہ کھول سکے تو خانوادۂ علم ورسالت اور دودمانِ شرفِ نبوت کے در دولت پر جبہ سائی کی جاتی رہی اور علمی بھیک مانگ کر مشکل کشائی کے بعد لولا کے ترانے گائے جاتے رہے۔ لیکن ساتھ ساتھ دلوں میں حسد و کدورت کی آگ بھی جلتی رہی اور آئے دن ظلم واستبداد کے بدل بدل کر طریقے بروئے کار لائے جاتے رہے اور کینہ و بغض کی دلوں میں بھڑکتی ہوئی آتش غضب کو ٹھنڈا کیا جاتا رہا۔ بہر کیف چونکہ قوم شیعہ کے نزدیک آلِ محمدؐ کی تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر قابل قبول نہیں ہے لہذا شیعوں کو منکر قرآن کہا گیا لیکن جب منہ توڑ جواب ملا تو کہہ دیا کہ شیعہ تحریف

قرآن کے قائل ہیں۔ وَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۔ اور ہم نے قرآن پر شیعی عقیدہ کی وضاحت اپنی نو تصنیف کتاب منیف لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کی ہے جس کا مطالعہ شیعہ نوجوانوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔ وَمَا يَأْتِيهِم ۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ گھبرائیں نہیں کیونکہ گذشتہ انبیاء کی بھی یہی کیفیت رہی ہے کہ جب وہ رسولوں کو اپنے باپ دادا کے طریقہ کے خلاف پاتے تھے تو اُن سے مسخری کر کے ان کی باتوں کو ٹال دیا کرتے تھے۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١١﴾

اور نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول مگر یہ کہ وہ اس کے ساتھ مسخری کرتے تھے

كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٢﴾ لَا يُؤْمِنُونَ

اسی طرح ہم چلاتے ہیں اس (اپنے ذکر) کو مجرموں کے دلوں میں حالانکہ وہ اس پر

بِهِ ۖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٣﴾ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم

ایمان نہیں لاتے اور تحقیق گذر چکی سیرت پہلے لوگوں کی اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازہ

بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿١٤﴾ لَقَالُوا

آسمان کا پس وہ اس میں سے اوپر چڑھ جائیں تا ہم کہیں گے

إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿١٥﴾

کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے بلکہ ہم لوگوں پر جادو کیا گیا ہے

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾ ع

اور تحقیق ہم نے بنائے آسمان میں (بارہ) برج اور ان کو مزین کیا دیکھنے والوں کے لئے

نَسْلُكُهُ ۔ ضمیر غائب کا مرجع ذکر ہے یعنی ہم دین حق کا بیان اور احکام اسلام کی وضاحت مجرم لوگوں یعنی کافروں کے سامنے کیا کرتے ہیں پس ہمارا بیان کافروں کے دلوں تک راستہ پا کر پہنچ جاتا ہے خواہ وہ تسلیم کریں یا نہ کریں پس اتمام حجت سے کوئی قوم خالی نہیں رہتی۔

وَلَوْ فَتَحْنَا اس کا معنی دو طرح سے کیا گیا ہے (۱) اگر ہم ان کے سامنے آسمانوں کے دروازے کھول دیں کہ فرشتے اُن سے آمدورفت کریں اور یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

(۲) یا یہ خود اُن دروازوں سے گذر کر اوپر پہنچیں اور آسمانی مخلوق کو دیکھیں پس دونوں صورتوں میں یہ کہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو بے حس کر دیا گیا ہے یا یہ کہ جادو کر دیا گیا ہے کہ ہم اشیاء کو اپنی حقیقت پر نہیں دیکھ رہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا ۔ یعنی ہم نے آسمان میں بُرج پیدا کئے جن میں سورج کی گردش شمسی نظام کو ظاہر کرتی ہے موسم

بنتے ہیں اور ان کی مناسبت سے انسان وحیوان کی بود و باش اور خورد و نوش کا انتظام ید قدرت کی دستکاری کا مظہر ہے اور چاند کی انہی برجوں میں گردش قمری نظام کی موجب ہے اور شمسی و قمری دونو نظام مل کر انسان کے لئے یوم وہفتہ و ماہ و سال کی مقدار کے تعین کے ساتھ اس کے سکون قلب اور اطمینان نفس کے بہترین ذرائع ہیں بلکہ تمدنی زندگی کا دارومدار اگر کُلی ان دونو پر نہیں تو اس کا زیادہ تر انحصار ان پر ضرور ہے پھر آسمان کو دیدہ زیب دل کش اور جاذب نظر منظر بنانے کے لئے اُس نے اس کو چھوٹے بڑے ستاروں سے مزین فرمایا اور سقف نیلگوں پر مختلف حجم و ڈیزائن کے قمقموں کی آب وتاب شب تیرہ وتاریک میں جو سہانا منظر پیش کرتی ہے دن بھر کے تھکے ماندوں کے لئے اس سے بہترین سیرگاہ و مقام تفریح کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور یہ سب چیزیں توحید پروردگار اور اُس کی حسن صنعت و تدبیر محکم کا کھلا اعلان ہیں جس کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

رکوع نمبر ۲

حَفِظْنٰهَا: حفظ کا معنی ہے کسی شئی کے لئے ایسی صورت پیدا کرنا جس سے وہ ضائع نہ ہوسکے پس ہر شئی کا حفظ اُس کی اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا مثلاً علم قرآن کا حفظ کرنا درس و تدریس سے ہے نماز کا حفظ کرنا اُس کو قائم کرنا ہے۔ قرآنی الفاظ کا حفظ کرنا یاد کر لینا ہے۔ مال کا حفظ کرنا اس کو محفوظ مقام میں بند کرنا ہے اور رقم کا حفظ خزانہ یا بنک میں جمع کرنا ہے وغیرہ بنابریں آسمانوں کا شیطان سے حفظ کرنا اس کو روک دینا ہے کہتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں شیاطین آسمانوں پر جاتے تھے اور ملائکہ کی زبانی آئندہ ہونے والے واقعات سن کر پلٹتے تھے پس کاہن لوگ جن کے پاس تسخیر جن و شیاطین کا عمل ہوتا تھا وہ اُن سے سن کر لوگوں کو بتاتے تھے۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ

اور ہم نے محفوظ کیا آسمانوں کو ہر شیطان ملعون سے مگر جو چرائے باتوں کو

السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ

تو اس کے پیچھے لگتا ہے ظاہر چمکدار ستارہ اور زمین

اِسْتَرَقَ: یہ سرقہ سے ہے جس کا معنی ہے چوری کرنا اور ہر شئی کا اپنے مقام محفوظ سے بغیر رضاء مالک حاصل کر لینا چوری شمار ہوتا ہے چنانچہ شیاطین کا ملائکہ سے باتیں سننا چوری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

شِهَابٌ: ہمیں آسمان کی طرف بعض اوقات جو دوڑتا ہوا ستارہ نظر آتا ہے کہ اس کے پیچھے آگ کے شعلے کی طرح ایک نورانی خط ہوتا ہے۔ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰؑ جب مبعوث ہوئے تو شیاطین کو صرف تین آسمانوں سے روکا گیا لیکن جب حضورؐ پیدا ہوئے تو پہلے چار آسمانوں سے بھی اس کو روک دیا گیا حتیٰ کہ جب یہ اوپر جانے کا قصد کرتے ہیں تو فرشتے ان کو آگ کے شعلوں کے ذریعے سے پیچھے بھگاتے ہیں ان کی حقیقت کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے

maablib.org

تو گویا شہاب ثاقب کا وجود حضرت رسالت مآبؐ کی تشریف آوری کے بعد ان کا تا قیامت جاری و ساری معجزہ ہے۔

معجزاتِ ولادتِ رسالتمآبؐ

تفسیر برہان میں بروایت قمی حضرت آمنہ خاتون سے منقول ہے کہ جب آں حضرتؐ میرے شکم میں آئے تو مجھے حمل کا بوجھ محسوس نہ ہوا اور مجھے عالم خواب میں کسی کہنے والے نے کہا کہ تیرے شکم میں خیر الانام ہے، جب آپ پیدا ہوئے تو دو نو ہاتھ اور گھٹنے زمین پر ٹیک کر سر کو بلند کیا اور ایک نور ساطع ہوا جس نے زمین و آسمان کے درمیان اجالا کر دیا اور شیطانوں کو آسمانوں سے روک دیا گیا۔ قریشیوں نے بہت سے شہاب ثاقب اِدھر اُدھر متحرک دیکھے اور گھبرا کر ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ شاید قیامت آنے والی ہے چنانچہ ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے جو ان کا بزرگ اور تجربہ کار ماہر تھا پس اس نے جواب دیا اگر اِدھر اُدھر چلنے پھرنے والے ستارے اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں تو یہ کوئی اور بات ہے۔

مکہ میں ایک یوسف نامی یہودی رہتا تھا اس نے ستاروں کی نقل و حرکت دیکھ کر قریشیوں سے دریافت کیا کہ تم میں آج رات کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں تو اس نے کہا تو رات کی قسم تم غلط کہتے ہو کیوں کہ اپنی کتابوں سے جہاں تک میرے معلومات کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ خاتم الانبیا آج رات پیدا ہوئے ہیں اور شیطانوں کو آسمانوں سے روکنے کے لئے شہاب ثاقب کا ٹوٹنا اس کی علامت ہے پس قریشیوں نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کا لختِ جگر پیدا ہوا ہے وہ یہودی قریشیوں کے ہمراہ درِ دولت پر حاضر ہوا اور مولودِ مسعود کی زیارت سے باریابی کی درخواست کی اور قریشیوں نے بھی اس کی سفارش کی چنانچہ جناب آمنہ خاتون ایک بندھنے میں لپیٹ کر سامنے لائی۔ پس یہودی نے آپ کی آنکھیں دیکھیں پھر مہر نبوت کے مقام سے کپڑا اٹھا کر نشان دیکھا اور بے ہوش ہو کر گر پڑا جس سے قریشیوں میں ہنسی مچ گئی۔ اُس نے ہوش سنبھالتے ہوئے کہا کیا تم ہنس رہے ہو یاد رکھو اے قریشیو! یہ تلوار لے کر اٹھے گا اور تمہیں موت کے گھاٹ اتارے گا اور اب نبوت بنی اسرائیل سے ہمیشہ کے لئے چلی گئی ہے۔

ادھر جب شیاطین پر ستارے ٹوٹے اور آسمانوں کا داخلہ بند ہوا تو گھبرا کر ابلیس کے پاس پہنچے کہ ہم پر شہاب ثاقب برسائے گئے ہیں تو اُس نے کہا زمین میں کسی نئے حادثے کی خبر لاؤ انہوں نے کہا کہ ہمیں کسی نئے حادثے کا پتہ نہیں پس وہ مشرق سے مغرب تک خود پھرا آخر کار زمین حرم پر ملائکہ کا بے پناہ ہجوم دیکھا اور جبریل کو دروازہ حرم پر بطور سنتری کھڑا ہوا پایا کہ اُس نے اس کو دیکھتے ہی دھتکار کر دفع کیا۔ ابلیس نے پوچھا کہ یہ اجتماع کیوں ہے؟ تو جبریل نے بتایا پیغمبر آخر الزمانؐ کی ولادت کی خوشی ہے۔ اس نے پوچھا اس میں میرا بھی کچھ حصہ ہے؟ تو جواب ملا کہ نہیں، پھر پوچھا کہ اس کی اُمّت میں میرا کچھ حصہ ہے؟ تو جواب دیا گیا کہ ہاں؛ پس خوش ہو کر واپس پلٹا۔

بروایت ابن بابویہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ پہلے ابلیس ساتوں آسمانوں کی سیر

گیا کرتا تھا۔ ولادتِ عیسیٰؑ سے اس کو تین آسمانوں سے روکا گیا پس چار تک جاتا تھا اور ولادتِ سرورِ کائنات کے بعد اس کو سب آسمانوں سے روک دیا گیا۔ اس روایت میں ولید بن مغیرہ کی بجائے عمرو بن امیہ کا نام مذکور ہے کہ قریشی گھبرا کر اس کے پاس آئے اور اس نے وہ مذکورہ بالا جواب دیا

اس روایت میں مذکور ہے کہ وقتِ ولادت پیغمبرؐ تمام بُت منہ کے بل گر پڑے اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایوانِ کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں اور اس کے چودہ کنگرے ٹوٹ کر گرے ساوہ کا پانی خشک ہو گیا ایران کا ہزار سال سے بھڑکتا ہوا آتش کدہ خاموش ہو گیا اور حجاز کی طرف سے ایک نور ساطع ہوا جو مشرق تک پھیل گیا دنیا بھر کے سلاطین کی گردنیں جھک گئیں اور اس دن کچھ بول نہ سکے کاہن لوگوں کا علم باطل ہو گیا اور جادوگروں کا جادو ختم ہو گیا اور عرب کے سب کاہن ایک دوسرے سے پوشیدہ ہو گئے۔

مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اگایا اس میں سے ہر شے کو

شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ (۱۹) وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ

مناسب انداز سے اور مقرر کی تمہارے لئے اس میں روزی اور ان کے لئے

لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ (۲۰) وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا

بھی جن کے تم رازق نہیں ہو اور کوئی شئی نہیں مگر یہ کہ ہمارے پاس اس

خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (۲۱) وَ

کے خزانے ہیں اور ہم اس کو نہیں اتارتے مگر ایک اندازے سے جو ہمیں معلوم ہے اور

مَوْزُوْنٍ بعض مفسرین نے اس مقام پر وزن سے تول مراد لیا ہے کہ خدا نے زمین سے تولنے کی جنسیں پیدا فرمائی ہیں اور پیداوار ہیں سے چونکہ ان کو ناپ اور شمار کی جانے والی اشیاء پر غلبہ حاصل ہے اس لئے مجازاً موزون کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور مراد تمام پیداوار ہے لیکن سیّد مرتضٰے علم الہدیٰ نے اس معنی کی تردید کر کے فرمایا ہے کہ یہاں موزون سے مراد مقدارِ مناسب ہے کہ خدا نے اشیاء کو ضرورت سے کم بھی پیدا نہیں کیا اور ضرورت سے زیادہ بھی پیدا نہیں کیا تاکہ عبث لازم آئے پس اتنی مقدار میں پیدا کیا جو حکمت و مصلحت کے مطابق تھی۔

وَمَنْ لَّسْتُمْ۔ اس کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں اور ہر ترکیب کے لحاظ سے معنی کیا گیا ہے۔

(۱) مَعَايِشَ پر عطف ہے پس جَعَلْنَا کا مفعول ہو کر محلاً منصوب ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے اس زمین

ہیں تمہاری روزی اور اسباب عیش و آرام پیدا کئے اور ایسی مخلوق تمہارے لئے پیدا کی جن کے رازق تم نہیں ہو یعنی غلام کنیزیں اور حیوانات کہ ان کو رزق اللہ دیتا ہے اور خدمت تمہاری کرتے ہیں اور ذوی العقول یعنی غلام و کنیزوں کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَن ذکر کیا ہے جس کا استعمال ذوی العقول کے لئے مخصوص ہے۔

(۲) لَکُمْ کی ضمیر جمع مخاطب مجرور پر مَن کا عطف ہے اور معنی یہ ہو گا کہ زمین میں تمہارے لئے روزی بنائی اور ان تمہارے خدمتگار غلاموں و کنیزوں اور حیوانوں کے لئے روزی بنائی جن کے تم رازق نہیں ہو لیکن اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ضمیر مجرور پر عطف ناجائز ہے جب تک حرف جار کا اعادہ نہ ہو۔

(۳) اس کو الگ مستقل جملہ قرار دیا جائے اور مَن محلاً مرفوع مبتدا ہو اور اس کی خبر محذوف ہو یعنی وہ مخلوق جن کے تم رازق نہیں ہو خدا نے تمہارے لئے پیدا کی ہے۔

علامہ طبرسی نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور وہی انسب معلوم ہوتا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ ۔ یعنی جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ زمین اگاتی ہے اس سب کے خزانے اللہ کے پاس ہیں یعنی اس تمام کی قدرت اللہ کو حاصل ہے۔ جس وقت چاہتا ہے۔ جتنا چاہتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنی حکمت و مصلحت کے ماتحت ایجاد کرتا ہے۔

اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

بھیجا ہم نے ہواؤں کو حاملہ کرنے والی (بادلوں کو پانی سے) پس اتارا ہم نے آسمان سے پانی

فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ

پس تم کو سیراب کیا اس سے حالانکہ تم اس کی حفاظت کرنے والے نہیں ہو اور تحقیق ہم ہی جلاتے

نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ

اور مارتے ہیں اور ہم ہی مالک ہیں اور تحقیق ہم آگے آنے والوں کو جانتے

مِنْکُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِنَّ رَبَّکَ هُوَ

ہیں اور تم میں سے پیچھے آنے والوں کو بھی جانتے ہیں اور تحقیق تیرا رب ان کو جمع

پس خزائن سے مقدورات خداوندی مراد ہیں۔ لیکن علامہ فیض کاشانی نے تفسیر صافی میں اس معنی کو ناقابلِ قبول قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ خزائن سے مراد لوحِ قضا یعنی لوحِ محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور اس میں تمام کائنات عالم کا علم موجود ہے اور یہ جو فرمایا کہ ہم اُس کو ایک معلوم اندازہ سے نازل کرتے ہیں اس سے مراد لوحِ قدر یعنی لوحِ محو و اثبات ہے اور قمی سے مروی ہے کہ خزائن سے مراد آسمان سے نازل ہونے

والا پانی ہے جس کی بدولت ہر قسم کے حیوانات کا رزق مقدر پیدا ہوتا ہے۔

بِخٰزِنِیْنَ۔ یعنی ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں یا زمین سے چشمے و دریا جاری کرتے ہیں اس کے محافظ اور خازن بھی ہم ہیں یعنی قدرتِ ایجاد ہمیں حاصل ہے کہ مقدار معلوم کے ماتحت ایجاد کرتے ہیں ورنہ تمہارے بس میں نہیں کہ اس کو جمع کر لو اور خزانہ کر کے حسبِ ضرورت اپنے پاس محفوظ کر لو۔

نُحْیٖ وَ نُمِیْتُ۔ یعنی موت و حیات صرف ہمارے قبضہ میں ہے اور سب مخلوق کے تنہا ہم ہی مالک ہیں۔ خداوند کریم نے ان آیات میں اپنی توحید کے آثار بیان فرمائے ہیں (۱) زمین کا بچھانا (۲) پہاڑوں کا پیدا کرنا (۳) نباتات کا اُگانا (۴) اسبابِ رزق کا مناسبت سے پیدا کرنا (۵) حیوانات کی تخلیق (۶) بادل بنانا (۷) مینہ برسانا (۸) پانی کا محفوظ رکھنا (۹) زندہ کرنا (۱۰) مارنا اور ان کے مفصل ذکر کے بعد فرمایا پس سب کے ہم مالک و وارث ہیں۔ پس ان امور کی کسی دوسرے کی طرف تخلیقی و تکوینی نسبت دینا یقیناً شرک ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا۔ تفسیر مجمع البیان میں مروی ہے حضورؐ نے لوگوں کو جماعت کی پہلی صف میں کھڑے ہونے کی تاکید فرمائی کہ مردوں کے لئے پہلی صف افضل ہے اور آخری صف مکروہ ہے اور عورتوں کے لئے پہلی صف مکروہ ہے اور آخری صف افضل ہے (کیونکہ مردوں کی آخری صف عورتوں کی پہلی صف کے قریب ہوتی تھی اور شیطانی وسواس کا زیادہ سے زیادہ خطرہ تھا) نیز آپ نے فرمایا نمازِ جماعت میں پہلی صف والوں پر فرشتے درود بھیجتے ہیں چونکہ بنو عذرہ کے گھر مسجد سے دُور تھے تو انہوں نے اپنے گھر فروخت کر کے مسجد کے قریب گھر بنانے کا ارادہ کیا تاکہ بروقت پہنچ کر نماز کی صفِ اوّل میں شامل ہو سکیں۔ پس یہ آیت اُتری کہ خدا آگے آنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کی نیتوں سے واقف ہے۔ نیز مروی ہے کہ بعض لوگ تو صفِ اوّل کے ثواب کے لئے جلدی آجاتے تھے لیکن بعض شرارتی قسم کے آدمی دیر سے حاضر ہوتے تھے تاکہ پچھلی صفوں میں کھڑی ہوئی عورتوں کو دیکھتے ہوئے آگے آئیں پس یہ آیت ان کی سرزنش کے لئے اُتری اور بعض مفسرین نے دیگر تاویلات بھی کی ہیں (۱) امم گذشتہ و آئندہ (۲) اوّلین و آخرین

يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾	وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ
کرے گا تحقیق وہ حکیم و علیم ہے	اور تحقیق ہم نے پیدا کیا انسان کو

(۳) جہاد میں بڑھنے والے اور پیچھے ہٹنے والے (۴) نیک کاموں میں سبقت کرنے والے اور جی چرانے والے ان سب کو خدا جانتا ہے۔ پس سب لوگ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور جزا یا سزا پائیں گے۔

رکوع نمبر ۳ ذکر خلقت انسان

صَلْصَالٍ۔ مضاعف رباعی صَلْصَلَةٌ سے ہے لوہے کے جھنکار اور بجلی کی کڑک اور دھماکہ کی آوازوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گیلی مٹی خشک

ہونے کے بعد اوپر چلنے سے جو آواز پیدا کرتی ہے اس کو صلصال کہا گیا ہے۔

حَمَاٍ - مٹی پر پانی ڈالنے اور گوندھنے کے بعد کچھ عرصہ تک رکھ دیا جاتا ہے تاکہ لیس دار بن جائے۔ پس اس کا رنگ سیاہی مائل ہوتا جاتا ہے اور دیر کے بعد اس میں لزوبت اور لیس پیدا ہو جاتی ہے مگر اس سے بنائی ہوئی چیز پختہ دیرپا اور خوبصورت ہو پس اس کو حَمَاءٍ کہا جاتا ہے۔

مَّسْنُوْنٍ - اس کا معنی ہے ڈھالی ہوئی چیز اور یہ سنن سے ہے جس کا معنی ہے کسی سانچے میں شیٔ کا ڈھالنا اور سُنّت کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے اور ترکیب نحوی کے لحاظ سے حَمَاٍ مسنون بدل ہے صلصال کا۔

نکتہ لطیفہ

مٹی کی چار الگ الگ حالتوں کے الگ الگ نام ہیں مثلاً خشک مٹی کا نام تراب پھر پانی کی آمیزش کے بعد کیچڑ کا نام طین پھر کچھ وقت تک پڑا رہنے، لیسدار بننے اور عمدہ گارا ہو جانے کا نام حَمَاء اور اس کو سانچے میں ڈھال کر خشک حالت پر آجانے کا نام صلصال ہے۔ جب وہ ٹھوکر لگنے سے آواز کرنے لگے اسی بنا پر قرآن مجید میں خلقتِ انسانی کا مادہ مختلف مقامات پر مٹی کی ان چار حالتوں میں سے کسی ایک کو قرار دیا گیا ہے۔ (۱) خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (۲) خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (۳) مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (۴) مِنْ صَلْصَالٍ۔ نیز آگ میں پختہ کرنے سے پہلے صلصال کہا جاتا ہے اور پختہ ہونے کے بعد اس کو فخّار کہا جاتا ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشادِ قدرت ہے مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ۔

قوم جنّ کی پیدائش

وَالْجَآنَّ - تفسیر برہان میں بروایت تحفۃ الاخوان حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک طویل روایت میں منقول ہے کہ خداوند کریم نے نار سموم کو پیدا کیا اور وہ ایسی آگ ہے جس میں

مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ

آواز کرنے والی مٹی سے جو لیسدار ڈھالی ہوئی تھی ﴿۲۶﴾ اور قوم جن کو ہم نے

خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ

اس سے پہلے پیدا کیا بھڑکتی ہوئی آگ سے ﴿۲۷﴾ اور جب فرمایا تیرے رب نے

گرمی نہیں اور اسی سے جان کو خلق کیا اس کا نام مارج رکھا پھر اسی سے اس کی زوجہ کو پیدا کیا جس کا نام مارجہ رکھا پھر ان دونو میاں بیوی سے جان پیدا ہوا پھر جان کا بیٹا جن پیدا ہوا اور اس سے آگے قوم جنّ کی نسل پھیلی اور ابلیس اسی کی اولاد میں سے ہے اس نے جان کی اولاد میں سے لہباو بنت روحا نامی ایک عورت سے شادی کی پہلی دفعہ اس کا ایک لڑکا بلیقس اور لڑکی طونہ جوڑوں میں پیدا ہوئے دوسری دفعہ بیٹا ققطس اور بیٹی ققطسہ پیدا ہوئے اور اسی طرح اس کی اولاد کا سلسلہ بڑھتا گیا اور اس کی نسل اس قدر بڑھی کہ جنگلوں گھاٹیوں وادیوں جھاڑیوں اور پہاڑیوں میں مکھیوں اور مچھروں کی طرح پھیل گئی۔ اور اسی روایت میں آگے

چل کر آپ فرماتے ہیں کہ بنی آدم کے ایک ایک بچہ کے ساتھ اس کے ہاں سات سات بچے پیدا ہوتے ہیں اور سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ہزاروں برس زمین پر سجدہ کرنے کے بعد اس کو آسمان اوّل پر ترقی دی گئی پھر ایک ہزار سال کی عبادت کے بعد دوسرے آسمان پر پھر ایک ہزار سال کے بعد تیسرے آسمان پر وعلٰی ہذا القیاس ساتویں آسمان تک پہنچا۔

خلقتِ آدمؑ حدیث سابق میں ہے جب ابلیس نے آدمؑ کی خلقت کا ذکر سنا تو زمین پر آیا اور کہنے لگا کہ خدا تجھ سے ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہے جس کو تمام خلق پر فضیلت ہو گی لیکن جو ان میں سے نافرمان ہو گا اُسے آگ کا عذاب دیا جائے گا۔ پس جب جبرئیل کو حکم ہوا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور پستی و بلندی سے ایک ایک مٹھی اٹھا کر لاؤ تاکہ وہ نبی اور افضل مخلوق پیدا کی جائے تو جبرئیل زمین پر پہنچا ہی تھا کہ زمین نے خدا کی قسمیں دے دے کر دہائی شروع کر دی کہ

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۲۸

فرشتوں کو تحقیق میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو آواز کرنے والی لیسدار ڈھالی ہوئی مٹی سے

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ۲۹

پس جب اس کو پورا بنا لوں اور اپنا روح اس میں داخل کر لوں تو گر جانا اس کے لئے سجدہ کرتے ہوئے

مجھ سے مٹی نہ اٹھاؤ کیونکہ مجھ میں عذاب کی تاب برداشت نہیں ہے چنانچہ ناکام واپس ہوا پھر میکائیل آیا تو وہ بھی زمین کی فریاد اور اُس کی قسموں سے مرعوب ہو کر واپس خالی پلٹا پس عزرائیل کو حکم ہوا تو اس نے زمین کی فریاد پر کان دھرے بغیر شرق و غرب سے بلندی و پستی سے شور و شیریں سے اور عمدہ و ناقص سے ایک ایک مٹھی اٹھائی اور واپس گیا پس ارشادِ خداوندی ہوا مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم قبض ارواح کے لئے بھی تو ہی موزوں ہے۔

سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے آپ نے فرمایا ایک عرصہ دراز تک آدمؑ کا پتلا ئے خاکی بغیر روح کے پڑا رہا پھر روح کو اس میں داخل ہونے کا حکم ملا (اس مقام پر روح کی اللہ کی طرف اضافت ملکیت کو ظاہر کرتی ہے رُوْحِیْ یعنی میرا مملوک روح) پس دماغ کی جانب سے روح داخل ہوا پہلے آنکھیں کھلیں تو جانب عرش نگاہ کی۔ پس لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا کلمہ لکھا ہوا نظر آیا۔ پھر کانوں میں روح پہنچی تو تسبیح ملائکہ سُنی وہ اپنے مقام پر حکم سجدہ کے منتظر تھے پس ناک کے نتھنوں تک روح پہنچی تو چھینک لی اور حواس خمسہ کے بند سوراخ سب کھل گئے اور آدمؑ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا کلمہ زبان پر جاری کیا تو زبانِ توحید سے اس کو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ سے جواب ملا اور اس کو اولادِ آدمؑ میں سُنّت قرار دیا گیا اور حدیث نبوی میں ہے جب کوئی چھینک دینے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے اور سننے والا اس کو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ سے جواب دے تو اس سے ابلیس بہت کڑھتا ہے۔ روح کے متعلق وضاحت ص ۱۸۷ پر ملاحظہ کیجئے

maablib.org

فَسَجَدَ :- حدیث سابق میں ہے جب آدم کے پورے جسم میں روح داخل ہو چکی تو وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور یہ جمعہ کا دن زوال کا وقت تھا۔ پس فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تو سب سے پہلے جبریل پھر میکائیل پھر عزرائیل اور آخر میں اسرافیل نے سجدہ کیا ان کے بعد تمام ملائکہ مقربین سجدہ میں جھک گئے۔ اور عصر تک سربسجود رہے۔ پس اسی وجہ سے یوم جمعہ کو اولادِ آدم کے لئے عید کا دن قرار دیا گیا۔

(اقول) ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنے کا مقصد صرف آدم کا اعزاز و اکرام تھا اور یہ سجدہ شکر پروردگار تھا حضرت آدم علیہ السلام کو قبلہ کی حیثیت دی گئی تھی جیسا کہ روایات میں یہی مضمون وارد ہے اور ہم نے اس مقصد کو اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَؕ

پس سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مگر ابلیس

اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ

اس نے انکار کیا کہ ہو جائے شامل سجدہ کرنیوالوں میں فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہو گیا

حدیث سابق میں ہے بحکم پروردگار فرشتوں نے حضرت آدم کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر عالم بالا کی سیر کرائی اور آدم کا گذر جب کسی صفِ ملائکہ سے ہوتا تھا تو السّلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ کہتے تھے اور فرشتے جواب میں وعلیکم السّلام و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ کہتے تھے۔ اور آدم کو پروردگار کی جانب سے ندا پہنچی کہ یہ سلام تیرے اور تیری اولاد کے لئے تا قیام قیامت تحیۃ رہے گا اور جس قوم میں سلام کا یہ رواج عام ہو گا وہ میرے عذاب سے محفوظ رہیں گے اور حدیث نبوی میں ہے آپ نے فرمایا میں تم کو ایسی تعلیم دوں جس پر عمل کرنے سے تم جنّت کے حق دار بن جاؤ۔ لوگوں نے کہا بے شک یا رسول اللہ بتائیے تو آپ نے فرمایا اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ وَصَلُّوْا لَهٗ فِي اللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔ یعنی کھانا کھلاؤ۔ سلام کو عام کرو۔ رات کو نماز پڑھو جب کہ لوگ محوِ خواب ہوں پس سلامتی سے جنّت میں داخل ہو گے اور حضورؐ نے فرمایا مومن جب مومن پر سلام کرتا ہے تو ابلیس رو دیتا ہے اور ابھی یہ دونو آپس میں جدا نہیں ہوتے کہ خدا ان کے گناہ بخش دیتا ہے۔ پس آدم کو خدا نے ملائکہ کا خطیب بنایا اور آپ نے خطبہ میں پہلے پہل الحمد للہ کا کلمہ کہا جو ہمیشہ کے لئے سنّت قرار دیا گیا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ ص ۱۸۳ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابلیس فرشتہ تھا یا جن۔ پس اگر جن تھا تو ملائکہ کے حکم سجدہ میں اس کو کیونکر شامل کر لیا گیا؟ اور اگر فرشتہ تھا تو فرشتوں سے نافرمانی کا صدور کیسے ممکن ہے جب کہ وہ نوری مخلوق ہیں۔ اس کا جواب تفسیر کی دوسری جلد ص۱۰۱ میں مفصّل مذکور ہے۔ ابلیس نے سجدہ سے انکار کی وجہ آدم کا مٹی سے پیدا ہونا

بیان کیا اور اپنی ناری خلقت پر ناز کیا اُس کا یہ قیاس مٹی کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی بنا پر تھا اور ہم نے اس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد پر ص۱۱ تا ص۱۲ کر دی ہے لہذا یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اس میں شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ ابلیس کو قرائن حالیہ کی رُو سے حکم سجدہ میں شامل ہونے کا یقین تھا جبھی تو خدائی سرزنش کے بعد یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کہ میں حکم سجدہ میں شامل نہیں تھا کیونکہ حکم صرف فرشتوں کو ہی تھا اور میں قوم جن سے تھا بلکہ انکار کی وجہ اپنا تکبّر اور آدم کی خاکی پیدائش کو ہی قرار دیا پس خدا کی اس پر لعنت برسی اور تفسیر برہان کی ساتویں روایت میں ہے کہ اس کی حسین وجمیل صورت بدصورتی سے بدل گئی۔ پس فرشتے آگ کے حربے لے کر اس کے پیچھے پڑ گئے اور اس کو وہاں سے نکال دیا۔ پہلے پہل اس پر جبرئیل نے لعنت کی پھر میکائیل پھر اسرافیل اور آخر میں عزرائیل نے کی۔ اس کے بعد ہر طرف سے اس پر لعنت کی پھٹکار ہوئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ابلیس کی اس جرأت و سرکشی سے آسمانوں میں لرزہ کی کیفیت طاری تھی۔

أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾ قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ

کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ کہنے لگا میں ایسے بشر کے لئے

لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٣٣﴾

سجدہ کرنے کو تیار نہیں جس کو تو نے آواز کرنے والی لیس دار مٹی سے ڈھالا ہے

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ

فرمایا نکل جا اس سے تحقیق تو لعنتی ہے اور تحقیق تجھ پر

ابلیس کے دل میں حضرت آدمؑ پر حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔ سابقہ روایت میں ہے کہ ملائکہ کے سامنے خطبہ پڑھنے اور اپنا علمی وقار تسلیم کرانے کے بعد جب آپ منبر سے نیچے اُترے تو ان کی پہلی ضیافت انگوروں سے کی گئی جو جنّت کی پیداوار تھی پس تناول فرمانے کے بعد انہوں نے الحمد للہ کا کلمہ زبان سے جاری کیا جو سنّت جاریہ بن گیا اس کے بعد آپ سو گئے جب ابلیس کو یہ پتہ چلا کہ وہ کھاتا پیتا اور سوتا بھی ہے تو خوش ہوا کہ اس کو گمراہ کرنا آسان ہے۔ اور اسی حدیث میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ مالِ حرام اور اولادِ حرام میں شیطان حصّہ دار ہوتا ہے اور آپ نے فرمایا کہ حلال عورت سے مجامعت کرتے وقت بھی اللہ کا نام لیا کرو (بسم اللہ کو پڑھا کرو) ورنہ شیطان شریک ہو گا۔

قَالَ رَبِّ۔ تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ ابلیس نے چوتھے آسمان پر دو رکعت نماز پڑھی تھی جو چھ ہزار سال میں تمام ہوئی۔ اسی کے بدلہ میں خدا نے اس کو وقت معلوم تک مہلت دی ہے۔ نیز

آپ سے منقول ہے کہ اس سے مراد قائم آلِ محمدؐ کا زمانہ ہے پس یہ گرفتار ہو کر آپ کے پیش ہوگا جب کہ آپ مسجد کوفہ میں تشریف فرما ہوں گے پس آپ کے حکم سے اس کی گردن اُڑا دی جائے گی۔

اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ
قیامت کے دن تک لعنت ہوگی کہنے لگا اے رب مجھے مہلت دے اس دن

يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٣٧﴾ إِلَىٰ
تک جب اٹھائے جائیں گے فرمایا تحقیق تجھے مہلت دی گئی ایک

يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٨﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي
معلوم وقت تک کے لئے کہنے لگا اے رب چونکہ تونے مجھے گمراہ کیا ہے

لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٩﴾
لہذا میں مزین کرونگا (باطل کو) ان کے سامنے زمین میں اور ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٤٠﴾ قَالَ هَٰذَا
مگر تیرے وہ بندے جو ان میں سے مخلص ہوں گے (گمراہ نہ ہوں گے) فرمایا یہ میرا سیدھا

صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ
راستہ ہے تحقیق میرے بندوں پر تجھے غلبہ حاصل نہ ہو

سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿٤٢﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ
سکے گا مگر وہ لوگ جو گمراہوں میں سے تیرے پیچھے چلیں گے اور تحقیق دوزخ ان سب کی وعدہ گاہ ہے

أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾
اس کے سات دروازے ہیں ہر دروازہ کے لئے ان میں سے ایک حصہ معین ہے

أَغْوَيْتَنِي۔ اس کی تفسیر چھٹی جلد صفحہ پر گذر چکی ہے۔ شیطان کے پاس گمراہی کے جال بہت سے ہیں چنانچہ جب اس کو نکالا گیا تو حدیث سابق میں ہے اس نے پوچھا اے پروردگار میرا ٹھکانا زمین میں کہاں ہوگا؟ تو فرمایا مزابل پر یعنی غلیظ جگہوں پر۔ کہا میں پڑھوں گا کیا؟ تو جواب ملا کہ شعر۔ پھر پوچھا۔ میرا موذن کون ہوگا؟ تو جواب ملا کہ طبلہ سارنگی۔ دریافت کیا کہ میری غذا کونسی ہوگی تو جواب ملا ہر وہ چیز جس پر میرا نام نہ لیا گیا ہو۔ پوچھا کہ میرا مشروب کیا ہوگا؟ تو جواب ملا کہ ہر قسم کی شراب، کہا میرا گھر کہاں ہوگا؟ تو جواب ملا کہ حمام کہنے لگا میری مجلس کہاں ہوگی؟ تو جواب ملا کہ بازاریں اور عورتوں کے

اجتماعات میں کہنے لگا ۔ میرا لباس کیا ہوگا تو جواب ملا کہ راگ و رنگ پھر پوچھا میری شکارگاہ کیا ہوگی تو جواب ملا کہ عورتیں پس یہ خوش ہو کر چلا گیا تو آدم نے عرض کی کہ میری اولاد کیا کرے گی ؟ تو ارشاد ہوا کہ تجھے تین چیزیں عطا کرتا ہوں ۔ ایک صرف میرے لئے ، دوسری صرف تیرے لئے اور تیسری میرے اور تیرے درمیان مشترک ہوگی ۔ پہلی چیز جو صرف میرے لئے ہے وہ ہے عبادت کہ اس میں کسی کو شریک نہ کیا جائے دوسری جو صرف تمہارے لئے ہے وہ یہ کہ ہر نیکی کا بدلہ دس گنا دوں گا کہ اس کا ایک ایک حصہ بڑے سے بڑے پہاڑ سے بھی وزنی ہوگا اور تیسری چیز جو مشترک ہے وہ یہ کہ تمہارا کام ہے دعا مانگنا اور میرا کام ہے قبول کرنا پس یہ سن کر ابلیس سٹ پٹایا اور چلایا کہ ہائے میں بنی آدم کو کیسے گمراہ کروں گا ۔

صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ۔ عَلَيَّ کو عَلِيٌّ بھی پڑھا گیا ہے اور جر پڑھنے کی کوئی قرأت منقول نہیں لیکن تفسیر اہل بیت میں جر کی قرأت کا احتمال ہے کیونکہ تفسیر برہان و صافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام سے صراطِ علیٍّ منقول ہے اور بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم وہ علی ہیں اور خدا کی قسم وہی میزان اور صراط مستقیم ہیں ۔ نیز تفسیر برہان میں مناقب ابن شاذان سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن خطاب نے عرض کی حضور آپ علی کے متعلق فرماتے ہیں اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی حالانکہ ہارون کا قرآن میں ذکر موجود ہے اور علی علیہ السلام کا نہیں ۔ تو آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ کیا اللہ نے نہیں فرمایا هٰذَا صِرَاطُ عَلِيٍّ مُسْتَقِيمٌ ۔

اِنَّ عِبَادِیْ :۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس سے مراد آئمہ اور ان کے شیعہ ہیں ۔

اِنَّ جَهَنَّمَ :۔ جہنم کے سات دروازوں سے مراد اس کے تہ بہ تہ سات طبقے ہیں جن کو درکات جہنم کہا جاتا ہے تفسیر برہان میں بروایت امام محمد باقر علیہ السلام ترتیب اس طرح ہے ۔ (۱) جحیم (۲) لظی (۳) سقر (۴) حطمہ (۵) ہاویہ (۶) سعیر (۷) جہنم اور اسی میں وہ کنواں ہے جس کا ڈھکنا کھولنے سے دوزخ کے تمام طبقات بھڑک اٹھتے ہیں اور اس کا عذاب سب درکاتِ جہنم سے زیادہ ہے ۔ اور مجمع البیان میں درکاتِ جہنم نیچے سے اوپر اس ترتیب سے منقول ہیں (۱) سب سے نیچے جہنم (۲) لظی (۳) حطمہ (۴) سقر (۵) جحیم (۶) سعیر (۷) ہاویہ اور ایک روایت اس کے الٹ ہے یعنی سب سے نیچے ہاویہ اور سب سے اوپر جہنم ہے اور ابن عباس کی روایت میں ترتیب جہنم ۔ سعیر ۔ سقر ۔ جحیم لظی حطمہ اور ہاویہ ہے ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ جنت کے طبقات ایک دوسرے کے اوپر نیچے نہیں بلکہ ایک دوسرے کے عرض میں ہوں گے اور تفسیر برہان میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے جنت کے آٹھ دروازے ہوں گے (آٹھ طبقات ہوں گے) ایک دروازہ نبیوں اور صدیقوں کے لئے دوسرا جملہ شہدا و صالحین کے لئے پھر پانچ دروازے ہمارے شیعوں اور محبوں کے لئے ہوں گے میں صراط پر کھڑے ہو کر کہوں گا اے میرے پروردگار ! میرے شیعوں محبوں

maablib.org

مددگاروں اور موالیوں کو بچائے تو بطنانِ عرش سے ندا آئے گی کہ تیری دعا مقبول ہے۔ پس میرا ایک ایک شیعہ و موالی اپنے ہمسایوں اور قریبیوں میں سے ستر ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت کر سکے گا جنہوں نے میری مدد کی ہو گی اور میرے دشمنوں سے دشمنی رکھی ہو گی اور جنت کا آٹھواں دروازہ ان عام مسلمانوں کے لئے ہو گا جن کے دلوں میں ایک مثقال برابر بھی اہل بیت کا بغض نہ ہو گا۔

اسرار روحانیہ (۱) تفسیر صافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حدیثی میں روح کی اللہ کی طرف نسبت پسندیدگی، برگزیدگی اور اشرفیت کی بنا پر ہے کہ خدا نے ایک برگزیدہ روح کو خلق فرمایا جس کو باقی ارواح پر فوقیت بخشی اور اسی سے حضرت آدم میں نفخ فرمایا۔

(۲) علامہ فیض کاشانی تحریر فرماتے ہیں کہ روح عالم حس و شہادت سے نہیں بلکہ یہ عالم ملکوت و غیب سے ہے یوں سمجھ لیجئے کہ بدن بمنزلہ چھلکے یا غلاف یا قالب کے ہے اور روح ہی اس کی زندگی کا موجب ہے پس وہ اس سے ایک الگ مخلوق ہے جیسے کہ وہ فرماتا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ اور بروایت بصائر امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ مومن اور اس کے بدن کی مثال اس طرح ہے جیسے ایک ڈبیہ میں موتی اور جب موتی نکال لیا جاتا ہے تو ڈبیا کو پھینک دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ روح بدن میں مخلوط نہیں بلکہ وہ اس سے الگ اور اُس پر حاوی و مسلط ہے۔

(۳) بروایت احتجاج آپ سے مروی ہے کہ روح نہ ثقیل ہے نہ خفیف بلکہ یہ ایک لطیف جسم ہے جس کو کثیف قالب کا لباس پہنایا گیا ہے آپ سے دریافت کیا گیا کہ قالب سے جدا ہو جانے کے بعد کیا وہ فنا ہو جاتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ وہ نفخ صور تک زندہ رہے گا پس جب نفخ صور ہو گا تو ہر چیز کے ساتھ یہ بھی فنا ہو جائے گا اور دوسری دفعہ جب نفخ صور ہو گا تو ہر شے کو ان کا خالق دوبارہ زندہ کرے گا پس یہ بھی دوبارہ زندہ ہو گا اور ہر دو نفخ کے درمیان چار سو برس کا زمانہ ہو گا۔

(۴) نفخ صور کے زمانہ تک نیک لوگوں کے ارواح عیش و آرام اور روشنی میں ہوں گے اور بدکردار و بدعقیدہ گنہگاروں کے ارواح عذاب کی تنگی و تاریکی میں رہیں گے۔

(۵) بروایت کافی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے کہ حضور رسالت مآب نے فرمایا انبیاء و مرسلین میں خدا نے پانچ روحیں خلق فرمائی ہیں (۱) روح القدس (۲) روح الایمان (۳) روح القوہ (۴) روح الشہوہ (۵) روح البدن پس وہ روح القدس کی بدولت نبی و رسول بنائے گئے اور روح الایمان کے ذریعے سے وہ عابد و موحد ہوئے اور روح القوہ کے سبب سے کسب معاش اور جہاد کیا اور روح شہوت کی بدولت عورتوں سے نکاح کیا اور روح بدن کے ذریعے سے وہ چلنے پھرنے پر موفق ہوئے۔ پھر ان میں سے بھی بعض کے بعض پر درجات بلند ہیں اور

یہ سابقون کے مصداق ہیں۔ اور مومنوں میں خدا نے روح القدس کے علاوہ باقی چار روح پیدا کئے اور وہ اصحاب المیمنہ ہیں اور باقی لوگوں میں روح ایمان کے علاوہ باقی تین روح ہیں اور وہ اصحاب المشئمہ ہیں ۔ملخصا۔

(۶) ایک طویل روایت میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام نے کمیل سے فرمایا کہ نفس چار ہیں (۱) نفس نامیہ بناتیہ (۲) نفس حسیہ حیوانیہ (۳) نفس ناطقہ قدسیہ (۴) نفس کلیہ الہیہ ۔ اور ان میں سے ہر ایک کی پانچ پانچ قوتیں اور دو دو خاصیتیں ہیں ۔ چنانچہ نفس نامیہ بناتیہ کی پانچ قوتیں ۔ ماسکہ جاذبہ ہاضمہ دافعہ اور مربیہ ہیں اور ان کی خاصیت بڑھنا یا گھٹنا ہے اور یہ جگر کی پیداوار ہیں اور نفس حسیہ حیوانیہ کی پانچ قوتیں سامعہ باصرہ شامہ ذائقہ اور لامسہ ہیں اور اس کی دو خاصیتیں غصہ اور رضامندی ہیں اور یہ دل کی پیداوار ہیں اور نفس ناطقہ قدسیہ کی پانچ قوتیں فکر ذکر علم حلم اور بیدار مغزی و بلند حوصلگی ہیں ۔ اور اس کی دو خاصیتیں پاکیزگی اور دانائی ہیں اور نفس کلیہ الہیہ کی پانچ قوتیں فنا میں لذت بقا ۔ بدحالی میں لطف نعمت ۔ ذلت میں عزت نفس ۔ دولت مندی میں فاقہ مستی اور مصائب پر صبر و ضبط ہیں اور ان کی دو خاصیتیں تسلیم و رضا ہیں اور یہ وہی ہے جس کا مبدا و مآل اللہ ہے اور اسی کے متعلق ارشاد ہے وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوْحِيْ اور اسی کو دوسرے مقام پر نفس مطمئنہ قرار دیا گیا ہے ۔

رکوع نمبر ۴ متقی لوگ جنّت میں جائیں گے

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا

تحقیق متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے (ان کو کہا جائیگا) اس میں داخل ہو جاؤ سلامتی کے ساتھ پر امن اور ہم کھینچ لیں گے جو ان کے سینوں میں کینے ہوں گے خوشی کی مسندوں پر بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے ہوں گے نہ ان کو مس کرے گی تھکان اور نہ وہ اس سے

اَلْمُتَّقِيْنَ ۔ بروایت برہان حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے ایک حدیث طویل میں منقول ہے جب کہ آپ قبر اور منبر کے درمیان اپنے چند شیعوں سے خطاب فرما رہے تھے ، آپ نے ان کو سلام دیا اور فرمایا خدا کی قسم میں تمہاری ارواح سے محبت کرتا ہوں پس تم زہد و تقویٰ کے ساتھ میری اعانت کرو وَاعْلَمُوْا اَنَّ وِلَايَتَنَا لَا تُنَالُ اِلَّا بِالْوَرَعِ وَالْاِجْتِهَادِ ۔ یقین کرو کہ ہماری ولایت تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ۔

جناب رسالت مآبؐ کا فرمان ہے اے علی تو اور تیرے شیعہ جنّت میں جائیں گے اور قرآن کا فرمان ہے متقی لوگ جنّت میں جائیں گے پس اس کا صاف نتیجہ یہ ہے کہ علی کے شیعہ وہی ہیں جو متقی ہوں ۔ چنانچہ حدیث

سابق اسی بات کو ثابت کر رہی ہے۔

بِمُخْرَجِينَ ﴿۵۸﴾ نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۵۹﴾

نکالے جائیں گے ۔ خبر دو میرے بندوں کو تحقیق میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں

وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ﴿۶۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ

اور تحقیق میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے اور ان کو بتا دو

ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ﴿۶۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا

ابراہیم کے مہمانوں کا قصہ جب اس پر داخل ہوئے پس سلام کیا

قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿۶۲﴾ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ

تو اس نے کہا ہمیں تم سے خطرہ ہے کہنے لگے نہ خطرہ کرو تحقیق ہم تجھے دانا بچے

بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۶۳﴾ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ

کی خوشخبری سناتے ہیں فرمایا خوشخبری کیسے؟ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں پس کس کی

فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿۶۴﴾ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ

خوشخبری سناتے ہو؟ کہنے لگے ہم نے ٹھیک خوشخبری دی ہے پس آپ کو

مِنَ الْقَانِطِينَ ﴿۶۵﴾ قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ

مایوس نہیں ہونا چاہیئے فرمایا اللہ کی رحمت سے کون مایوس ہوتا ہے؟ سوائے

إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿۶۶﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۶۷﴾

گمراہوں کے فرمایا تمہارا ضروری کام کونسا ہے؟ اے (اللہ کے) بھیجے ہوئے

نُبَشِّرُكَ - بشارت کی تفصیل اور واقعہ سورہ ہود کی تفسیر میں جلد نمبر ۷ صفحہ ۲۳ پر گذر چکی ہے تفسیر برہان میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے ایک دفعہ حضرت سارہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ تجھے خدا نے اپنا خلیل بنایا ہے اور وہ تیری دعا کو رد نہیں فرماتا آپ اللہ سے دعا مانگیں تاکہ وہ ہمیں لڑکا عطا فرمائے جو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث ہو پس خدا کی جانب سے خوش خبری دی گئی کہ تجھے علیم لڑکا دوں گا اور مروی ہے کہ تخل کی بدولت قوم لوط اس اخلاق سوز مصیبت میں مبتلا ہوئی۔ قدرے تفصیل تفسیر کی جلد ۶ ص ۵۶ پر مذکور ہے۔

یہ لوگ پہلے پہل ضیافت سے تنگ آکر مہمانوں کے ساتھ غیر فطری فعل کے مرتکب ہوئے پھر مہمانوں نے اگرچہ وہ راہ ترک کردی تھی لیکن ان میں یہ بدعادت گھر کر گئی۔ پس عورتوں کی بجائے مردوں پر شہوت بجھانا ان کا معمول زندگی بن گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو حضرت ابراہیم کے خالہ زاد یا چچازاد اور سارہ کے بھائی تھے ان میں تیس برس رہ کر تبلیغ فرمائی لیکن بے اثر ثابت ہوئی۔ پس اللہ نے جب ان پر عذاب بھیجنا چاہا تو چونکہ حضرت ابراہیمؑ و حضرت لوطؑ کی دلداری بھی مقصود تھی لہذا عذاب لانے والے فرشتوں کو پہلے ابراہیم کے پاس بیٹے کی خوشخبری کے لئے بھیج دیا اور بعد میں قوم لوط کی ہلاکت کی خبر دی تاکہ قوم کے عذاب کی خبر سے پہلے بیٹے کی بشارت سن لیں اور بعد والی اندوہناک خبر کو برداشت کرکے صبر و ضبط سے کام لینے میں ان کو آسانی ہو۔ چونکہ وہ رات کو پہنچے تو آپ نے سمجھا کہ چند ڈاکو ہیں لہذا ڈر گئے تو انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم خوشخبری دینے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ اگرچہ حضرت ابراہیمؑ کو بشارتِ پروردگار کا پورا علم تھا اور مطمئن تھے۔ لیکن ظاہری تعجب کے جواب میں فرشتوں نے کہا آپ مایوس نہ ہوں یہ خوش خبری بالکل درست ہے اس کے بعد قوم لوط کے عذاب کی خبر سنائی۔

رکوع نمبر ۵ قوم لوط کا ذکر

بِالْحَقِّ۔ حق کا اطلاق کئی معانی پر ہوا کرتا ہے (۱) امر واقع (۲) صدق (۳) ذات پروردگار (۴) دین اسلام (۵) قیامت (۶) موت (۷) عذاب (۸) حکمت وغیرہ اور آیت مجیدہ میں اس مقام پر حق سے مُراد عذاب ہے اور مجاز مرسل کے طور پر عذاب کی اطلاع مقصود ہے جس طرح آیت ۵۵ میں صدق اور آیت ۸۵ میں حکمت مُراد ہے۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا

کہنے لگے تحقیق ہم بھیجے گئے ہیں مجرم قوم کی طرف سوائے لوط کے گھرانے کے

لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ

تحقیق ہم ان سب کو بچا لیں گے سوائے اس کی عورت کے ہمارا فیصلہ ہے کہ وہ پیچھے

الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَلَمَّا جَاۗءَ اٰلَ لُوْطِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ

رہنے والوں میں سے ہوگی پس جب آئے آل لوط کے پاس خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے آپ نے فرمایا

فَاَسْرِ۔ یعنی رات کا کچھ حصہ باقی ہو تو آپ کو روانہ ہو جانا چاہیئے اس طریقہ سے کہ آپ سب کے پیچھے چلیں تاکہ نجات یافتگان آپ کی نظر میں ہوں اور اس طرح جاؤ کہ پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے یعنی بعد میں ہونے والے حالات سے بے نیاز ہو کر جاؤ جس طرح کسی کو کہا جاتا ہے اس طرح چل کہ پیچھے کی طرف نہ دیکھنا یعنی بے فکر ہو کر سیدھا چلا جا اور تفسیر برہان میں ہے وقت مقرر کیا گیا کہ سات دن گذرنے کے بعد آٹھویں رات کو آخری حصہ میں جانا چنانچہ آٹھویں رات گذرنے

پر صبح کو عذاب آیا۔

قَضَیْنَا۔ یعنی ہم نے لوط کو اطلاع دے دی تھی کہ صبح تک یہ سب عذاب میں گرفتار کر لئے جائیں گے اور ان سب میں سے جو بعد میں معذب ہو گا وہ بھی صبح تک ختم ہو جائے گا یا یہ کہ ان کی پوری نسل ختم کر دی جائے گی۔

امر کی وضاحت اولو الامر کی بحث میں بعض لوگ کج بحثی کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اولو الامر ہونے کی حیثیت سے تکوینیات میں دخیل تھے حالانکہ قرآن مجید کی تصریحات اس کے برعکس ہیں دیکھیے حضرت لوط و حضرت ابراہیم اپنی اپنی قوم کے لئے وقت کے اولو الامر تھے۔ پس جب عذاب کا وقت آیا تو خدا نے اپنے نبی کو اطلاع دے دی اور سورہ ہود کی تفسیر میں جلد ۷ صفحہ ۲۳۲ پر ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ سے عذاب کے ہٹانے کی پرزور سفارش کی جس کو اللہ نے مجادلہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا لیکن خدا نے ابراہیم کی جو وقت کے اولو الامر تھے کوئی سفارش قبول نہ فرمائی اور سرزنش کر کے فرمایا۔ یَا اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اے ابراہیم اس بات کو چھوڑیے اور کوئی سفارش نہ کیجیے کیونکہ ان پر عذاب کا فیصلہ حتمی ہے اور یہ ہرگز نہیں ٹل سکتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ خدا اپنے فیصلے میں اپنے کسی نبی وولی اور رسول و اولو الامر سے نہ مشورہ لیتا ہے اور نہ ان کی سفارش قبول کرنے کا پابند ہے البتہ ان کی جلالت قدر اور عظمت شان کے پیش نظر مصلحت کے ماتحت ان کو قبل از وقت اطلاع دے دیتا ہے چنانچہ حضرت نوح کا واقعہ اور ان کی اپنے بیٹے کے حق میں سفارش اور اس کا سخت لہجہ

اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا

تحقیق تم اجنبی لوگ ہو تو کہنے لگے بلکہ ہم تیرے پاس وہ چیز لائے ہیں جس

فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَیْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

میں یہ لوگ شک کرتے تھے اور ہم تیرے پاس عذاب کی یقینی خبر لائے ہیں اور ہم سچے ہیں

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ

پس چلے جاؤ اپنی اہل کو لے کر جب رات کا کچھ حصہ باقی ہو اور خود ان کے پیچھے چلو اور تم میں سے

وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

پیچھے پلٹ کر کوئی نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمہیں حکم ہوا ہے

وَقَضَیْنَآ اِلَیْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ

اور ہم نے اپنا حتمی فیصلہ اس کو بتا دیا تھا تحقیق ان کی نسل صبح تک قطع ہو

ہیں جواب قرآن مجید میں مذکور ہے۔ جو مذکورہ بالا بیان کی تائید کرتا ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ۔ آیاتِ مجیدہ کی تفسیر ج ۵ سورہ ہود ص ۲۳۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بَنٰتِیْٓ۔ قوم کی بیٹیاں مراد ہیں تفصیل ج ۵ ص ۲۳۴ پر دیکھیں۔

مُصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾

جائے گی اور آئے شہر والے ایک دوسرے سے (لڑکوں کی) خوشخبری سنتے ہوئے

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

آپ نے فرمایا یہ میرے مہمان ہیں پس تم مجھے رسوا نہ کرو اور اللہ سے ڈرو

وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ

اور مجھے شرمسار نہ کرو کہنے لگے کیا ہم نے تجھے لوگوں (کی میزبانی) سے روکا نہیں؟ فرمایا

هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ

یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم (شادی) کرنے والے ہو تیری زندگی کی قسم تحقیق وہ اپنے

لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

نشے میں سرگردان تھے پس پکڑ لیا ان کو دھماکے نے

مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا

دن نکلے پس کر دیا ہم نے اوپر کے حصے کو نیچے اور برسائے ان پر پتھر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

سخت قسم کے تحقیق اس میں

لَعَمْرُكَ۔ یہ حضرت رسالت مآبؐ کا ہی اعزاز واکرام ہے کہ خداوند کریم نے آپ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

تنبیہ۔ اس میں شک نہیں کہ علی سے مہدی تک تمام آئمہ اولوالامر کے مصداق ہیں لیکن اس کلمہ میں امر کا معنی حکم ہے یعنی خدا کی جانب سے معین کردہ حکمران اور اسی لحاظ سے انبیاءُ اوصیا اپنے اپنے زمانہ کے اولوالامر تھے۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں امر کی لفظ وارد ہو اسی کلمہ کی وجہ سے محمدؐ و آل محمد کو اس میں متصرف قرار دیا جائے کہ یہ اولوالامر ہیں اور ہمارے ہاں بے لگام مقررین قرآن مجید میں ذکر ہونے والے ہر امر کو آل محمد کی تحویل میں سمجھ لیتے ہیں حالانکہ امر متعدد معانی کے لئے قرآن میں وارد ہے۔ مثلاً ارادہ خداوندی۔ مشیت۔ فیصلہ۔ قیامت۔ معاملہ

عذاب شان اور حکم وغیرہ اور آئمہ طاہرین آخری معنی کے لحاظ سے اولوالامر ہیں۔ یعنی وہ اُمور شرعیہ کے نفاذ و رواج کے لئے تمام اُمّت کے حاکم ہیں۔

سِجِّيلٍ۔ تفسیر کی جلد ۲ ص ۲۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

لِلْمُتَوَسِّمِينَ:۔ تفسیر برہان میں عبدالرحمٰن بن کثیر سے مروی ہے میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ سفر حج کیا۔ ایک جگہ آپ ایک پہاڑی پر چڑھ گئے اور لوگوں کے ہجوم کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے مَا اَكْثَرَ الضَّجِيجَ وَمَا اَقَلَّ الْحَجِيجَ۔ یعنی شور کس قدر زیادہ ہے اور حاجی کس قدر کم ہیں۔ پس داؤد بن کثیر رقی نے عرض کی اے فرزند رسولؐ کیا خدا ان سب کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا اے ابوسلیمان خدا مشرک کو کبھی نہیں بخشے گا اور علی کی ولایت کا منکر بت پرست کی مانند ہے۔ میں نے عرض کی حضور! آپ

لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ
نشانیاں ہیں غور کرنے والوں کے لئے ۔ اور تحقیق ان کی بستی ایک معروف سڑک پر واقع تھی تحقیق
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
اس میں نشانیاں ہیں مومنوں کے لئے ۔ اور تحقیق ایکہ والے ظالم
لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾
تھے ۔ تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور تحقیق یہ دونو قومیں (مقام عبرت و نصیحت ہیں) بالکل پیش ہیں

اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان لیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اے ابوسلیمان جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا جاتا ہے مومن ہے یا کافر جو آدمی ہمارے پاس آئے تو ہم اس کی پیشانی سے سمجھ لیتے ہیں کہ کون ہے؟ جیسا کہ خدا فرماتا ہے اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ پس ہم اسی طرح اپنے دوستوں اور دشمنوں کو جان لیتے ہیں اور بروایت عیاشی منقول ہے کہ متوسّمین سے مراد آلِ محمدؐ ہیں۔ چونکہ جامع قرآن نے ترتیب آیات سے قطع نظر قرآن کو جمع کیا ہے لہذا یہ سوال بالکل لغو ہے کہ یہ آیت قوم لوط کے حالات سے مختص ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ آیت مجیدہ اس مقام پر مسافر اور اجنبی سے معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ۔ تفسیر کی جلد ۶ ص ۵۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ اصحاب ایکہ پر بادل سے بجلی گری تھی اور اصحاب مدین دھماکے (صاعقہ) سے معذب ہوئے تھے ان دونوں کے رسول حضرت شعیب تھے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ ایکہ گھنے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں اور حضرت شعیب کی قوم کا یہی مسکن تھا۔

لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ یعنی ان دونو قوموں سے عبرت لینی چاہیے اور وہ اس لحاظ سے امام یعنی پیش رو ہیں۔

رکوع نمبر ۶ قوم صالح کا ذکر

اَصْحٰبُ الْحِجْرِ۔ کہتے ہیں مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی تھی جس کا نام حجر تھا اور بعضوں نے کہا ہے کہ حجر اُس شہر کا نام تھا۔ جس میں قوم ثمود کی رہائش تھی اور حضرت صالح ان کی طرف مبعوث برسالت ہوئے اور چونکہ ایک رسول کی تکذیب تمام نبیوں اور رسولوں کی تکذیب ہے لہٰذا تمام رسولوں کی تکذیب کی ان کی طرف نسبت دی گئی۔ ناقہ اور اس کا بچہ پھر ایک دن اُس کا پینا اور قوم پر دودھ کا کافی ہونا اور دوسرے دن قوم کا پانی پینا اور اس کا پیاسا رہنا وغیرہ یہ سب اللہ کی طرف سے آیات تھیں جن کو انہوں نے ٹھکرایا اور مستحق عذاب ہوئے۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَ
اور تحقیق جھٹلایا اصحٰب حجر نے رسولوں کو اور
اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَكَانُوْا
ہم نے دیں ان کو اپنی نشانیاں تو وہ ان سے اعراض کرنے والے تھے اور وہ تراشتے
يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿٨٢﴾ فَاَخَذَتْهُمُ
تھے پہاڑوں سے اپنے گھر با امن پس پکڑلیا ان کو
الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿٨٣﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
بجلی نے صبح کرتے ہوئے تو نہ بچاسکا ان کو وہ جو کماتے
يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
تھے اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے

يَنْحِتُوْنَ۔ سنگ تراشی کے ماہر تھے پس پتھروں سے گھر بناتے تھے۔ عمریں لمبی لمبی رکھتے تھے۔ اور بڑے اطمینان و آرام سے چوروں ڈاکوؤں کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر زندگی گذارتے تھے۔ مفصل قصہ جلد ۶ صفحہ ۴۹ تا صفحہ ۵۶ اور ج ۷، صفحہ ۲۲۸ مذکور ہو چکا ہے۔

مَا خَلَقْنَا۔ دعوتِ اسلامیہ کے تتمہ کے طور پر خدا نے اپنی خالقیت و حکمت کا ذکر دُہرایا۔ اور اس میں تدبر نہ کرتے ہوئے دعوتِ حق کو ٹھکرانے والوں کو قیامت کی آمد سے خبردار کیا۔ اور حساب کے لئے متنبہ فرمایا۔

فَاصْفَحِ۔ عام حالات میں درگذر کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم جہاد کے منافی نہیں ہے کیوں کہ ہر ایک کا مقام الگ ہے۔ پس سخت گیری کا مقام اپنا ہے اور نرمی رحم دلی۔ سہل انگاری اور چشم پوشی کا مقام اپنا ہے حضرت

امیر المومنین علیہ السلام سے مجمع البیان میں منقول ہے کہ ناراضگی ظاہر کئے بغیر معاف کر دینے کا نام در گذر ہے۔
سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ ۔ اس میں تین اقوال ہیں (۱) مثانی سے مراد پورا قرآن ہے جس طرح کہ ارشاد باری ہے کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ (۲) اس سے پہلی لمبی سات سورتیں مراد ہیں جن کو سبع طوال بھی کہا جاتا ہے (۳) سورہ فاتحہ کا سبع مثانی ہونا بسم اللہ الخ کے جزو سورہ ہونے کی دلیل بھی ہے کیونکہ اس کے بغیر آیات فاتحہ کی تعداد سات نہیں بنتی۔ اس کو مثانی کہنے کے کئی وجوہ ہیں (۱) قرآن مجید کے تمام مضامین اس سورہ میں مجمل طور پر مذکور ہیں اور پھر دوبارہ پورے قرآن میں ان کی تفصیل موجود ہے۔ گویا پورے قرآن کے لئے یہ سورہ دوبارہ اجمالی خاکہ ہے (۲) یہ سورہ دو دفعہ نازل ہوا (۳) اس کے دو حصے ہیں ایک حصہ حمد و ثنا اور دوسرا حصہ دعا (۴) اس کے الفاظ میں تکرار ہے جیسے رحمٰن و رحیم وغیرہ (۵) یہ تثنیہ سے موڑنے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے کہ فاسق لوگوں کو فسق سے موڑتا ہے ان کے علاوہ وجوہ تسمیہ تفسیر کی دوسری جلد مں ۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔
من تبیین کے لئے ہے۔ اور اگر مثانی سے مراد قرآن ہو تو من تبعیض کے لئے ہوگا اور قرآن کا عطف تفسیری ہوگا اور پہلی صورت میں عطف کا ہونا سورہ فاتحہ کی عظمت کو ثابت کرتا ہے کہ وہ قرآن کے مقابلہ میں علوم کا خزانہ ہے جو مستقل طور پر خالق کا اپنے حبیب کو عطیہ ہے۔

اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾
درمیان ہے مگر حکمت کے مطابق اور تحقیق قیامت آنے والی ہے پس درگذر کر اچھی طرح
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا
تحقیق تیرا رب ہی پیدا کرنے والا علیم ہے اور ہم نے تجھے عطا کیں سات
مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ
مثانی سے * اور قرآن عظیم نہ بڑھاؤ اپنی نظریں طرف
اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ
اس کے جو ان کو ہم نے ملی جلی نعمات عطا کیں اور نہ ان پر غمزدہ ہو اور جھکا دو اپنے
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا
بازو مومنوں کے لئے اور کہہ دو تحقیق میں صاف طور
النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾
پر ڈرانے والا ہوں جس طرح ہم نے نازل کیا تقسیم کرنے والوں پر

لَا تَمُدَّنَّ ۔ آیت مجیدہ میں تین قول ہیں (۱) مَتَّعْنَا کا مفعول محذوف ہے اور اَزْوَاجًا حال ہو یعنی کفار کو جو ہم نے منافع عطا کئے درحالیکہ وہ منافع جوڑے جوڑے ہیں یعنی ایک ایک جنس وصنف کے متعدد افراد ہیں ۔ مثلاً متعدد اموال و متعدد اولادیں وغیرہ ان کی طرف نظر نہ اٹھاؤ (۲) کفار کی ان نعمات کو باعث رشک نہ سمجھو جو اپنی نظیر و مثال رکھتی ہیں کہ وہ جوڑا جوڑا ہو سکتی ہے کیوں کہ خدا نے تم کو ایسی نعمات بخشی ہیں جن کی نظیر نہیں مثلاً نبوت قرآن اور اسلام وغیرہ کہ ان کا جوڑا موجود نہیں اور ان دونو صورتوں میں مِنْهُم میں ضمیر کا مرجع کفار نہیں گے کہ ان کفار میں سے ان کی ان نعمات کو قابل التفات نہ سمجھو (۳) اَزْوَاجًا کو مَتَّعْنَا کا مفعول قرار دیا جائے اور ازواج سے مراد اصناف کفار ہوں ۔

تفسیر برہان میں جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ اللہ کی تسلی سے جس کو تسلی حاصل نہ ہو وہ دنیا کی حسرتوں میں گرفتار رہے گا جو غیر کی نعمات کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھے گا وہ غم وہم میں گرفتار رہے گا جو دنیاوی حالات پر غمگین ہو گویا وہ اللہ پر ناراض ہے جو مصائب کا شکوہ کرے وہ مصائب کا نشانہ ہوتا ہے کیونکہ اس نے اللہ کا شکوہ کیا اور اس امت میں سے جو شخص قرآن پڑھنے کے باوجود دوزخ میں داخل ہوگا وہ وہی ہوگا جو اللہ کی آیات سے تمسخر کرتا ہو اور جو کسی امیر و رئیس کے سامنے اس سے کچھ لینے کی خاطر تواضع کرے اور خوشامد سے پیش آئے تو اس کا دو تہائی دین برباد ہوتا ہے ۔ الحدیث

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ (۹۱) فَوَرَبِّكَ

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے پس تیرے رب کی قسم

لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ (۹۲) عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۹۳) فَاصْدَعْ

ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے ۔ اس کے متعلق جو وہ کرتے تھے پس تو ظاہر کر

بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (۹۴) إِنَّا كَفَيْنَاكَ

جو تجھے حکم ہوا ہے اور اعراض کر مشرکوں سے تحقیق تیری کفایت کرلی

وَلَا تَحْزَنْ ۔ یعنی ان کے اسلام قبول نہ کرنے پر غمزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔

وَاخْفِضْ ۔ یعنی مومنوں کے لئے اپنے اخلاق کریمانہ کو اور وسعت دے دو (بازو جھکانا محاورہ ہے)

كَمَا أَنْزَلْنَا ۔ اس کے دو معانی کئے گئے ہیں (۱) ہم نے تجھ پر قرآن اس طرح اتارا جس طرح یہود و نصاریٰ پر اتارا کہ انہوں نے اس کے مضامین کو تقسیم کر دیا پس ٹکڑے ٹکڑے کر کے کسی ٹکڑے کو مان لیا اور کسی کا انکار کر دیا (۲) میں تم کو عذاب سے ڈراتا ہوں جس طرح کہ وہ اترا تقسیم کرنے والوں پر کہتے ہیں ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمیوں کو

مقرر کیا جو لوگوں کو حضرت رسالت مآبؐ کی تعلیمات سے برگشتہ کریں پس وہ تقسیم ہو کر مکہ کی گلیوں کوچوں میں پھیل گئے اور ایام حج میں لوگوں کو حضورؐ سے برگشتہ کرنے کے درپے ہوئے پس خدا نے ان کو بدترین عذاب میں گرفتار کیا؛ کیونکہ انہوں نے قرآن مجید کے حصّے کر دیئے کسی حصّہ کو جادو کسی کو شعر اور کسی کا نام افترا رکھ لیا۔

عِضِيْنَ ۔ عِضَةٌ کی جمع ہے اصل میں عضو تھا پس واو کو حذف کیا گیا۔

دشمنانِ پیغمبرؐ کو سزا

اِنَّا كَفَيْنَاكَ ۔ مروی ہے کفار میں سے چھ آدمی ایسے تھے جو بات بات پر تمسخر کر کے آپ کو رنجیدہ کرتے تھے (۱) عاص بن وائل (۲) ولید بن مغیرہ (۳) ابوزمعہ اسود بن مطلب (۴) اسود بن عبد یغوث (۵) حارث بن قیس (۶) حارث بن طلاطلہ۔

تفسیر صافی میں بروایت احتجاج حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا خداوند کریم نے رسالت مآبؐ پر تمسخر کرنے والوں کو بدترین موت دی کہ ہر ایک کی موت کی نوعیت دوسرے سے الگ تھی اور سب کی موت ایک ہی دن میں واقع ہوئی ولید قبیلہ خزاعہ کے لوہار کے پاس سے گذرا جو تیر بنا تا تھا پس تیر کی نوک اس کی پنڈلی کی رگ میں لگی کہ رگ

الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿۹۵﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ

ہم نے مسخری کرنیوالوں سے جو بناتے ہیں اللہ کے ساتھ اور خدا

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ

پس وہ عنقریب جان لیں گے اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل تنگ ہوتا ہے ان

صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿۹۷﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ

باتوں سے جو وہ کہتے ہیں پس اپنے رب کی حمد سے اس کی تسبیح اور

مِّنَ السَّاجِدِينَ ﴿۹۸﴾ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ﴿۹۹﴾

سجدہ کرنے والے بنو اور اپنے رب کی عبادت کرو یہاں تک کہ موت آجائے

ٹوٹ گئی اور اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ عاص بن وائل ایک پہاڑی پر چڑھا اور ایک پتھر پر حاجت ضروریہ کے لئے بیٹھا تھا کہ پاؤں کے نیچے سے پتھر پھسلا اور نیچے گر کر چکنا چور ہو گیا۔ اسود بن یغوث اپنے بیٹے زمعہ کو ملنے جا رہا تھا کہ ایک درخت کے سائے میں بیٹھا۔ پس جبریل نے اس کو پکڑ کر درخت کے تنے سے ٹکرا ٹکرا کر مار دیا وہ اپنے غلام کو کہتا تھا کہ اس شخص سے مجھے چھڑاؤ۔ لیکن وہ جواب دیتا تھا کہ مجھے تو کوئی آدمی نظر نہیں آتا تو خود ہی ٹکریں مارتا ہے۔ اسود بن مطلب حضورؐ کی بد دعا سے نابینا ہو کر مرا اور حارث بن طلاطلہ گھر سے نکلا۔ باد سموم چل رہی تھی

پس اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا جب گھر پلٹا تو اپنی اہلیہ کے پاس گیا گھر والے چونکہ نہ پہچان سکے لہٰذا اس کے قتل کے درپے ہوئے وہ چلّاتا رہا کہ میں حارث ہوں لیکن وہ نہ مانے اور اس کو قتل کر دیا۔ اور بروایت مجمع البیان حارث بن قیس نے مچھلی کھائی اور پیاس کے غلبہ سے پانی پی پی کر پھول گیا اور اُس کی موت واقع ہو گئی۔

ان میں سے ہر ایک بوقت مرگ یہی کہتا تھا کہ مجھے محمدؐ کے خدا نے مارا ہے۔ اور ان سب کی موت ایک گھنٹہ کے اندر واقع ہوئی۔

اس کے بعد حضورؐ گھر سے نکلے اور ایک بلند مقام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو دینِ خدا کی دعوت دی۔ اور مروی ہے کہ بعثت کے بعد جب کفّارِ قریش درپے ایذا ہوئے تو آپ نے کئی برس تک خاموشی اختیار کر لی اور تقیہ کر کے تبلیغ کا سلسلہ بند کر دیا سوائے علی اور خدیجہ کے اس وقت اور کوئی دامنِ اسلام سے وابستہ نہیں ہوا تھا۔ پس جب اللہ کا حکم ہوا کہ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ الخ یعنی تو اپنی تعلیمات کو ظاہر کر اور مسخری کرنے والوں کو میں سزا دوں گا اور آپ کو مذکورہ بالا سزا مل بھی گئی تو آپ نے کھل کر میدانِ تبلیغ میں قدم رکھا اور فرمایا، اے گروہِ قریش میں تم کو کلمہ توحیدِ خدا اور اپنی رسالت کی دعوت دیتا ہوں اور میں تم کو بت پرستی کی بُرائی سے بچنے کا پیغام دیتا ہوں اگر میری بات مانو گے تو عرب پر تمہاری حکومت کا جھنڈا لہرائے گا اور عرب و عجم تمہارے حکم کے سامنے سرنگوں ہوں گے نیز دنیا کی حکومت کے ساتھ ساتھ تم کو جنّت میں بھی خدا سرداری عطا فرمائے گا۔ پس فوراً جواب میں کہنے لگے یہ دیوانہ ہے لیکن حضرت ابوطالب کے بلند وقار کے پیش نظر ایذا رسانی کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے حضورؐ کو الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اگر آپ اپنی باتوں سے باز نہ آئے تو ہم قتل کر دیں گے اور ظہر تک یہ فیصلہ ہو گا۔ چنانچہ آپ غمزدہ ہو کر گھر میں چپکے سے بیٹھ رہے ایک گھنٹہ کے بعد جبریل آیا اور کہا کہ خدا اسلام کے بعد فرماتا ہے اِصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ یعنی جو تجھے حکم ہوا ہے اُس کا اعلان کر دو اور مشرکین کی باتوں کی پرواہ نہ کرو۔ آپ نے فرمایا اے جبریل ان لوگوں نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے تو اس کا کیا حل ہے؟ پس جبریل نے یہ آیت پڑھی اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ یعنی ہم نے مسخری کرنے والوں سے تیری کفایت کر لی ہے یعنی ان کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ تو ابھی یہاں موجود تھے جبریل نے کہا میں ابھی ان کا معاملہ صاف کر کے آ رہا ہوں پس آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی۔

ایمان ابوطالب

بروایت برہان علی بن ابراہیم سے اسی ذیل میں منقول ہے کہ کفّارِ قریش حضرت ابوطالب کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی کہ تیرا بھتیجا ہمیں بیوقوف بناتا ہے وہ ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے اور اُس نے ہمارے نوجوانوں کو پھسلا لیا ہے کہ ہماری اجتماعی زندگی افتراق و اختلاف کا نشانہ بن گئی ہے اگر وہ یہ باتیں تنگ دستی کی وجہ سے کرتا ہے تو ہم چندہ ڈال کر اُسے مالدار کر دیتے ہیں اگر شادی کا خواہشمند ہے تو قریش کی جس

عورت سے چاہے ہم اس کی شادی کرا دیں گے چنانچہ ابو طالب نے آپ کے سامنے ان کی درخواست دہرائی تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا یہ اللہ کا دین ہے اور اُس نے مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے میں کفار قریش کو خوش کر کے اپنے اللہ کو ناراض نہیں کروں گا۔ انہوں نے حضرت ابُو طالب سے حضور کو طلب کیا تو ابو طالب نے نہایت سخت جواب دے کر ان کی اُمیدوں پہ پانی پھیر دیا جب سب قریشیوں نے آپ کے قتل کے ایک عہد نامہ پر دستخط کئے تو حضرت ابو طالب نے تمام بنی ہاشم کو بلا کر کعبہ کے اندر رکن مقام اور بیت اللہ کی قسم دے کر کہا اگر میرے بیٹے محمد کو کسی نے تکلیف پہنچائی تو میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ پس چار سال تک شعب میں لے جا کر حفاظت کا فریضہ انجام دیا جب شعب سے باہر آئے اور ابو طالب کی موت کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا چچا جان! آپ نے میری تربیت، کفالت اور حفاظت میں بہت بہترین کردار ادا کیا خدا آپ کو جزائے خیر دے اب کلمہ اسلام کا اظہار کرو تا کہ میں آپ کا شفیع بن جاؤں تو مروی ہے کہ وفات سے قبل حضرت ابوطالب نے کلمہ اسلام ظاہر کر دیا جس پر حضور رضا مند ہو گئے۔ اور آپ نے فرمایا جب میں مقام محمود پر ہوں گا تو اپنے والدین اور چچا کی شفاعت کروں گا۔

مذہب امامیہ کا عقیدہ ہے کہ آبائے نبی علیہ السلام تا آدم مسلمان تھے اور نورِ نبوت کسی عہد میں کافر پشتوں اور کافر رحموں سے نہیں گذرا جو لوگ حضور کے والدین کو کافر کہتے ہیں وہ رسول کے مقام کو نہیں سمجھے اسی طرح حضرت ابو طالب کو کافر کہنا محض آل محمدؐ کے ساتھ حسد و بغض کے منحوس اثرات میں سے ہے جو آلِ محمد سے لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے بروئے کار لایا گیا۔ ہم حضرت ابو طالب کے ایمان کے متعلق مفصل بحث تفسیر کی جلد ۵ ص ۲۰۱ تا ص ۲۱۱ پر کر چکے ہیں نیز اپنی نو تصنیف کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں آبائے رسالت مآبؐ اور ابو طالب کے ایمان پر ہم نے مدلل بیان سپردِ قرطاس کیا ہے۔

اَلْیَقِیْن۔ اس مقام پر یقین سے مُراد موت ہے اور بعضوں نے علم بھی مُراد لیا ہے۔

maablib.org

سُورَۂ نَحْل

اس کی کل آیات ایک سو اٹھائیس ہیں۔

اس کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے (۱) پہلی چالیس آیات مکی باقی مدنی ہیں (۲) آخری تین آیتوں کے علاوہ باقی سب سورہ مکیہ ہے اور سورہ کہف کے بعد نازل ہوا ہے۔

مجمع البیان میں حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے جو شخص اس سورہ کو پڑھے محشر میں دنیاوی نعمتوں کا اس سے حساب نہ ہوگا اور نیک وصیت کر کے مرنے والوں کے برابر اس کو اجر عطا کیا جائے گا۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے جو شخص ہر ماہ میں ایک بار پڑھتا رہے تو دنیا میں تاوان سے بچا رہے گا اور ستر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوگا جن میں کم از کم دیوانگی، برص اور جذام ہیں اور بروز محشر اس کا ٹھکانا جنت عدن میں ہوگا۔

جو شخص اس کو لکھ کر کسی باغیچے میں دفن کرے وہ باغ جل جائے گا اور اگر کسی گھر میں اس کو دفن کیا جائے تو سال کے اندر وہ سب ختم ہو جائیں گے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس کو باغیچہ میں رکھنے سے ہر پھل دار درخت کا پھل گر جائے گا اور کسی گھر میں رکھنے سے وہ گھر برباد ہوگا اور سال کے اندر بسنے والے سب فنا ہوں گے۔ لہذا اس کا عمل کرنے سے تم لوگ بچو۔ ہاں ظالم کے لئے اس کا استعمال ممنوع نہیں ہے (ذاتی، جذباتی عداوتوں کی بنا پر کسی کو ظالم سمجھ لینا اور اس کے درپے ایذا ہونا ٹھیک نہیں۔ البتہ اگر کوئی شخص خدا و رسول کا دشمن اور خلق خدا کا ظالم ہو تو اس کے ظلم سے بچنے کی خاطر اس کے استعمال کی اجازت ہے ورنہ کسی مومن مسلم کے گھر کو برباد کرنے والا کہیں خود نہ اس کی زد میں آجائے۔) مثل مشہور ہے چاہ کن را چاہ درپیش۔

رکوع نمبر ۱ حضرت قائمؑ کی آمد

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ اس میں تین قول ہیں (۱) امر سے مراد مشرکوں اور کافروں کا عذاب ہے اور مستقبل قریب میں آنے والے عذاب کو ماضی کے صیغے سے بطور مبالغہ کے ادا کیا گیا ہے کہ گویا ابھی آیا (۲) امر سے مراد قیامت ہے پس یقینی آنے والے واقعات کو ماضی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جیسے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (۳) امر سے مراد احکام شرعیہ خواہ اوامر ہوں یا نواہی (۴) حضرت قائم آلِ محمدؐ کی آمد اور آئمہ طاہرینؑ سے یہی قول مروی ہے اور باقی اقوال بھی ظاہر کے لحاظ سے آخری معنی کے ساتھ متصادم نہیں ہیں۔

تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ قائم علیہ السلام کی آمد سے پیشتر جبرئیل ایک قدم کعبہ پر اور دوسرا بیت المقدس پر رکھ کر آواز دے گا۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ الخ۔ پس حضرت قائم تشریف لائیں گے اور مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز ادا کریں گے اور تین سو تیرہ کی تعداد میں اصحاب ان کے ہمراہ ہوں گے ان میں سے بعض تو وہ ہوں گے جو راتوں رات اپنے بستر پر سے یہاں پہنچیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو رحمٰن و رحیم ہے (شروع کرتا ہوں)

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ ۱ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى

آئے گا اللہ کا امر پس نہ اس کی جلدی کرو منزہ اور بلند ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں

اتارتا ہے فرشتوں کو روح کے ساتھ اپنے حکم سے جس پر

بِالرُّوْحِ ۔ روح کا معنی وحی یا قرآن کیا گیا ہے کیونکہ ان کی بدولت انسان کا دل و دماغ زندہ ہوتا ہے نیز اس سے نبوت بھی مراد لی گئی ہے۔ تفسیر برہان میں روح کو ملائکہ کے علاوہ ایک اور مخلوق کہا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے ایک شخص کو اسی آیت مجیدہ سے دلیل دے کر سمجھایا کہ روح عام فرشتوں کے علاوہ ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ انبیاء کی طرف جبرئیل روح کو ساتھ لے کر آتا ہے اور یہ روح اوصیاء کے ساتھ ہمیشہ رہا کرتا ہے۔

مِنْ اَمْرِهٖ :- اس مقام پر مِن باء کے معنی میں ہے یعنی خدا کا حکم لے کر اترتے ہیں۔

توحید کا بیان

فَاتَّقُوْنِ - یعنی نبیوں اور رسولوں کی بعثت کی غرض ہی صرف یہ ہے کہ لوگوں کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی مخالفت سے ڈرائیں۔ پس اے انسانو! تم کو ڈرنا چاہیئے اس کے بعد اپنی خالقیت

اور جملہ احسانات کا تذکرہ فرمایا۔ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور خالق ہوتا تو دعوت توحید لا الٰہ الا انا کے بعد مسئلہ خلق کو نہ بیان فرماتا۔ بلکہ خدا نے کسی غیر کو خالق ماننے والوں کو صریح الفاظ میں مشرک کہہ دیا کہ آسمانوں اور زمینوں کا سچا خالق اللہ ہے اور وہ مشرکوں کے بکواسوں سے بلند و بالا ہے۔ پھر نطفہ سے انسان کی پیدائش کو بیان کیا اور فرمایا کہ کس قدر ناسپاس گذار واقع ہوا ہے کہ وہ بجائے شکر گذاری کے میرے حق خالقیت کا انکار کرتے ہوئے میری مخلوق کو میرے برابر ٹھہراتا ہے۔ اس کے بعد حیوانات کی تخلیق اور ان کے منافع کا ذکر فرمایا (۱) سردیوں میں حیوانوں کی اون اور کھال سے تمہارے گرم لباس بنتے ہیں (۲) حلال حیوان تمہارے کھانے کے لئے ہیں۔ (۳) حیوانوں کا وجود تمہارے لئے زینت ہے کیونکہ جس گھر میں ہوں وہ گھر خوبصورت اور جس آدمی کی ملکیت ہوں وہ لوگوں میں صاحب جلال و وقار ہوتا ہے (۴) تمہارے بوجھ اٹھانے کے کام آتے ہیں (۵) تمہاری سواری کی خاطر بھی ہیں اسی طرح قلبہ رانی و دیگر منافع ان میں موجود ہیں۔ پس فرمایا اور بھی بہت سی چیزیں خدا نے پیدا کیں اور کرے گا جو تمہاری منفعت کے لئے ہوں گی۔ جن کا تم کو علم بھی نہیں۔ پس

مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

چاہے اپنے بندوں میں سے کہ ڈراؤ تحقیق کوئی معبود نہیں سوائے میرے

فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا

پس مجھ سے ڈرو اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ بلند ہے وہ اس

يُشْرِكُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ

سے جو شرک کرتے ہیں پیدا کیا انسان کو نطفے سے پس وہ کھلم کھلا

خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا

جھگڑالو ہے اور چوپاؤں کو پیدا کیا کہ تمہارے لئے ان میں گرمی

دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا

موجود ہے اور دوسرے فائدے بھی ہیں اور انہی سے تم کھاتے بھی ہو اور تمہارے لئے

جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَ

ان میں زینت ہے جب ان کو شام کو لاتے ہو اور صبح کو چرنے بھیجتے ہو اور وہ

تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ

اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ شہروں تک کہ تم نہیں لے جا سکتے مگر جان کی تکلیف کے ساتھ

دور حاضر کی سواریاں اور آسانیاں سب کا اجمالی ذکر اس میں کر دیا گیا۔

الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (٧) وَّالْخَيْلَ

تحقیق تمہارا رب مہربان رحیم ہے اور گھوڑے

وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا

خچر اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ ان پر سواری کرو اور زینت کے لئے اور پیدا کرتا ہے جس کا

تَعْلَمُوْنَ (٨) وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ

تم کو علم بھی نہیں اور اللہ پر ہے سیدھا راستہ (دکھانا) ان میں سے ٹیڑھے بھی ہیں

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (٩) ع هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ

اور اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ہدایت کر دے وہ وہ ہے جس نے نازل کیا آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ

پانی کہ تم اس سے پیتے ہو اور اس سے درخت اُگتے ہیں کہ چوپاؤں کو چراتے

تُسِيْمُوْنَ (١٠) يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ

ہو اس کے ذریعے سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور انگور

وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اور ہر قسم کے میوہ جات اُگاتا ہے تحقیق اس میں نشانیاں ہیں اس قوم

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (١١) وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

کے لئے جو فکر کریں اور مطیع کیا تمہارے لئے رات اور دن کو اور سورج و چاند

وَعَلَى اللّٰهِ ۔ یعنی اللہ کا کام ہے سیدھا راستہ بیان کرنا اس کے بعد اختیار کرنا بندوں کا اپنا فعل ہے۔ قصد کا مضاف بیان یا ہدایت محذوف ہے۔

وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۔ یعنی اگر خدا جبر کے ذریعے سے چاہتا تو تم سب کو قہراً راہ حق پر لے آتا لیکن وہ جبر کو پسند نہیں کرتا۔

رکوع نمبر ۸

نعمات خداوندی

هُوَ الَّذِيْٓ ۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا جس سے انسان پیتے ہیں اور اس سے درخت سیراب ہوتے ہیں۔ یعنی مِنْهُ سَقْيُ شَجَرٍ پس شجر کا مضاف محذوف ہے اور یہ اعراب میں اس کے قائم مقام ہے اور درخت سے مراد ہر قسم کی نباتات ہے۔

وَمَا ذَرَأَ - نعمات خداوندی میں سے ہے زمین کی تمام تر پیداوار بعض کھانے کو بعض پہننے کو بعض تفریح کے لئے بعض عیش و عشرت کے لئے وعلی ہذا القیاس ۔ چنانچہ ہر کا رنگ الگ ذائقہ جدا لذت اپنی اپنی اور ان کی جملہ مصلحتوں کو جاننا بھی انسان کے بس سے باہر ہے۔

درسِ معرفت خداوند کریم نے درسِ معرفت کے لئے ان تین آیتوں میں تین قسمیں بیان کی ہیں پہلی قسم سے درسِ معرفت ہر صاحب عقل نہیں لیتا بلکہ صرف وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جو غور و فکر کے میدان میں عقول کی پشت پر سوار ہو کر آگے بڑھیں لہذا وہاں وہ بیان فکر کرنے والوں کے لئے مختص فرمایا دوسری قسم لیل و نہار کا اختلاف اور چاند سورج کی گردش و تسخیر کو ظاہری طور پر بغیر غور و خوض کے ہر آدمی سمجھتا ہے۔ لہذا ہر صاحب عقل و دانش کے لئے اس کو اپنی معرفت کا زینہ قرار دیا اس کے بعد نعمات کی تیسری قسم اس کی خورد و نوش اور بود و باش کے لوازم اور اسباب زندگی کا

وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

کو اور ستارے مطیع ہیں اسی کے حکم سے تحقیق اس میں نشانیاں

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٢﴾ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ

ہیں عقل والی قوم کے لئے اور وہ جو پیدا کیں تمہارے لئے زمین سے

مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٣﴾

رنگ برنگی مختلف چیزیں تحقیق اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو نصیحت حاصل کریں

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا

اور وہ وہ ہے جس نے مطیع کیا دریاؤں کو تاکہ کھاؤ اس سے تازہ گوشت (مچھلی) اور نکالو

وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ

اس سے زیور جس کو پہنتے ہو اور دیکھو گے کشتیوں کو

ذکر کیا جو دعوتِ شکر و حمد کی متضمن ہے پس اس سے فائدہ اٹھانا چونکہ بیدار مغز اور احسان شناس طبقہ کا ہی کام تھا۔ لہذا انہی کے ساتھ مخصوص کر دیا۔ پس يَتَفَكَّرُونَ، يَعْقِلُونَ اور يَذَّكَّرُونَ کی جدا جدا فصلیں اسی مناسبت سے ہیں۔

حِلْيَةً: خشکی کی نعمات کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد بحری نعمات کا بیان شروع فرمایا کہ اس نے دریاؤں کو تمہارا مطیع کیا کہ اس سے مچھلی کا تازہ گوشت حاصل کر سکتے ہو اگر پانی مطیع نہ ہوتا تو یہ نعمت تمہیں کیسے

دستیاب ہو سکتی ہے پھر غوطہ زنی کر کے جواہر آبدار اس کی تہ سے نکال کر زیورات میں استعمال کرتے ہو اور پھر کشتیاں اس کو چیرتی پھرتی ہیں۔ مَوَاخِرَ جمع ہے مَاخِرَہ کی اور مخر کا معنی پانی کا چیرنا ہوا کرتا ہے اور پانی کی یہ تسخیر تمہاری تفریح طبع کے علاوہ تمہارے سفر تجارت کے لئے بھی ہے کہ دوسرے ممالک سے رابطہ قائم کر کے فضلِ خداوندی کی تلاش کر سکو۔ یہاں فضل سے مراد منفعت تجارت ہے کیونکہ شکارِ مچھلی اور اخراجِ جواہر کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ۔ زمین پر پہاڑوں کا وجود زمین کے اضطراب کو ختم کرنے کے لئے ہے تاکہ انسانی زندگی پرسکون ہو اور پھر ان کے دامن کو قسم قسم کی معدنیات سے بھر کر انسان کے لئے منافع خوری کے طریقے آسان فرما دئے۔ اَنْھٰرًا۔ زمین کے اوپر دریاؤں کی روانی اور ان کا متعین راستوں سے بہ کر جانا غور کرنے والوں کے لئے درسِ توحید ہے۔ وَعَلٰمٰتٍ۔ یعنی خدا نے زمین پر علامات پیدا کر دیں تاکہ انسانوں کے لئے اطراف اور اوقات کی تعیین میں

مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

پانی کو چیرنے والی اس میں اور تاکہ حاصل کرو اس کا رزق اور تاکہ تم شکر کرو

وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّ

اور اس نے ڈالے زمین پر پہاڑ کہ وہ ہلنے نہ پائے اور نہریں اور

سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ

گذرگاہیں تاکہ تم ہدایت پاؤ اور نشانیاں اور ستاروں کے ذریعے وہ لوگ

یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ اَفَلَا

ہدایت پاتے ہیں کیا وہ جو پیدا کرتا ہے مثل ان کے ہے جو نہیں پیدا کرتے کیا تم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ

نہیں پکڑتے اور اگر تم گنو اللہ کی نعمتوں کو تو نہ احصا کر سکو گے تحقیق اللہ

معاون ہو۔

وَبِالنَّجْمِ مطلق جنس ستارگان مراد ہے کیونکہ سمتوں اور وقتوں کے تعیین میں ان کا بڑا دخل ہے اور اس کی تاویل میں آئمہ علیہم السّلام سے مروی ہے کہ ہم علامات ہیں اور جناب رسالت مآب نجم تھے اور حضور سرورِ کائنات نے فرمایا تھا کہ خداوند کریم نے ستاروں کو آسمان والوں کے لئے باعثِ امان بنایا۔ اور میری اہل بیت زمین والوں

کے لئے باعث امان ہے۔ (مجمع البیان)

بیانِ توحید

وَاِنْ تَعُدُّوْا - اگر انسان چاہے کہ اللہ کی نعمات کو شمار کرے تو یہ ناممکن ہے اور جہاں تک انسانی معلومات کا تعلق ہے نعمات پروردگار کے وہ خزائن جو انسان پر منکشف ہیں ان کے بیش بہا افراد کا شمار طاقت و بشری سے باہر ہے حالانکہ اُسی کی نعمات کے وہ مخفی خزائن جن کو انسانی عقل و شعور کی کنجیاں ابھی تک کھول نہیں سکیں یا انسانی تدبیر کے ناخن ان کی رموز کی گرہوں کو حل کرنے سے تا حال قاصر ہیں یا جن کے روشن چہرہ سے حس و ادراک کے ہاتھوں ابھی تک پردہ نہیں اُٹھایا جا سکا اور وہ سربستہ رموز کی صورت میں پنہاں ہیں وہ ان ظاہر و منکشف نعمات کی بنسبت کہیں زیادہ ہیں۔

انسان تو اپنے جسم و بدن کے قویٰ اعصاب کے اندر تفویض شدہ اسرار و حقائق اور رموز و مصالح کی معرفت اور ان کے شمار کرنے سے عاجز ہے اور غور و فکر کے تازی تیز رنگ کے اوپر سوار ہو کر اپنے وجود کی پوری سیر عمر بھر نہیں کر سکتا تو وہ باقی نعمات خداوندی کے ادراک و احصاء کے لئے زمین اور اس کی تہوں پہاڑ اور ان کی وادیوں پانی اور اس کی گہرائیوں آسمانوں کی بلندیوں اجرام علویہ کی حلقوں ہواؤں، فضاؤں، خلاؤں، دریاؤں، آبشاروں غرضیکہ یہ قدرت کی جملہ پر از حکمت و تدبیر کرشمہ سازیوں کا کہاں تک اور کیوں کر مطالعہ کر سکتا ہے؟

لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا

بخشنے والا رحیم ہے اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور جو ظاہر

تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

کرتے ہو اور جو لوگ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ نہیں

لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ

پیدا کر سکتے کچھ بلکہ وہ خود پیدا کردہ ہیں وہ مردہ بغیر

وَالَّذِیْنَ - اس کے بعد چیلنج دے کر فرماتا ہے کہ جن کو بھی خدا کے علاوہ بلاؤ کسی ایک شخص کی تخلیق پر بھی قدرت نہیں رکھ پاتے وہ تو اپنے وجود میں خالق کے محتاج ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ حاجت روا کیسے بن سکتا ہے یا خود میری تخلیق کا محتاج ہے وہ میرے مقابلہ میں خالق کیسے بن سکتا ہے؟

توحید پروردگار کی قسم جن لوگوں نے خدا کے فرستادہ نبیوں اور ولیوں کو خالق مان لیا انہوں نے نعمات پروردگار کی توہین کی اور اس سے بڑھ کر اور کفران کیا ہو سکتا ہے؟ کہ وہ اپنے لطف و کرم سے انسان کو انسانیت سکھانے اور اس کی عاقبت کے سنوارنے کے لئے نمائندے بھیجے اور اس کی بے پایاں نعمت کا شکر ادا

کرنے کی بجائے ان ہی کو اس محسن کا شریک قرار دیا جائے۔ خود ائمہ معصومین نے ان لوگوں پر لعنت بھیجی ہے جنہوں نے ان کو خالق و رازق مانا۔ آلِ محمدؐ کو امام و پیشوا ماننے والوں پر اللہ کا کس قدر احسان ہے کہ ان کو ایسے رہبر عطا کئے اس کا حق شکریہ نہیں کہ اس کی ربوبیت کی ردا میں ہاتھ ڈال کر آلِ محمدؐ کو خالق کہا جائے پس جس شرک سے بچانے کے لئے وہ تشریف لائے تھے اسی میں پھنس کر اپنی عاقبت کو خراب کرنا بارش سے بچنے کے لئے پرنالہ کے نیچے کھڑے ہونے کے مترادف ہے۔

یاد رکھئے جس طرح حضرت عزیرؑ کو اور حضرت عیسےٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے کافر ہیں اسی طرح حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کو خالق و رازق جاننے والے بھی مشرک ہیں جو مولوی یا مقرر اپنی چرب لسانی سے آلِ محمد کو خالق یا رازق ثابت کرتے ہیں وہ آلِ محمدؐ کی تعریف نہیں کرتے بلکہ وہ آلِ محمدؐ کے مشن کی تخریب میں پیش پیش ہیں شیعہ عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح فرعون نمرود شداد وغیرہ کو خدا ماننے والے مشرک تھے اسی طرح انبیا و اولیا کو خالق و رازق کہنے والے بھی مشرک ہیں۔

غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (۲۱)
روح کے ہیں نہیں شعور رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے
إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
تمہارا معبود صرف ایک ہے پس جو لوگ نہیں ایمان لاتے قیامت پر
قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (۲۲) لَا جَرَمَ
ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں بے شک
أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا
تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ نہیں

اَمْوَاتٌ۔ میت کی جمع ہے اور میت اس کو کہا جاتا ہے جس کی شان میں زندگی ہو گویا موت و حیات میں عدم و ملکہ کا تقابل ہے پس بتوں کو میت کہنا اس لئے درست ہے کہ وہ ان کو انسانی ڈھانچوں میں ظاہر کرتے تھے۔ نیز جن اولیا یا انبیاء کی فرطِ محبت میں آکر لوگوں نے ان کو مسندِ توحید پر جا بٹھایا وہ بھی عدم کے بعد وجود میں آئے تھے کیونکہ حیات ان کی عین ذات نہیں تھی۔ پس وہ ذات کے اعتبار سے اموات ہیں احیا نہیں ہیں تو جو خود اپنے وجود کو حیات بخشنے کے لئے محتاج ہو وہ کسی کو کیسے حیات بخش سکتا ہے لہذا خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے اور ان کو تو یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ ہمیں دوبارہ کب اٹھایا جائے گا؟۔

رکوع نمبر ۹

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ ۔ پہلے اپنی خالقیت کو بیان فرمایا پھر متعدد نعمات گننے کے بعد غور و فکر کی دعوت دی اور اپنے غیر کی خالقیت کی صراحت سے نفی فرمائی اور نتیجہ کے طور پر فرمایا کہ بس تمہارا الٰہ ایک ہے ۔ بعض مقرر لوگ عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم علیؑ کو الٰہ نہیں سمجھتے اور خالق سمجھنا منافیٔ توحید نہیں آیت مجیدہ ان کے لئے دعوتِ فکر ہے کیونکہ غیر اللہ کی خالقیت کی نفی کے بعد توحید ربوبیت کے اعلان کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو خالق ہے وہی الٰہ ہے اور جو الٰہ ہے وہی خالق ہے ۔ پس خالق و الٰہ میں نسبت تساوی کی ہے ۔ اور حضرت عیسےٰ کی طرف خلق کی نسبت مجازی ہے ورنہ در حقیقت ہر شی کا خالق اللہ ہے اور اس کا اس میں کوئی شریک نہیں ہے

اَلْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۔ تفسیر صافی میں بروایت عیاشی منقول ہے ایک مرتبہ امام حسینؑ کا گذر مساکین کے پاس سے ہوا کہ وہ زمین پر چادر بچھا کر اور روٹی کے ٹکڑے پھیلا کر کھا رہے تھے پس انہوں نے دعوت دی تو آپ نے ان کے ساتھ مل کر کھانا تناول فرمایا اور بعد میں یہ آیت تلاوت فرمائی ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ

لِيَحْمِلُوْٓا ۔ یہ لام عاقبت کا ہے یعنی غلط بیانی کا انجام یہ ہو گا کہ ان کی گردنوں پر اپنے بوجھ کے علاوہ تمام

يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ (۲۳) وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ

پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو ۔ اور جب ان کو کہا جائے کیا اتارا ہے تمہارے

رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (۲۴) لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ

رب نے تو کہتے ہیں کہ قصے گذشتہ لوگوں کے (نتیجہ کے طور پر) اٹھاتے ہیں اپنے بوجھ

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

پورے بروز قیامت اور ان لوگوں کے بوجھ سے بھی جن کو انہوں نے گمراہ کیا

بِغَيْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (۲۵) قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ

بے خبری میں بے شک ان کا بوجھ بہت برا ہو گا ۔ تحقیق مکر کیا ان لوگوں نے

ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی ہو گا جن کو انہوں نے گمراہ کیا تھا اور حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے جو شخص کسی کو ہدایت کی طرف بلائے اور اس کی اتباع کی جائے تو ان کی نیکیوں کے ثواب بھی اس کے نامۂ اعمال میں درج ہوں گے اور کرنے والوں کو اپنے اپنے مقام پر بھی پورا ثواب ملے گا اور جو گمراہی کی دعوت دے اور اس کی اتباع کی جائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ان کی برائیوں کا گناہ درج ہو گا حالانکہ کرنے والوں کے نامہ میں بھی کمی نہ ہو گی ۔ اور تفسیر برہان میں آئمہ اہل بیت سے بھی اس مضمون کی روایات نقل کی گئی ہیں ۔ نیز مروی ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے حق کے غاصب اپنے گناہوں کے علاوہ تمام ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی اٹھائیں

گئے جنہوں نے ان کی اتباع کی تھی۔ اور صافی میں حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے جہاں کوئی خونریزی یا لڑائی

مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ
جو ان سے پہلے تھے پس اللہ نے ان کے مکر کی عمارتوں کو بنیادوں سے گرا دیا۔ پس گری ان پر
عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ
چھت اوپر سے اور آیا ان پر عذاب ایسی جہت سے کہ وہ نہ
حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۶) ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ
جانتے تھے پھر بروز قیامت ان کو رسوا کرے گا اور
وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ط
کہے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک جن کی وجہ سے تم جھگڑتے تھے
قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ
کہیں گے وہ جن کو علم دیا گیا (فرشتے) تحقیق رسوائی اور ذلت آج کافروں
عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (۲۷) الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ
پر ہے جن کو ماریں گے فرشتے درحالیکہ وہ اپنے نفسوں کے ظالم ہوں
اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ط
گے پس اطاعت پیش کریں گے یہ کہہ کر کہ ہم نے کوئی برائی نہیں کی
بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۲۸) فَادْخُلُوْٓا
ہاں تحقیق اللہ جانتا ہے جو تم کرتے تھے پس جہنم کے

یا بدکاری یا حرام خوری ہوگی ان سب کا گناہ ان دونوں کی گردن پر رکھا جائے گا۔

رکوع نمبر ۱۰

قَدْ مَكَرَ الخ۔ حضور کو تسلی دی گئی ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی تکذیب اور ان کے ساتھ امت کی جانب سے فریب کاری کا دستور رہا ہے لہذا آپ ان باتوں سے گھبرا نہ جائیں بلکہ صبر و سکون سے اپنی تبلیغ کو جاری رکھیں۔

فَاَتَى اللّٰهُ۔ کہتے ہیں نمرود بن کنعان نے ایک اونچا محل بنوایا تھا اور ایک بلند سیڑھی کے ذریعے سے آسمان پر چڑھ کر سکان سمٰوات سے لڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ پس خداوند کریم نے ایک ہوا بھیج کر اس کی ساری تعمیر کو زمین بوس کر کے اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیئے اور بعض نے بخت نصر

اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَی

دروازوں سے داخل ہو جاؤ کہ ہمیشہ رہو گے اس میں البتہ برا ٹھکانا ہے تکبّر کرنے

الْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۲۹﴾ وَ قِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ

والوں کا اور کہا جائے گا ان کو جنہوں نے تقویٰ کیا کہ کیا اتارا تمہارے رب نے

قَالُوْا خَیْرًا ؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ

کہیں گے کہ خیر احسان کرنے والوں کے لئے اس دنیا میں بھی نیکی اور آخرت کا گھر

وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ؕ وَ لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۰﴾ جَنّٰتُ

بھی اچھا اور متقی لوگوں کا گھر خوب ہے ہمیشہ کی جنت

عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا

جس میں داخل ہوں گے کہ ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ان کے لئے اس میں وہ

مَا یَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۳۱﴾ الَّذِیْنَ

ہوگا جو چاہیں گے اسی طرح اللہ بدلہ دیتا ہے متقیوں کو جن کو

تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ ۙ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ

ماریں گے فرشتے پاکیزگی کے ساتھ کہنے والے ہوں گے سلام علیکم

کا ذکر کیا ہے ۔ بعض مفسّرین نے ذکر کیا ہے کہ وہ سچ مچ عمارت نہیں تھی بلکہ تمثیل کے طور پر ان کے مکروفریب کو ایک مکان سے تشبیہ دے کر تدبیر خداوندی سے اس کا انہدام بیان کیا گیا ہے اور ان کے اوپر چھت گرنے کا مقصد یہ ہے کہ اپنے کئے کا وبال خود انہی کے سر پر پڑا اور انبیاء کی ایذا رسانی کے منصوبے بنانے والے خود مبتلائے عذاب ہو گئے ۔

اُوتُوا العِلْم ۔ تفسیر قمی سے منقول ہے کہ اس سے مُراد آئمہ اہل بیت ہیں جو اپنے دشمنوں کو خطاب کر کے کہیں گے کہ اب تمہارے وہ شریک کہاں ہیں ؟

فَاَلْقَوُا السَّلَم ۔ یعنی ملک الموت کی آمد پر وہ ہتھیار ڈال دیں گے اور مقابلہ چھوڑ کر اطاعت قبول کریں گے لیکن اس وقت کی اطاعت کس کام کی ؟ بلکہ ان کی یہ اطاعت تشریعی نہیں بلکہ تکوینی ہوگی اور یہ موجب جزا نہیں ہوتی ۔

مَا کُنَّا نَعْمَلُ ۔ یعنی اللہ کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے اپنے اعمال زشت سے مکر جائیں گے ۔

قِیْلَ ۔ متقی لوگوں سے سوال ہوگا کہ خدا نے کیا بھیجا تھا تو کہیں گے اُس نے خیر محض بھیجی تھی یعنی قرآن بھیجا تھا

maablib.org

جس میں ہدایت اور خیر تھی۔

طَيِّبِينَ۔ یعنی متقی لوگوں کی موت ایسی حالت میں ہوگی کہ وہ پاک و پاکیزہ ہوں گے۔ پس فرشتے سلام کہہ کر ان کو جنت کی بشارت دیں گے۔ تفسیر صافی میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب انسان کا روح جسم سے جدا ہوتا ہے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ میں جنت میں جا رہا ہوں یا جہنم میں اگر وہ خدا کا دوست ہوگا تو جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور اللہ کی تیار کردہ نعمات سامنے ہوں گی۔ پس اس کو ہر تکلیف بھول جائے گی۔ اور اگر اللہ کا دشمن ہوگا تو جہنم کے دروازے کھل جائیں گے اور عذاب کا معائنہ کرے گا جو اللہ نے اس کے لئے تیار کیا ہوگا پس ہر مصیبت اس کے سامنے آجائے گی اور یہ سب موت کے وقت ہی ہوا کرتا ہے۔ (چنانچہ آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

داخل ہو جاؤ جنت میں بسبب اس کے جو تم عمل کرتے تھے نہیں انتظار کرتے (کفار) مگر

أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ

اس کی کہ آئیں ان کے پاس فرشتے (عذاب لے کر) یا آئے رب کا امر (عذاب) اسی طرح کیا

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ كَانُوا

ان نے جو پہلے تھے اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے نفسوں

أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا

پر ظلم کرتے تھے پس پہنچی ان کو بری خبر اس کی جو انہوں نے عمل

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٣٤﴾ ع وَقَالَ الَّذِينَ

کیا اور گھیرا ان کو اس نے جو وہ مسخری کرتے تھے اور کہا انہوں نے جو شرک

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اس جگہ نظر انتظار کے معنی میں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کفار کا عمل یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان کو ملائکہ عذاب یا قیامت کی ذلت کا انتظار ہے اور ہمیشہ سے کفار کا یہی دستور رہا ہے۔

رکوع نمبر ۱۱

وَقَالَ الَّذِينَ۔ مشرک لوگ اپنی بد رسوم کے جواز میں کہا کرتے تھے کہ اگر ہماری بت پرستی بری ہوتی تو خدا نے جبراً ہمیں روک دیا ہوتا۔ اسی طرح ہمارا بحیرہ و سائبہ کو حرام کرنا اگر برا کام ہوتا تو خدا کی طرف سے کوئی امتناعی حکم آتا پس چونکہ باوجود ہمارے اصرار کے اس نے کوئی سرزنش نہیں کی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارا فعل اس کی رضا کے ماتحت ہے اور ہمیشہ سے غلط کار لوگ اپنے اصلاح کرنے والوں کو اسی قسم

کے جوابات دیا کرتے ہیں چنانچہ اس زمانہ میں جس کو روشنی کا دور کہا جاتا ہے۔ عموماً غلط کار لوگ اپنی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے اسی قسم کی یاوہ گوئیوں سے اصلاح کرنے والوں کا منہ چڑاتے ہیں۔ آیت مجیدہ میں ان کے اس فعل وعذر کی مذمت ہے اور اسی قسم کی آیت سورہ انعام میں بھی موجود ہے جس کی تفسیر جلد ۵ صفحہ ۲۶۵ پر موجود ہے

أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ

کرتے تھے اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ عبادت کرتے اس کے سوا کسی کی نہ ہم اور نہ ہمارے

نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ

باپ دادا اور نہ ہم حرام کرتے اس کے حکم کے بغیر کسی شی کو اسی طرح کیا

فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ

ان لوگوں نے جو پہلے تھے پس نہیں رسولوں پر مگر پہنچا دینا

الْمُبِينُ ﴿٣٥﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا

ظاہر اور ہم نے بھیجا ہر امت میں رسول کہ عبادت کرو اللہ

اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ

کی اور بچو شیطان سے پس ان میں سے بعض کو خدا نے ہدایت کی

وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا فِي

اور بعض پر مسلط رہی گمراہی پس پھرو زمین میں اور

الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٦﴾

دیکھو کیا تھا انجام جھٹلانے والوں کا

الطَّاغُوتَ۔

طاغوت کا معنی شیطان ہے۔ اور ہر وہ شخص جو گمراہی کی دعوت دے وہ طاغوت ہے۔ تفسیر برہان وصافی میں بروایت عیاشی امام جعفر صادق سے مروی ہے مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا قَطُّ إِلَّا بِوَلَايَتِنَا وَالْبَرَاءَةِ مِنْ أَعْدَائِنَا کہ خدا نے کوئی نبی نہیں بھیجا مگر ہماری ولایت اور ہمارے دشمنوں سے برأت کے ساتھ چنانچہ آپ نے یہی آیت پڑھی۔ پس بعض لوگوں نے ہدایت پائی اور بعض پر تکذیب آل محمدؐ کے صلہ میں گمراہی مسلط ہوئی۔

اقسموا باللہ ص ۲۱۳

عام طور پر اس کا شان نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مشرک نے مومن کے سامنے قسم کھائی تھی کہ خدا مرنے کے بعد زندہ نہ کرے گا۔ پس یہ آیت سرزنش کے لئے اتری اور ممکن ہے ایسا بھی واقع ہوا ہو لیکن اس کو

إِن تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَن

اگر تم حرص کرو ان کی ہدایت پر تو تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا (جنت کی) جس

يُضِلُّ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿۳۷﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ

کو وہ ذلیل کرے اور نہ ہو گا ان کا کوئی مددگار اور انہوں نے اللہ کی قسمیں

جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ط

کھائیں پکی قسمیں کہ نہ اٹھائے گا خدا جس کو مارے گا

بَلَىٰ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہاں (ضرور اٹھائے گا) اس کا پکا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ

يَعْلَمُونَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ

نہیں جانتے تاکہ واضح کرے ان کے لئے وہ بات جس میں وہ اختلاف

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿۳۹﴾ إِنَّمَا

کرتے تھے اور تاکہ پتہ چل جائے کافروں کو کہ وہ جھوٹے تھے تحقیق ہمارا

قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿۴۰﴾ ع

قول کسی شے کے لئے جب چاہیں یہ ہے کہ کہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے

صرف اسی میں منحصر کرنا قرآن مجید کی تاقیامت حیات کے منافی ہے پس اس کی تاویل کو جاری رہنا چاہیے۔ لہذا ہر زمانہ میں ایسے عقیدہ رکھنے والے اس آیت کے مصداق ہوں گے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ابوبصیر کو تنبیہ کے طور پر فرمایا تھا کہ جب حضرت قائم آلِ محمدؐ مبعوث ہوں گے اور پہلے مر چکے ہوئے شیعوں کی جماعت زندہ ہو کر ان کی بیعت کرے گی اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں علم ہوں گی پس زندہ شیعوں میں یہ خبر سرایت کرے گی اور وہ خوشی خوشی ایک دوسرے کو سناتے پھریں گے۔ دیکھو فلاں فلاں مومن زندہ ہو چکا ہے۔ پس دشمنان اہلبیت یہ فقرہ سن کر حسد کی آگ میں جلیں گے اور کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ انسان کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ پس خدا ان کی تردید فرما رہا ہے۔ مروی ہے کہ خدا رجعت کے زمانہ میں بعض لوگوں کو زندہ کرے گا تاکہ اختلاف کرنے والوں کا ناطقہ بند ہو اور کفار بھی سمجھ لیں کہ ہم تکذیب کرنے میں حق بجانب نہ تھے۔ بہر کیف اسی قسم کی روایات عیاشی سے بھی منقول ہیں کہ ان آیات کی تاویل زمانِ رجعت میں ظاہر ہو گی۔

رکوع نمبر ۱۲

وَالَّذِيْنَ تفسیر مجمع البیان میں ہے صہیب عمار بلال اور خباب وغیرہ جو کفار قریش کے تشدد کے شکنجے سے نجات پاکر مدینہ میں ہجرت کر کے آئے خداوند کریم نے ان کو پُر امن جگہ عطا فرمائی اس جگہ حسنۃ صفت ہے اور اس کا موصوف مدینۃً محذوف ہے ان میں سے صہیب بہت بوڑھا اور سن رسیدہ بزرگ تھا اس نے کفار سے کہا تھا کہ میں کافی بوڑھا آدمی ہوں میرا تمہارے پاس رہنا تمہیں فائدہ مند نہیں اور چلا جاتا تمہیں نقصان دہ نہیں لہٰذا میرا مال متاع تم لے لو اور مجھے چھوڑ دو ۔ چنانچہ انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور وہ سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے آخر کار مدینہ آ پہنچا۔

اہل ذکر کون ہیں

اَهْلَ الذِّكْرِ ۲۱۵ ۔ وہ کمیٹی جنہوں نے قرآن مجید کے جمع کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اُن کے حُسنِ کرتب کا کیا کہنا آیاتِ قرآنیہ کی توڑ پھوڑ مضامین کا اختلاط اور روانی و سلاست میں پڑیک اور گھناؤنے موڑ یہ سب کسی سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ان کی فنکارانہ صلاحیتوں اور دُور رس نگاہوں یا مشبوش و مضطرب اذہان و افکار کی داغ بیل کے افسوسناک نتائج اور المناک آثار ہیں ۔ غور کیجئے بعد والی آیت میں بالبّینات

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ

اور جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لئے بعد ظلم کئے جانے کے ضرور ان کو ہم ٹھکانا

فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا

دیں گے دنیا میں اچھی جگہ اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر وہ

يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝

جانیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل رکھتے ہیں

کا تعلق اَرْسَلْنَا سے ہے اور معنی واضح طور پر یہ ہے کہ کفار چونکہ رسولوں کی بشری و انسانی صورت میں آمد کے منکر تھے پس آپ کی تسلّی و دلجوئی کی خاطر ارشاد ہے کہ کفار کی باتوں سے مت گھبرائیے ۔ کیونکہ ہم نے اس سے پیشتر جس قدر رسول بھیجے وہ سب بشر ہی تھے جن پر ہم نے وحی کی اور ان کو معجزات و کتابیں دے کر بھیجا اور تجھے بھی ہم نے کتاب و معجزات عطا کئے اور ہم نے آپ پر ذکر کو نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں اب اس کے بعد لوگوں کو تنبیہ کرنے کے لئے حکم ہونا چاہیے کہ ہمارا کام ہے بھیجنا اور رسولوں کا کام ہے بیان کرنا اور تمہارا کام ہے کہ ان سے سوال کرو جو تم خود نہ جانتے ہو ۔ لیکن چونکہ رسول کے بعد جو لوگ منبر رسول پر قابض ہوئے وہ سائلین کو مطمئن نہ کر سکتے تھے بلکہ خود مطالب قرآنیہ سمجھنے کے لئے اہل ذکر کے محتاج تھے اور رسول کے بعد صحابہ میں صرف حضرت علی علیہ السلام ہی اس مرتبہ پر فائز تھے کہ لوگ اپنی علمی پیاس اس چشمۂ فیض

بجاتے تھے اور بفرمانِ پیغمبر آپ مدینۂ علوم نبویہ کا دروازہ تھے۔ پس اہل الذکر مصداق ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا
بنا بریں طالبانِ علوم قرآنیہ پر ان کی طرف رجوع واجب تھا اور یکے بعد دیگرے ان کی اولاد آئمہ طاہرین ہر دور
ہیں اُمتِ اسلامیہ کے لئے مشکلاتِ قرآنیہ اور مطالب علمیہ کے حل کرنے کا ملجا و ماویٰ تھے۔ اور اسی بنا پر
حضرت پیغمبر نے بار بار وصیت فرمائی تھی کہ میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن اور دوسری اہل بیت
ان سے تمسک رکھو کہ تم ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ اس حدیث کو حدیثِ ثقلین کہا جاتا ہے جو معنوی تواتر کے درجہ پر فائز ہے ہم
نے مقدمہ تفسیر ہیں کتب اہل سنت کے حوالہ سے اس کو من وعن ذکر کیا ہے۔

وجوہاتِ متذکرہ کی بنا پر آلِ محمد کو اہلِ ذکر تسلیم کرنا مسندِ نبویہ کے استحقاق کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے اس
لئے کہ قرآن کو جب ذکر کہا گیا اور رسول کا عہدہ قرآنی مطالب کی وضاحت کرنا بیان کیا تو رسول کے بعد جو اہل الذکر ہو
اور قرآنی مطالب کی وضاحت کر سکتا ہو وہی مسندِ رسالت کا حق دار ہوگا پس اسی کو خلیفۂ رسول ہونا چاہیے اور یہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا
اور ہم نے نہیں رسول بھیجا تجھ سے پہلے مگر ایسے آدمی جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ
پس پوچھو اہل ذکر سے اگر تم نہیں جانتے (ہم نے بھیجے) ساتھ معجزات اور
وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ
کتابوں کے اور ہم نے نازل کیا تیری طرف ذکر کو تاکہ بیان کرے لوگوں کے لئے جو اتارا گیا ان پر

بات تابعین منبر اور
غاصبینِ مسند کے مفاد
کے سخت خلاف تھی
پس یتفکرون کے
بعد فاسئلوا۔الخ کے
ذکر کرنے کی بجائے
نوحی الیہم کے
بعد اس کو گھسیٹر دیا تاکہ
درمیان میں یہ جملہ معترضہ
کی حیثیت سے پڑا رہے اور قرآن کو ظاہری اور سرسری نگاہوں سے دیکھنے والے اور دقائق و حقائق سے
چشم پوشی کو روا رکھنے والے ادھر ادھر اُلجھتے رہیں اسی لئے بعض مفسّرین نے یہی کہہ دیا کہ فاسئلوا کا خطاب
قوم یہود و نصاریٰ سے ہے کہ تم اپنے علماء سے دریافت کرو۔ بعضوں نے کہہ دیا کہ خطاب مشرکین مکہ سے ہے
کہ تم گذشتہ اُمتوں کے حالات کو جاننے والے علماء سے دریافت کر لو۔ یاد رکھئے کہ بناوٹی پھول آنکھوں کو دھوکہ
دے سکتے ہیں لیکن نفاست و لطافت، ملائمت اور خوشبو سے تہی دامن الٹا ان کی رسوائی کا سامان پیدا کرتی ہے
پس تار تنے والے بناوٹ اور تصنع کے تہ بہ تہ پردوں کے اندر بھی حقیقت کا منہ دیکھ لیتے ہیں کیوں کہ تیرہ و تار
بادلوں کی گھٹاٹوپ تہوں کے پیچھے سورج کی غمازی کرنے والی کرنیں کسی نہ کسی جانب سے چشم بینا کو دعوت

maablib.org

نظارہ دے کر اُسے حقیقت کا پتہ دے دیا کرتی ہیں ۔ اس مقام پر بھی کرسیِ اقتدار کی طرف سے علوم قرآن سے اپنی بے بضاعتی کو چھپانے اور آلِ محمدؐ کے فضائل کو دبانے کے لئے آیاتِ قرآنیہ میں ہیرا پھیری کام نہ آسکی ۔ پس حقیقت بین نگاہیں الفاظ کی ردّو بدل کی قلابازیوں سے مسحور نہ ہو سکیں اور وہ اس نکتہ پر پہنچ کر ٹک گئیں کہ اس مقام پر اہل الذکر سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلامی حقائق اور قرآنی دقائق پر نظر رسا رکھتے ہوں اور چونکہ قرآن تا قیامت ہے لہٰذا فاسئلوا کا خطاب بھی تا قیامت ہونا چاہیے ۔ بنا بریں اہل الذکر کی ایک نہ ایک فرد کا تا قیامت ہر زمانہ میں زندہ ہونا ضروری ہے اور وہ آئمہ اہل بیت کے علاوہ نہ کوئی ہو سکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو ثابت کر سکتا ہے پس حدیث ثقلین جو اپنے مقام پر متواتر ہے اس آیہ مجیدہ کی جیتی جاگتی تصویر ہے ۔ نیز قرآن مجید میں جناب رسالتمآبؐ کو بھی ذکر کہا گیا ہے ۔

ذکر آ رسولاً - اور اس لحاظ سے اہل ذکر وہ ہوں گے جو آلِ رسول ہوں ۔ ذرا فرامین آئمہ کی روشنی میں آیہ مجیدہ کی تفسیر کا جائزہ لیں ۔

(۱) تفسیر برہان میں کلینی سے منقول ہے سائل نے امام رضا علیہ السّلام سے آیت مجیدہ **فاسئلوا اھل الذکر** کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے پوچھنے کا حق ہے ۔ راوی کہتا ہے ، میں نے عرض کی کیا آپ مسئول اور ہم سائل ہیں آپ نے فرمایا کہ ہاں ۔ پھر میں نے پوچھا کیا ہم پر پوچھنا واجب ہے ؟ تو آپ نے فرمایا ہاں ۔ پھر میں نے پوچھا کہ آپ پر بتانا بھی واجب ہے آپ نے فرمایا کہ نہیں ۔ بلکہ ہماری مرضی پر موقوف ہے اگر چاہیں تو جواب دیں اور اگر نہ چاہیں تو خاموش رہیں ۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے **هٰذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ** ۔ یعنی یہ ہمارا عطیہ ہے لوگوں پر احسان کر دو یا اپنے پاس محفوظ رکھو اس کا کوئی حساب نہ ہو گا ۔

(۲) بروایت محمد بن مسلم امام محمدؐ باقر علیہ السّلام سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں اگر اہل الذکر سے مراد یہود و نصاریٰ لئے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ خدا نے ہمیں ان کے دین کو قبول کرنے کی دعوت دی ہے (حالانکہ ایسا ہرگز نہیں) پھر اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ہم اہل ذکر ہیں اور ہم سے سوال کرنا چاہیے ۔

(۳) بروایت محمدؐ بن حسن صفار محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ امام محمدؐ باقر علیہ السّلام نے آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا ذکر سے مراد قرآن ہے اور رسول اللہ کی آل اہل ذکر ہیں اور انہی سے پوچھنے کا حکم ہے ۔

(۴) بروایت ابن بابویہ ریان بن صلت سے مروی ہے ایک مرتبہ امام رضا علیہ السّلام دربارِ مامون میں حاضر ہوئے جب کہ علمائے عراق و خراسان بھی کافی موجود تھے ۔ باتوں باتوں میں امام رضا علیہ السلام نے فرمایا قرآن مجید میں اہل الذکر سے ہم مراد ہیں جن سے پوچھنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ باقی علماء کہنے لگے کہ اس جگہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں

تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ کیا یہ جائز ہے کہ خدا ہم کو ان کے دین کی دعوت دے حالانکہ وہ اپنے دین کو اسلام سے افضل مانتے ہیں؟ مامون نے عرض کی کہ حضور! آپ کے نزدیک اس کی تفسیر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ ذکر سے مراد رسول ہے اور ہم اس کے اہل ہیں اور خداوند کریم نے سورہ طلاق میں فرمایا ہے۔ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْهِمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا۔ الآیۃ الخبر۔

(۵) بروایت عیاشی حمزہ بن محمد طیار سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السّلام کے سامنے ان کے والد کے بعض خطبات پیش کئے گئے۔ ایک مقام پر پہنچ کر آپ نے فرمایا ٹھہر جاؤ اور خاموش ہو جاؤ اور اگر کوئی شی تمہارے سامنے ایسی آجائے جس کو نہ سمجھو تو رک جایا کرو اور ثابت قدم رہ کر آئمہ کی طرف رجوع کیا کرو وہ تم کو راہ راست پر چلائیں گے اور تم سے بے علمی کو دور کریں گے۔ جیسا کہ فرماتا ہے فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ الخ۔

(۶) امام رضا علیہ السّلام نے ایک شیعہ کی طرف لکھا ہمارا شیعہ وہ ہے جو ہماری اطاعت کرے جس مقام پر ہم ڈریں وہ بھی ڈرے اور جہاں ہم پر امن ہوں وہ بھی با امن رہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ فَاسْئَلُوْا الخ

بہر کیف عموم کے اعتبار سے اگرچہ زمان رسالت مآب کے جویان حق یہود و نصاریٰ کو دیکھ بھال اور تحقیق و تدقیق کے لئے اپنے علماء سے سوال کرنے کی دعوت دی گئی تا کہ اسلام کی حقانیت ان کے دلوں کی گہرائیوں میں جگہ کر لے۔ چنانچہ جب بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے بفرمان پیغمبرؐ اپنی قوم کے علماء کی طرف رجوع کیا تو ان کے دلوں پر سے یہودیت و مسیحیت کے بادل چھٹ گئے کفر و انکار کے زنجیر کٹ گئے اور بغض و عناد کے پردے ہٹ گئے پس وہ دامن اسلام سے لپٹ گئے۔

بنا بریں اسلامی تعلیمات و عقائد و فروعات کو سن سمجھ کر ہر مذہب و ملت کے افراد کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے فرقہ دارانہ تعصب کو خیر باد کہہ کر طالب حقیقت بن کر اپنے معتمد قومی و مذہبی علماء سے سوال کرے اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس نے حضرت پیغمبرؐ کو سلطان الانبیاء بنا کر بھیجا ہے اسلامی تعلیمات کی مبنی بر صداقت جزئیات ہر باضمیر صاحب ذوق منصف طبع انسان سے خراج تحسین حاصل کر کے رہیں گی پس تحقیق کرنے والا انسان اپنے دامن میں اسلام کے گوہر مراد کو لے کر پلٹے گا۔ اس لئے تحقیق حق کی خاطر علمائے مذاہب سے سوال کرنا بجا ہے۔ اور عموم آیت اس کو شامل ہے۔

نیز دینی مسائل اصولیہ و فرعیہ کو علمائے اعلام سے حاصل کرنا بھی اسی آیت مجیدہ کی رو سے فرض ہے کیونکہ آیت کی جس طرح تنزیل حجت ہے تاویل بھی حجت ہے اور ہر دور کے علمائے عاملین اس کی تاویل میں داخل اور اس کے مصداق میں شامل ہیں اور مسئلہ تقلید کو بھی اسی آیت مجیدہ سے ثابت کیا جاتا ہے کہ وہ عوام جو خود درجہ اجتہاد پر فائز نہ ہوں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جامع الشرائط مجتہد کی طرف مسائل فرعیہ میں رجوع کریں اور چونکہ آیت مجیدہ

ہیں مطلق اہل الذکر کی طرف نادانستہ مسائل میں رجوع کرنے کا حکم ہے۔ لہٰذا اس آیت کا ظاہر مسئلہ تقلید اعلم کو بھی باطل کرتا ہے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص کے لئے اہل الذکر کی طرف رجوع کرنا واجب ہے اور ہر اہل ذکر کو جواب دینے کا حق حاصل ہے۔ اگر وجوب تقلید کا انحصار صرف اعلم میں کر دیا جائے تو جہاں ایک طرف ناممکن و ناشدنی شی کا امر لازم آئے گا اور عوام الناس کی مشکلات میں اضافہ کا باعث ہو گا وہاں اس آیت مجیدہ کی تخصیص بلا مخصص بھی بلا ضرورت کرنی ہو گی اور ہم نے اس مسئلہ کو مقدمۂ تفسیر میں پوری وضاحت سے بیان کیا ہے

بہر کیف آیت مجیدہ میں اہل الذکر سے مراد جزوی طور پر اگرچہ عام علمائے ہو سکتے ہیں لیکن کلی طور پر تمام اُمت اسلامیہ خواہ عالم ہوں خواہ جاہل کا مرجع وحید صرف آلِ محمد ہیں جس طرح کہ حضور پوری کائنات کے حتی کہ آلِ محمد کے لئے بھی مرجع تھے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾ أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا	تاکہ وہ سوچیں کیا بے خوف ہیں وہ جو بری تدبیریں کرتے ہیں
السَّيِّئَاتِ أَن يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ	اس بات سے کہ خدا ان کو زمین میں دھنسا دے یا آئے
يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۴۵﴾	ان پر عذاب ایسی جگہ سے جس کا ان کو شعور بھی نہ ہو

آفَاَمِنَ - جو لوگ ہدم اسلام اور توہین پیغمبر کے لئے بری بری تجویزیں سوچتے اور مکاریاں کرتے تھے ان کو سرزنش کرتے ہوئے دھمکی دی ہے کہ اگر اللہ چاہے تو ان کو زمین میں دھنسا دے یا اچانک عذاب بھیج دے یا چلتے پھرتے ان کو گرفتار بلا کر دے یا تخوف سے سزا دے، تخوف کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک وہ جو تحت اللفظ درج ہے۔ اور دوسرا تنقص یعنی کسی شی کو کم کرتے کرتے ختم کر دینا اور اس حالت کے ظاہر ہونے سے بربادی کا خوف لاحق ہو جاتا ہے اسی لئے اس کو تخوف سے تعبیر کیا گیا ہے۔

من شئی - یہاں اگلے قرینہ کی بنا پر سایہ دار جسم مراد ہے۔

الشمائل - جمع ہے شمال کی اور یمین کو جمع نہیں لایا گیا کیونکہ یمین کا استعمال جمع کے معنی میں بھی ہوتا ہے اور یہاں اس سے جمع مُراد ہے۔ سایہ دار جسم کے سائے کا گھٹنا بڑھنا اور دائیں بائیں پھرنا تکوینی اطاعت ہے جو سجدہ سے تعبیر کی گئی ہے اور ہم نے سجدہ کے متعلق ایک تفصیلی نوٹ اسی جلد میں سورہ رعد کی تفسیر میں لکھا ہے۔

مِنْ فَوْقِهِمْ - اس مقام پر فوق سے مراد غلبہ ہے نہ کہ جہت کیونکہ خدا جہات کی پابندی سے منزہ ہے اور

آیت کے اختتام پر سجدہ کرنا مستحب ہے جس کی وضاحت تفسیر کی چھٹی جلد ص ۱۵۰ پر ہو چکی ہے اور ملائکہ کی عبادت کے متعلق تفسیر مجمع البیان میں حضرت رسالتمآب سے منقول ہے کہ ساتویں آسمان پر ملائکہ کی ایک جماعت خدا نے خلق فرمائی ہے وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں سجدہ پروردگار میں ہیں اور ان کے اعضا خوفِ خدا سے لرزاں ہیں ان کی آنکھوں سے بہنے والی آنسوؤں کے ایک ایک قطرہ سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے وہ قیامت کے روز سجدہ سے سر اٹھائیں گے اور یہی کلمہ زبان سے جاری کریں گے مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ ۔ یعنی اے اللہ تیرا حق عبادت ہم سے نہیں ادا ہو سکا۔

رکوع نمبر ۱۳

ثنویہ فرقہ کو دعوت توحید

لَا تَتَّخِذُوْٓا ۲۳ ۔ جو لوگ دو خدا مانتے ہیں ایک خالق خیر جس کو یزدان کہتے ہیں اور دوسرا خالق شر جس کو اہرمن کہتے ہیں گویا پہلا خالق نور ہے اور دوسرا خالق ظلمت ہے ان کو ثنویہ فرقہ کہا جاتا ہے ۔ آیت مجیدہ میں ان کی تردید کی گئی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝٤٦

اور پکڑے ان کو کاروبار کرتے ہوئے پس نہیں وہ عاجز کرنے والے

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ

اور پکڑنے ان کو دوسروں کو خوف دلانے کے لئے تحقیق تمہارا رب مہربان رحیم

رَّحِيْمٌ ۝٤٧ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ

کیا وہ نہیں دیکھتے طرف اس کے جو پیدا کیا اللہ نے ہے

يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَاۗىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ

جسم سایہ دار کو جس کا سایہ جھکتا ہے دائیں اور بائیں سجدہ کرتے ہوئے درحالیکہ

دٰخِرُوْنَ ۝٤٨ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

وہ خضوع کرنے والے ہیں اور اللہ کے لئے ہی سجدہ کرتی ہے ہر شی جو آسمانوں اور

کا بلکہ ہر خشک و تر، سیاہ و سفید، زیر و زبر اور کائناتِ عالم کی ہر جنس و صنف میں مادہ و نر کا خالق صرف ایک خدا ہے ۔ ذی روح اور غیر ذی روح تمام مخلوق مع اپنے جملہ لوازم کے سب اُسی ایک خدا کا تخلیقی کارنامہ ہے ۔ اور اطاعت کا سزاوار ہمیشہ کے لئے وہی ہے ۔ وصب کا معنی دوام اور وجوب ہوا کرتا ہے اور جس قدر تمہارے اوپر نعمات ہیں ۔ وہ سب اسی ایک خدا کی جانب سے ہیں اور جب تم کو کوئی تکلیف ہو تو فریاد کے سننے والا صرف وہی ہے جس کو فریاد کرتے ہو ۔ جؤار کا معنی فریاد کرنا اور گڑگڑانا ہے ، پھر جب وہ تکلیف کو دور کرے تو اس کے شریک

بنانے لگتے ہو تاکہ اس کی نعمت کا کفر و انکار کرو حالانکہ نعمت کا بدلہ شکر ہونا چاہیے۔ یہ آیات دو خدا ماننے

فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾
زمین میں ہے چلنے والا اور فرشتے اور وہ نہیں تکبر کرتے

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا
ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے اور کرتے ہیں جو حکم دئے

يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ سجدہ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ
جاتے ہیں اور فرمایا خدا نے نہ بناؤ خدا دو سمجھے

اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَلَهٗ
اس کے نہیں کہ خدا ایک ہے پس مجھ سے ڈرو اور اسی کا

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا
ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اسی کے لئے ہے اطاعت دائماً

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ
کیا پس غیر خدا سے ڈرتے ہو؟ اور تمہارے اوپر جو نعمت ہے وہ اللہ سے

اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾
ہے پھر جب تم کو تکلیف پہنچے تو اس کی طرف فریاد کرتے ہو

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ
پھر جب دور کرے تکلیف تم سے تو تمہاری ایک جماعت اپنے رب کا شریک

والوں کے لئے تفہیم و ارشاد ہے۔ تفسیر برہان میں احتجاج طبرسی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دلیل توحید اس طرح بیان فرمائی کہ اگر آپ دو کہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے وہ دونو قوی ہیں یا ایک قوی اور دوسرا ضعیف اگر دونو قوی ہیں تو آپس میں جھگڑا کیوں نہیں کرتے اور اگر ایک ضعیف ہے تو وہ خدا نہیں پس دونو صورتیں توحید خداوندی کو ثابت کرتی ہیں۔ نیز خلق کا منظم ہونا دن رات کا اختلاف شمس و قمر کا منظم دور اور افلاک کی گردش اس امر کی شاہد بیّن ہیں کہ عالم کا مدبّر صرف ایک ذات پروردگار ہے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اس کا فاعل ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے۔ یعنی وہ چیزیں (بُت) جن کے متعلق وہ نہیں جانتے

کہ وہ نفع یا نقصان دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں کہ بت نفع یا نقصان نہیں دے سکتے لیکن تعبیر نرم لہجہ میں کی گئی ہے تاکہ تبلیغ کا پہلو دل آزار نہ ہو ورنہ اگر صاف طور پر کہا جاتا کہ ان کو علم ہے کہ ان کے معبود عمی خدا نفع یا نقصان نہیں دے سکتے تو وہ ضد پر اڑ جاتے اور کہہ دیتے کہ وہ نفع یا نقصان دے سکتے ہیں لیکن جب اس انداز میں کہا گیا کہ ان کا نفع یا نقصان پہنچانا یا نقصان دینا ان کو معلوم نہیں تو یہ دعوتِ فکر ہے جو کفار کو سوچنے پر مجبور کرتی ہے پس منصف طبع لوگ دامن توحید سے وابستہ ہونے پر موفق ہو جاتے ہیں۔ اس آیت مجیدہ میں خدا ان کفار کے ایک بڑے رواج کی مذمت فرماتا ہے جو اس سے پہلے سورہ انعام کی تفسیر ۵ ص ۱۵۵ میں گذر چکا ہے کہ وہ اپنے مال حلال میں سے اپنے بتوں کا حصہ مقرر کر لیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ہمارے خداؤں کا ہے۔ خدا فرماتا ہے جو کسی کو نفع یا نقصان دے نہیں سکتے ان کے لئے اپنے رزق سے حصہ مقرر کرنے کا کیا مطلب ہے پھر تنبیہ و تہدید کے طور پر فرمایا کہ ان افتراپردازیوں کا بروز محشر ضرور ان سے سوال کیا جائے گا۔

بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا

کرتی ہے تاکہ انکار کریں جو ہم نے ان کو نعمتیں دیں پس دنیا

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا

میں فائدہ اٹھالو عنقریب تم کو پتہ چلے گا اور کرتے ہیں ان کے لئے جن کے متعلق نہیں جانتے ایک حصہ

مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

اس سے جو ہم نے ان کو رزق دیا خدا کی قسم ضرور پوچھے جاؤ گے اس کے متعلق جو افترا کرتے ہو

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾

اور کرتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں پاک ہے وہ ذات اور اپنے لئے وہ جو چاہتے ہیں (بیٹے)

عربوں کی بدرسوم

یجعلون۔ ان کی دوسری بدرسم یہ تھی کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے پس ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ یہ لوگ عجیب ہیں خود تو اپنے لئے بیٹی پسند نہیں کرتے اور اس کے لئے وہ بیٹیاں تجویز کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کو بیٹی کی پیدائش کی اطلاع دی جائے تو وہ غصہ و غم میں گرفتار ہو کر روسیاہ ہو جاتے ہیں اور یہ کظیم کظامۃ سے ہے جس کا معنی ہے مشکیزہ کا منہ باندھنے کا تاگا اور یہاں مراد ہے کہ وہ غصے سے اپنا منہ بند کر لیتا ہے اور بول نہیں سکتا پھر شرم کے مارے قوم سے منہ چھپائے پھرتا ہے۔ اور لڑکی کو زندہ رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہے پس لڑکی کے زندہ درگور کرنے کی فکر میں رہتا ہے تفسیر کی جلد ۵ ص ۲۵۶ پر تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ نیز کظامۃ کنوئیں کو بھی کہتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور کظامۃ پر تشریف لائے پس وضو کیا اور پاؤں

پر مسح کیا۔ اس کی جمع کظائم ہے (مجمع)

ہمارے ہاں کا دستور عربوں کی رسوم بد سے کم نہیں وہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے لیکن یہاں حکومت وقت کی گرفت کے ڈر سے ایسا نہیں کر سکتے اگر یہ خوف نہ ہوتا تو شاید یہ بھی اُسی تاریخ کو دُہراتے یا قدم اس سے بھی آگے بڑھا کر رکھتے۔ البتہ ہمارے ملک میں اس سلسلہ کی چند رسوم بد موجود ہیں۔

(۱) بعض جاہل لوگوں میں یہ رسم ہے کہ بیوہ ہو جانے کے بعد عورت کی دوسری شادی کو باعث توہین قرار دیا جاتا ہے لہٰذا اُسے شادی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیا جاتا ہے۔ بعض اوقات بالکل نوجوان لڑکی کا نوجوان بیاہتا شوہر اگر کسی حادثہ کا شکار ہو جائے تو وہ بیچاری عمر بھر سوگواری میں گذارتی ہے ایک اپنے نوجوان شوہر کی موت

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۵۸﴾
اور جب خوشخبری دی جائے کسی ایک کو بیٹی کی تو ہو جاتا ہے اس کا چہرہ سیاہ درحالیکہ
يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ
وہ مغموم ہوتا ہے چھپتا ہے قوم سے برجہ بری بشارت کے (سوچتا ہے) کیا اس کو زندہ
أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۵۹﴾ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
رکھے باوجود ذلت کے یا دفن کر دے مٹی میں آگاہ ہو وہ برا فیصلہ کرتے ہیں جن کا آخرت پر ایمان نہیں
بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۶۰﴾ ع
ہے ان کی شکلیں بد ہوں گی اور اللہ کی صفت و شان بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

کا سوگ اور اس سے زیادہ اپنی قیمتی جوانی کا تا زیست سوگ اور نندوں اور بھاوجوں کی دل آزاری کا بھی سوگ پس وہ ہچکیوں میں ہی زندگی کے دن پورے کرتی ہے اس کے ظالم ماں باپ یا بھائیوں نے کبھی اس کی روحانی کوفت کا جائزہ لینا گوارا نہ کیا عورت کے مرنے پر مرد تو ایک کی بجائے دو دو شادیاں رچا لیا کرتے ہیں لیکن عورت کو بیوگی کے ناکردہ گناہ کی سزا میں ساری عمر رُلایا جاتا ہے۔ اچھے بھلے خاندانوں میں یہ لعنت پائی جاتی ہے اور خاندانی روایات کی مخالفت کے ڈر سے بعض اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی اس ظلم میں شریک ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کی دوبارہ شادی سے خاندان کی ناک کٹتی ہے حالانکہ نوجوان عورت کا بغیر شوہر کے رہنا خاندان کی ناک کٹنے کے مترادف ہے۔ پس جنہوں نے خدائی احکام کو ٹھکرایا وہ کبھی ذلت سے نہ بچ سکے۔ درحقیقت یہ بدرسم ہندوؤں کی ستی کی رسم سے ماخوذ ہے کہ وہ سابقہ زمانہ میں شوہر کے مرنے کے بعد اس کی زندہ بیوی کو اس کے ساتھ نذر آتش کر دیا کرتے تھے۔ اس رسم کو انگریزوں کی عملداری میں جبراً بند کر

دیا گیا۔ لیکن بعض مسلمان خاندانوں نے اس کا بدل یہ تجویز کیا کہ مرد کے مرنے کے بعد اس کو مردہ درگور کیا تو عورت کو اس کے ساتھ اس طرح زندہ درگور کر دیا کہ نہ مرے نہ جئے بلکہ تمام زندگی رو کر بسر کرتی رہے۔

(۲) بعض جاہلوں میں کنواری لڑکیوں کو قطعاً شادی سے محروم کرنے کا دستور ہے کہ ہمارے جوڑ کا خاندان کوئی نہیں ہے پس وہ کسی کو مصلے سے کسی کو علم حضرت عباس سے کسی کو مسجد یا امام بارگاہ سے منسوب کر کے کہتے ہیں کہ ہماری لڑکی مصلے پر بیٹھ گئی ہے وہ شادی کرنا چاہتی ہی نہیں حالانکہ یہ ظلم صریح ہے۔ مردوں کے لئے سوچنے کی بات ہے کہ اپنے جوڑ کا رشتہ مل سکتا ہے تو عورتوں کو کیوں نہیں مل سکتا اور یہ پارسائی عورت کے لئے ہے تو مرد خود اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے؟ پس عورت کی بے بسی اور بے چارگی سے فائدہ اٹھا کر اس کی زندگی کو تباہ کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ جائداد کا حصہ کسی دوسرے کے پاس نہ جانے پائے۔ بعض لڑکیاں حدود حیا کو توڑ کر خود میدان میں آ جاتی ہیں اور شادی کر لیتی ہیں لیکن اکثر لڑکیاں ماں باپ کے رحم و کرم کی بھیک پر زندگی کے دن کاٹتی ہیں اور یہ بھی زندہ درگور کرنے سے کسی قدر کم نہیں بلکہ میرے خیال میں یہ زیادہ روح فرسا ہے۔

(۳) بعض علاقوں اور خاندانوں میں جہیز کی بد رسم نے لڑکیوں کی شادی کے سلسلہ میں رکاوٹ پیدا کر دی ہے کہ لڑکی اگر جہیز اچھا لے کر آئے تو اس کی سسرال میں قدر ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ پس لڑکی کے پیدا ہوتے ہی ماں باپ اس کے جہیز کی فکر میں لگ گئے اور زندگی بھر کی کمائی سے بچا بچا کر اُس کا جہیز پورا کرتے رہے اگر کسی کے ہاں دو، تین لڑکیاں ہو گئیں تو وہ اس کے لئے جان لیوا اور سوہان روح بن گئیں۔ پس ایسی صورت میں نہ جہیز بن سکتا ہے نہ لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے۔ اگر ایسے خاندان میں شادی کرے جو جہیز کی قیود سے آزاد ہیں تو خلافِ شان سمجھا جاتا ہے۔ پس نہ دوسرے خاندان میں شادی گوارا اور نہ اپنے خاندان میں جہیز کے سوا کوئی اور چارہ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لڑکی زندہ درگور۔

(۴) خاندانی رشتہ کی پابندی اکثر ماں باپ کے لئے باعثِ کوفت بن جاتی ہے کہ اپنے خاندان میں مناسب جگہ نہیں مثلاً لڑکا تعلیم یافتہ ہے اور لڑکی ان پڑھ ہے یا اس کا الٹ ہے یا لڑکا کھاتے پیتے گھرانے کا ہے اور لڑکی مفلس، نادار گھر کی ہے یا اس کا اُلٹ ہے یا شکل و شباہت کے لحاظ سے موزونیت کا فقدان ہے یا اخلاق و عادات میں تفاوت ہے یا مذہبی حدود کی پاس خاطر ہے وغیرہ پس اس ناموزونیت کی تان صرف صنف نازک پر ہی ٹوٹتی ہے کیوں کہ مرد تو موزوں و ناموزوں میں فرق کم ہی کرتے ہیں۔ پس لڑکی کو ہی زندہ درگور کی مصیبت بھگتنی پڑتی ہے۔

(۵) بعض علاقوں میں نکاح۔ بیاہ کے اخراجات اس قدر زیادہ رواج پا گئے ہیں کہ لڑکی کے والدین نہ اُن کو پورا کر سکتے ہیں نہ لڑکی کی شادی ہو سکتی ہے۔ مثلاً زیورات کی پابندی یا پارچات کی مخصوص اقسام کا انتظام بعض نادار

لوگ کر نہیں سکتے لہٰذا لڑکی کو شادی سے محروم رہ کر زندہ درگور ہونا پڑتا ہے۔
بہرکیف اسلامی اصول و شرعی قوانین کی پاسداری ہی صحیح طور پر انسانوں کو ان جیسے مصائب سے نجات دلا سکتی ہے اور جو لوگ حکومت الٰہیہ کا اقتدار تسلیم کر کے اپنی خواہشات و جذبات کو اس کے تابع کرتے ہیں وہ اس قسم کی روح فرسا مصیبتوں سے بچ جاتے ہیں ورنہ وہی عربوں کی سی بدرسوم میں مبتلا رہ کر ظالموں پر لعنت کرنے کے باوجود خود ظلم کے بھنور میں پھنسے رہتے ہیں پس مسلمانوں کو اور بالخصوص اہل ایمان کو رسوم بد پر ہنسنے کی بجائے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی کمزوریوں کو ختم کرنا چاہیئے۔

ساء ما یحکمون۔ اس کی دو توجیہیں کی گئی ہیں (۱) عربوں کا اللہ کے لئے بیٹی تجویز کرنا اور اپنے لئے بیٹوں کا پسند کرنا ان کا بُرا فیصلہ ہے۔ (۲) لڑکوں کی خواہش کرنا اور لڑکیوں کو مارنے کی فکر کرنا بُرا فیصلہ ہے۔ کیونکہ اولاد ہونے کے لحاظ سے دونو برابر ہیں اور اللہ کی حکمت دونو کی پیدائش سے تعلق رکھتی ہے کیونکہ اگر صرف لڑکے ہی لڑکے پیدا ہوں تو نسل انسانی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

لِلَّذِیۡنَ۔ یعنی کفار و مشرکین جو اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں ان کے بروز محشر رنگ متغیر ہوں گے مثل السوء سے مراد بدرنگی ہے یعنی عذاب کی وجہ سے ان کا رنگ کالا ہوگا۔

المثل الاعلیٰ اس جگہ مثل سے مراد شان و جلال ہے۔ یعنی خدا کی شان بلند اور اس کی عظمت و جلال نقائص و عیوب سے منزہ و مبرا ہے۔ اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس جگہ فرماتا ہے لِلّٰهِ المثل الاعلیٰ یعنی خدا کی مثل بلند و بالا ہے اور اسی سورہ کی آیت نمبر ۷۴ میں فرماتا ہے فلا تضربوا للّٰه الامثال کہ خدا کی مثل نہ بیان کرو۔ تو ظاہراً دونو آیتوں میں تنافر پایا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مثل کے دو معنی ہیں۔

(۱) شان و صفت (۲) مشابہت۔ پس جس مقام پر مثل کا اثبات ہے کہ اس کی مثل بلند ہے یا اس کی امثال بلند ہیں وہاں صفات پروردگار مقصود ہیں اور اس کی صفات عین ذات ہیں اور جس جگہ مثل یا امثال کی نفی ہے وہاں مشابہت مقصود ہے کہ خدا کا کوئی مشابہ نہیں ہے (مجمع البیان)

پس جو لوگ خدا کے لئے انہی آیات کا سہارا لے کر مثل یا امثال ثابت کر کے حضرت علی یا باقی آئمہ کو اللہ کا مثل یا امثال ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں وہ شرک کی تعلیم پھیلاتے ہیں۔ ایسا اعتقاد رکھنے والا شخص مشرک اور نجس ہے۔ مومنین کو چاہیئے کہ ایسے بیانات سے گریز کریں اور ایسا بیان کرنے والوں کے منہ میں لگام دیں تاکہ مشرکانہ عقائد کو پھولنے پھلنے اور پھیلنے کا موقعہ نہ ملے۔

maablib.org

رکوع نمبر ۱۴

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ ۔ یعنی اگر خدا لوگوں کو ان کے ظلم پر گرفتار عذاب کر لیتا تو زمین پر چلنے والا ایک ظالم انسان بھی نظر نہ آتا۔

عَلَيْهَا میں ضمیر کا مرجع زمین ہے اگرچہ اس کا سابق میں ذکر نہیں لیکن قرائن سے سمجھا جاتا ہے اور کئی چیزیں ایسی ہوا کرتی ہیں جن کی طرف ضمیر پلٹانے میں ان کے سابق ذکر کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی اور وہ وہ ہیں جو عادتاً ہر ایک کو معلوم ہوں اور قرائن سے بھی جا سکتی ہوں۔ یہاں ہر شخص جانتا ہے کہ انسان زمین پر ہی بستے ہیں تو جب کہا گیا کہ اس پر بسنے والا کوئی نہ رہتا تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سے مراد زمین ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا

اور اگر گرفت کرتا اللہ لوگوں کی ان کے ظلم پر تو نہ چھوڑتا اس زمین پر کوئی

مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا

چلنے والا لیکن ان کو مہلت دیتا ہے ایک مدت مقررہ تک پس جب آ جائے

جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾

گی مقررہ مدت تو نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ

اور بناتے ہیں اللہ کے لئے جو خود ناپسند کرتے ہیں (بیٹیاں) اور بیان کرتی ہیں ان کی

الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ

زبانیں جھوٹ کہ ان کے لئے جزا اچھی ہو گی یقیناً ان کے لئے دوزخ ہے

مسائل مشکلہ

مسئلہ نمبر ۱

اگر کوئی شخص ظلم کر کے مستحق عذاب ہو لیکن اس کے آثار ایسے ہوں کہ وہ یقیناً بعد میں توبہ کر لیگا یا یہ کہ خدا کو اس کا بعد میں توبہ کرنا معلوم ہو تو کیا ایسے شخص کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے یا اس کو مہلت دینا ضروری ہے اس میں دو قول ہیں۔

(۱) سید مرتضےٰ فرماتے ہیں کہ اس کو فوری طور پر عذاب دیا جا سکتا ہے اور اس کو مہلت دینا ضروری نہیں (۲) شیخ مفید کا قول ہے کہ اس کو فوری طور پر عذاب دینا ناجائز ہے بلکہ اس کو مہلت دینا واجب ہے میرے خیال میں سید مرتضےٰ کا قول قوی اور سدید تر ہے لیکن خداوند کریم اپنے لطف کی بنا پر کسی کو فوری طور پر گرفت نہیں کرتا اور لازماً اس کو مہلت دیتا ہے تاکہ وہ توبہ کرے چنانچہ آیت مجیدہ کا بھی یہی مضمون ہے۔ اور ممکن ہے کہ شیخ مفید نے بھی یہی لطف مراد لیا ہو اور مہلت کے وجوب سے مراد لطف ہو نہ کہ پابندی پس دونوں صورتوں میں لفظی

فرق ہے نہ کہ معنوی۔

مسئلہ نمبر ۲: کیا عذاب اُس وقت حتمی ہوتا ہے جب اُس کی نسل سے بھی ایمان لانے کی اُمید قطع ہو جائے جس طرح حضرت نوح علیہ السّلام کی مناجات سے معلوم ہوتا ہے یا یہ ضروری نہیں؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ خدا پابند اور مجبور نہیں وہ استحقاق کے بعد ظالم کو گرفت کر سکتا ہے اس کی نسل کو باقی رکھنا اس پر واجب نہیں لیکن اُس نے جس طرح تمام مخلوق کو لطفاً پیدا فرمایا ہے اسی طرح اگر ظالم کی نسل کی بقا کے لئے وہ فوری طور پر اس کو معذب نہ کرے تو یہ بھی اس کا لطف ہے۔

مسئلہ نمبر ۳: آیت مجیدہ سے ظاہر ہے کہ اگر خدا ظلم پر بندوں کو عذاب کرتا تو کوئی چلنے والا نہ رہتا حتیٰ کہ حیوانات بھی نہ رہتے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانوں کے ظلم کی پاداش میں حیوانات کی ہلاکت کس لئے ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ظالموں کی ہلاکت کے بعد زمین پر چلنے والا کوئی انسان نہ ہوگا، تو حیوان کس لئے ہوں گے جب کہ ان کی تخلیق ہی انسانی مفاد کی خاطر ہے۔

وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ

اور تحقیق وہ اس کی طرف آگے آنیوالے ہوں گے خدا کی قسم ہم نے رسول بھیجے پہلی اُمتوں کی

مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ

طرف تو مزین کیا شیطان نے ان کے لئے ان کے اعمال کو پس وہ

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ وَمَآ اَنْزَلْنَا

اس دن بھی ان کا ولی ہوگا اور ان کے لئے عذاب دردناک ہوگا اور ہم نے نہیں اتاری

عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا

تجھ پر کتاب مگر اس لئے کہ تو بیان کرے ان پر وہ جس میں وہ اختلاف رکھتے ہیں

فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَاللّٰهُ

اور ہدایت اور رحمت ہے ایمان لانے والے لوگوں کے لئے اور خدا نے

مسئلہ نمبر ۴: بچہ کی موت کے بعد اس کے حشر میں معتزلہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہے۔ معتزلہ کا کہنا ہے کہ چونکہ اللہ کو معلوم تھا کہ وہ بعد میں ظالم ہوگا لہذا اس نے اس کو ختم کر دیا پس بچہ محشور ہو کر جنّت کا مطالبہ نہیں کر سکتا اور اشاعرہ کہتے ہیں اگر یہ بات درست ہے تو سرے سے تمام کفار کو کیوں نہ ختم کر دیا۔ پس اس کا حل مناسب اس طرح ہوگا کہ جزا کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) ثواب (۲) عوض (۳) تفضل۔ اعمال صالحہ پر جنّت عطا فرمانا ثواب ہے۔ چھوٹے بچوں کی تکالیف

امواتِ یا اولیاء اللہ کے مصائب پر ان کو جنت دینا یا درجات بلند کرنا عوض ہے اور جو جوان ہونے کے بعد بھی اعمال زشت کا مرتکب ہو اور قطعاً استحقاق جنت نہ رکھتا ہو اس کو شفاعت سے معاف کر دینا یا بعد والوں کی دعاؤں سے اس کو بخش دینا یا اس کی اولاد کی سعادت سے اس کو جنت دینا یہ سب اس کا تفضل ہے۔ یعنی اختیاری عمل کا بدلہ ثواب اور عمل اضطراری کا بدلہ عوضہ اور بلا عمل عطیہ تفضل ہے اور خدا کی شان ہے جس طرح دے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

جَآءَ اجلھم۔ اس کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے۔

الکذب۔ وہ کہتے تھے کہ جس جنت کا محمد ذکر کرتا ہے وہ یقیناً ہمارے لئے ہی ہے اور باوجود اپنی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کے حسنیٰ یعنی جنت کے دعویدار تھے۔ پس خدا نے ان کے دعویٰ کی تردید فرمائی

مفرطون۔ فرط سے ہے جس کا معنی تقدم ہے یعنی آگے جانے والے ہوں گے اور بعض لوگوں نے راء کو کسرہ سے بھی پڑھا ہے یعنی افراط کرنے والے تھے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
اتارا آسمان سے پانی پس زندہ کیا زمین کو بعد
بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٥﴾
اس کی مردنی کے تحقیق اس میں نشانی ہے سننے والوں کے لئے

فھو ولیھم۔ یعنی شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا ولی دنیا میں تو شیطان ہے لیکن آخرت میں وہ بھی ان سے بری ہو جائے گا۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ الیوم سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یعنی خدا ان کو اپنی رحمت سے مایوس کرتے ہوئے فرمائے گا جاؤ شیطان تمہارا ولی ہے اس سے اپنی اطاعت و کارگذاری کا بدلہ لو۔

رکوع نمبر ۱۵ تذکرہ نعمات برائے عبرت

اِنَّ لَکُمْ۔ فرماتا ہے کہ حیوانات اور چوپاؤں کی پیدائش میں تمہارے لئے نصیحت و عبرت حاصل کرنے کا مقام ہے۔ بالخصوص شیر دار جانوروں مثلاً گائے بھینس وغیرہ میں غور کرو کہ اس کی اوجھری میں پڑا ہوا گھاس اس کی قوت ہاضمہ اور جگر و معدہ کی مشنری کے ذریعہ سے کچھ حصہ فالتو گوبر بن کر آنتوں میں چلا جاتا ہے اور اس کا خالص جوہر خون بن کر رگوں پٹھوں میں چکر لگا کر اسی کی زندگی کو آگے بڑھاتا ہے اور درمیانہ حصہ دودھ خالص تیار ہو کر تھنوں میں پہنچتا ہے جس کو انسان استعمال کرتا ہے پس نیچے فضلات گوبر اوپر خون اور درمیان میں دودھ کا خالص تیار ہو کر اپنے ظرف میں پہنچنا کہ نہ اس سے گوبر کی بو اور نہ خون کی ملاوٹ صانع حکیم کی توحید کی ناقابل تردید برہان ہے کیونکہ ایک ہی جگہ پہ ایک

ہی مشینری میں سب کا تیار ہو کر الگ الگ چلا جانا عظمت پروردگار کا بولتا ہوا ناقوس ہے اور جو شخص اس واضح حقیقت سے بھی نصیحت نہیں لے سکتا اور وہ خالق کی قدرت و حکمت اور اس کی یکتائی و بے ہمتائی کی معرفت نہیں حاصل کر سکتا تو وہ عقل کا اندھا اور دانش سے کورا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ
اور تحقیق تمہارے لئے چوپاؤں میں نصیحت ہے ہم تم کو پلاتے ہیں اس سے جو اس کے پیٹ
مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ﴿۶۶﴾
میں ہے گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ خوشگوار پینے والوں کے لئے
وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ
اور کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں سے کہ بناتے ہو تم اس سے نشہ اور
سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾
چیز اور بہترین رزق تحقیق اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں
وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ
اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنا پہاڑوں سے
بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ
گھر اور درختوں سے اور اس چیز کی کہ جس کی چھت بناتے ہیں پھر کھا ہر قسم کے
كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ
میوہ جات پس داخل ہو اپنے رب کے راستوں سے مطیع ہو کر تا کہ نکلے

وَمِنْ ثَمَرٰتِ ۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ۔ لَكُمْ عِبْرَةٌ فِیْمَا اَخْرَجَ لَكُمْ مِنْ ثَمَرٰتِ ۔ الخ یعنی تمہارے لئے عبرت ہے اس میں جو نکالی ہے خدا نے ۔ یعنی کھجوروں اور انگوروں کے پھلوں میں کہ اس سے تم ایسی چیز بھی بناتے ہو جو تم پر حرام ہے جیسے شراب اور اس سے رزق حسن بھی تم حاصل کرتے ہو اور بعض مفسرین نے سکر کا معنی جائز اور حلال قسم کے مشروبات کیا ہے اور بعض لوگوں نے نبیذ کی حلیت اسی آیت مجیدہ سے ثابت کرنے کی سعی لا حاصل بھی کی ہے کہ خدا نے اس کو اپنے احسانات و انعامات میں سے ذکر فرمایا ہے لہذا وہ حلال ہے اور یہ آل محمدؐ سے روگردانی کے بدترین نتائج میں سے ہے۔

سکر چار معانی میں مستعمل ہوتا ہے (۱) نشہ آور شراب (۲) مطلق مشروبات (۳) سکون جس طرح ساکرو یعنی ساکنہ (۴) حیرت سے آنکھوں کا ٹکٹکی باندھنا

اَوۡحٰی - قرآن مجید میں وحی کا متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے (۱) وحی بصورت جبریل یا خواب والہام یا ہتف غیب جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے (۲) وحی بمعنی الہام جس طرح شہد کی مکھی کی وحی اور اوحینا الیٰ ام موسےٰ وغیرہ (۳) اشارہ اوحٰی الیہ یعنی اس کی طرف اشارہ کیا (۴) رازدار بنانا جیسے یوحی بعضھم الی بعض یعنی بعض دوسرے بعض کو راز بتاتا ہے۔ آیت مجیدہ میں شہد کی مکھی کا الہام یہ ہے کہ خدا نے اس کی فطرت میں یہ چیز داخل کردی ہے گویا یہ الہام تکوینی تخلیق کا دوسرا نام ہے جس طرح کہ اس کے بعد اوامر کا تعلق بھی اس کے ساتھ تکوینی ہے

مِنۡۢ بُطُوۡنِهَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ فِيۡهِ شِفَآءٌ

ان کے شکموں سے ایک مشروب رنگ برنگا جس میں شفا ہو لوگوں

لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ (۶۹)

کے لئے تحقیق اس میں نشانی ہے فکر کرنے والے لوگوں کے لئے

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ ثُمَّ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ۙ وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرَدُّ

اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو مارے گا اور تم میں سے وہ ہیں جو رد کئے

اِلٰٓى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَىۡ لَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَيۡـًٔا ؕ

جاتے ہیں طرف رذیل عمر کے تا کہ نہ جانے بعد جاننے کے کچھ بھی

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ (۷۰) ع ۱۵

تحقیق اللہ جاننے والا قدرت والا ہے

اس کے مقابلہ میں انسانوں کا الہام تشریعی ہوا کرتا ہے جس طرح کہ اس کے ساتھ امر یا نہی کا معاملہ بھی تشریعی ہوتا ہے پس شہد کی مکھی کی فطری خلقی عادت یہ ہے جو اللہ کی جانب سے الہام تکوینی کے طور پر اس کو عطا کی گئی ہے کہ پہاڑوں، درختوں اور بیلوں میں گھسے پس ہر قسم کے میوہ جات کا رس چوسے اور یہ وہ راستے ہیں جو خدا نے اس کے لئے آسان کئے ہیں یا یہ وہ ذرائع ہیں جو قدرت نے اس کو عطا کئے ہیں پس اس کا چوسا ہوا مختلف خواص و آثار کے پھلوں کا رس ایک معجون نیار ہوتا ہے اور وہ بھی موسموں کے اختلاف اور پھلوں کے تفاوت کی بنا پر رنگ برنگی شکل میں ہوتا ہے اور پھر اس کے آثار کا مختلف ہونا بھی بعید از قیاس نہیں لیکن مجموعی طور پر وہ باعثِ شفا ضرور ہے۔

ذُلُلًا - حال ہے سبل سے کہ وہ راستے یا ذرائع تیرے لئے مناسب و موزوں ہیں۔ یا حال ہے فاعل سے یعنی مکھی خود مطیع ہو کر ایسا کرتی ہے۔

مِنۡ بُطُوۡنِهَا - اس سے ظاہر ہے کہ مکھی کے پیٹ میں داخل ہو کر یہ رس دوبارہ اگلا ہوا اُس کے منہ سے باہر آتا ہے۔ گویا مکھی کا شکم اس کی اصلاح کے لئے ایک الگ مشین ہے تاکہ بعض پھلوں کے مضر اثرات کا قلع قمع ہو جائے پس وہ محض شفا بن کر بنی آدم کے کام آئے۔

اور قدرتِ صانع حکیم دیکھیے کہ ڈاکٹروں اور حکیموں سے کوئی معجون ایسی دستیاب نہیں ہو سکتی جس کا جزوِ اعظم شہد نہ ہو۔

خداوند قدوس نے مکھی اور شہد کے ذکر سے انسان کو عبرت و نصیحت کا درس دیا ہے۔ اور مکھی میں عبرت و نصیحت کے چند مقام ہیں۔

(۱) پھلوں کا رس چوسنے کے بعد وہ اپنے چھتے میں پہنچ کر منہ کے ذریعے سے وہ رس اگلتی ہے

(۲) جو مقام اس کے کاٹنے کا ہے اُسی زہریلے مقام سے یہ رس اُگلتی ہے اور وہ بجائے زہریلے اثرات لینے کے شفا بن جاتی ہے۔

(۳) یہ محفوظ مقام میں اپنا چھتہ تیار کرتی ہے تاکہ لوگوں کی دسترس سے محفوظ رہے۔

(۴) اس کے چھتے کے خانہ جات سب کے سب مخمس ہوا کرتے ہیں اور ناپ میں اس کے سب اضلاع برابر ہوتے ہیں جو بغیر آلاتِ ناپ کے ان سے صادر ہوتے ہیں۔

(۵) مکھی کوئی بُرا رس نہیں لیتی پاکیزہ رس لے کر بیٹھتی ہے اور اس میں وہ ہمیشہ پوری محتاط رہتی ہے۔

(۶) پورے چھتے میں ان کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جو امیر النحل یا یعسوب النحل کہلاتا ہے۔

(۷) تمام مکھیاں امیر النحل کی پوری پوری مطیع و فرمانبردار ہوتی ہیں۔

(۸) جو مکھی امیر النحل کے حکم سے سرتابی کرے باقی مکھیاں اس سے بائیکاٹ کر لیتی ہیں اور اُسے کاٹ کر رکھ دیتی ہیں۔

(۹) جس طرف جائیں امیر النحل سب کے آگے آگے ہوتا ہے اور کوئی مکھی بے ادب ہو کر اس سے آگے چلنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔

(۱۰) امیر النحل تمام مکھیوں کی ڈیوٹی معین کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونا سب کے لئے ضروری ہوا کرتا ہے۔

(۱۱) امیر النحل تمام مکھیوں کی پوری دیکھ بھال کرتا ہے اور اس تنظیم سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔

(۱۲) امیر النحل باہر سے آنے والی ہر مکھی کا معائنہ کرتا ہے اگر کسی مکھی سے بُو خراب آتی ہو تو اس کو فوراً جماعت

سے خارج کر دیتا ہے

۱۳ امیر النحل مکھیوں کو پاکیزہ اور ستھری رس چوسنے پر مامور کرتا ہے پس نافرمان کو سزائے موت دیتا ہے۔

۱۴ جب امیر النحل مارا جائے یا گم ہو جائے تو باقی مکھیوں کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

ان کے علاوہ اور امور بھی کافی مفصل پر مشتمل ہیں جن کو پروردگار ہی بہتر جانتا ہے اور حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں مومنوں کا یعسوب ہوں۔

ارذل العمر۔ حضرت امیر علیہ السلام سے پچھتر سال کی عمر سے بڑھنا ارذل العمر منقول ہے کہ انسان کی حالت بچپنے کی طرف عود کر آتی ہے اور اس کا علم نسیان کے گوشوں میں چلا جاتا ہے۔

رکوع نمبر ۱۶۔ دعوت توحید کا نرالا انداز

وَاللّٰهُ فَضَّلَ۔ خداوند کریم نے شرک کرنے والوں کی تفہیم میں ہر قابل قبول طریق تبلیغ کو استعمال فرمایا ہے پچھلے رکوع میں نعمات کا تذکرہ اسی سلسلہ کی اہم کڑی تھی۔ اس جگہ ایک مثال کے طور پر واضح فرماتا ہے کہ دیکھو خدا نے تم سب کو رزق عطا فرمایا آقاؤں اور غلاموں سب کا رازق تو اللہ ہے پس وہ آقا جن کو اللہ نے رزق زیادہ عطا فرمایا ہے کیا

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ
اور اللہ نے زیادہ دیا بعض کو بعض پر رزق پس نہیں وہ جن کو
فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ
زیادہ دیا گیا دینے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو (جن کے وہ مالک ہیں) پس وہ اس میں
فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ
برابر ہیں تو کیا وہ اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ نے پیدا کیں

وہ اپنے رزق سے کچھ حصہ اپنے غلاموں کو عطا کریں گے ؟ تو جب اللہ کے عطا کردہ زائد رزق میں تم اپنے غلاموں کو شریک کرنے پر تیار نہیں ہو تو اللہ کے ملک و سلطنت میں تم اللہ کے بندوں کو کیسے شریک کرتے ہو ؟ اور یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ زیادہ رزق والے کم رزق والوں کے رازق نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اللہ کے رزق سے ہی ان کی تربیت کرتے پس سب کے سب رزق اللہ کا ہی کھاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ۔ پھر نعمات کا تذکرہ دعوت توحید کا پیش خیمہ ہے۔

حفدہ۔ جمع حافد کی ہے اس کا معنی ہے جلدی کام کرنے والے اور اس سے نوکر و غلام مراد لئے جاتے ہیں اور اس جگہ اس کا معنی نواسے منقول ہے۔

ویعبدون ۔ مشرکین کو تنبیہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں جو اپنے رزق کے بھی خود مالک نہیں اور نہ وہ بذات خود کسی چیز کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ سب کچھ اللہ کا ہی عطیہ ہے پس ان کو اللہ کا مشابہ نہ بناؤ اور نہ ان کی پوجا کرو بلکہ ان کو اللہ کا محتاج سمجھو اور تمام مخلوق کا حاجت روا صرف اللہ ہی کو جانو ۔

لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

تمہارے لئے تم ہی میں سے تمہاری بیویاں اور پیدا کئے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے بیٹے

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ

اور نواسے اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ کیا باطل سے ایمان

يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُوْنَ

رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں اور عبادت

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

کرتے ہیں اللہ کے غیر کی جو نہیں مالک اپنے رزق کے آسمانوں اور زمین میں

وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ

سے کچھ بھی اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں پس نہ بیان کرو اللہ کی

الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

مثالیں تحقیق اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ

بیان کرتا ہے اللہ مثال ایک غلام مملوک جو نہ قدرت رکھتا ہو کسی شے پر

ضرب اللہ ۔ دعوت توحید کی دوسری مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک عبد مملوک جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا کیونکہ وہ کسی شی کا مالک نہیں ہے ۔ اور دوسرا وہ انسان جو آزاد ہے اور اس کو اللہ نے رزق عطا فرمایا ہے وہ ظاہر و پوشیدہ خرچ کرنے کا مجاز ہے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں تو جب اللہ کی مخلوق میں سے آزاد و غلام برابر نہیں تو مخلوق کا کوئی فرد اللہ کے برابر کیسے ہو سکتا ہے اس کے بعد فرماتا ہے کہ حمد و ثنا کا سزاوار اللہ واحد ہے اور جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں وہ یقیناً معرفت پروردگار سے اپنے دامن کو پُر کر لیتے ہیں لیکن اکثریت جاہلوں کی ہی ہوتی ہے ۔

مزید وضاحت کے لئے پھر ایک مثال بیان فرمائی کہ دو شخص ہوں ۔ ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی طاقت

نہ رکھتا ہو (یہاں شئے سے مراد گویائی ہے) اور اپنے آقا و مربی پر اس کا وجود بوجھ ہو کسی طرف سے وہ بھلائی کے ساتھ نہ پلٹتا ہو کیا وہ ایسے شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو عالم اور دانا بینا ہونے کا حکم دیتا ہے۔ پس جب مخلوق میں سے ایک عاجز بے علم اور دوسرا قادر اور عالم برابر نہیں تو وہ اللہ جو علیم و حکیم اور علیٰ کل شئی قدیر ہے اس کے برابر اس کی مخلوق کیسے ہو سکتی ہے جو ہر آن و لمحہ قدرت و علم و جملہ صفات میں اس کی محتاج ہیں

اور آیت مجیدہ کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے کہ ان مثالوں سے مومن اور کافر کے درجات میں فرق واضح کیا گیا ہے۔

وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا

اور دوسرا جس کو ہم نے رزق دیا رزق اچھا پس وہ خرچ کرتا ہے اس سے ظاہر

وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

و پوشیدہ کیا یہ دونوں برابر ہیں الحمد للہ بلکہ اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ

نہیں جانتے اور بیان کی اللہ نے مثال دو آدمی ہوں

اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى

ان میں سے ایک گونگا ہو جو بولنے کی قدرت نہ رکھتا ہو کچھ بھی اور وہ اپنے مربی

مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ

پر بوجھ ہو اسے جس طرف بھیجے نہ پلٹے بھلائی کے ساتھ کیا وہ

حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں وَحَسْبُكَ رَبًّا كَمَا اُرِيْدُ فَاجْعَلْنِیْ عَبْدًا كَمَا تُرِيْدُ۔ اے اللہ تو میرا وہ رب ہے جس طرح میں چاہتا ہوں۔ پس تو مجھے اپنا وہ عبد بنا جیسے تو چاہتا ہے۔

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں كَفٰى بِیْ عِزًّا اَنْ اَكُوْنَ لَكَ عَبْدًا (او کما قال) میری عزت کے لئے اتنا کافی ہے کہ میں تیرا عبد ہوں۔ وَكَفٰى بِیْ فَخْرًا اَنْ تَكُوْنَ لِیْ رَبًّا اور میرے لئے مقام افتخار ہے اور مجھے یہ ناز ہے کہ تو میرا پروردگار ہے پس جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں غلو کر کے ان کو خالق یا رازق یا قسیم الرزق مان کر شرک کرتے ہیں ان کو آپ کی ان فرمائشات سے درس حاصل کر کے اپنے عقائد فاسدہ سے توبہ کر لینی چاہیئے۔

رکوع نمبر ۱۷ مسئلہ علم غیب صـ۲۳۳

تفسیر مجمع البیان میں ہے (یعنی جنوں، انسانوں، فرشتوں، دلیوں اور نبیوں سے جو چیزیں غائب ہیں ان سب کا علم اللہ کو ہے) اور اللہ کا علم اس کی عین

ذات ہے وہ ہر شئے کو ہر وقت جانتا ہے۔ انبیاؑ و اولیاؑ صرف اسی قدر علم رکھتے ہیں جس قدر وہ ان کو عطا فرمائے۔ پس وہ بہت سی ایسی چیزوں کا علم رکھتے ہیں جو ہمارے علاوہ سے غائب ہوتی ہیں اور ہمارے علماء بہت سی ایسی باتیں جانتے ہیں جو عوام سے غائب ہوتی ہیں۔ پس جس طرح علماء کا علم آئمہ و انبیاء سے حاصل کردہ ہے لہذا اس کو علم الغیب نہیں کہا جاسکتا اسی طرح انبیاء و آئمہ کا علم اللہ سے مستفاد ہے لہذا وہ بھی علم الغیب نہیں کہا جاسکتا۔

يَسْتَوِىْ هُوَ وَمَنْ يَّأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ

برابر ہے اُس کے ساتھ جو عدل کا حکم دے اور ٹھیک ٹھیک راستے پر

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَآ

ہو۔ اور اللہ کے لیے ہی ہے آسمانوں اور زمین کا غیب اور نہیں

اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ

معاملہ قیامت کا مگر پلک جھپکنے کے برابر یا اُس سے بھی آسان تر تحقیق

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ

اللہ ہر شئے پر قادر ہے اور اللہ نے نکالا تم کو اپنے

بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ

ماؤں کے شکموں سے کہ کچھ نہ جانتے تھے اور بنا دئے تمہارے

السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٨﴾

کان اور آنکھیں اور دل تاکہ شکر گذاری کرو

واللہ اخرجکم یعنی اس نے کتم عدم سے منصہ وجود پر تم کو ظاہر کیا اور نہ جاننے کے بعد تمہیں علم دیا سننے کے لئے کان دیکھنے کو آنکھیں اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل عطا کیا تاکہ غور و فکر کرکے اس کی معرفت حاصل کرو اور اس کا شکر ادا کرو۔

ع ۲۳۵

مسخرات یعنی پرندوں کو پیدا ہی اس لئے کیا ہے کہ وہ فضا آسمانی میں پرواز کریں۔

ما یمسکھن۔ یعنی ہوا میں ان کو روکنے والا یعنی گرنے سے بچانے والا اللہ ہی ہے۔ جس طرح تیرنے والوں کو ڈوبنے سے بچاتا ہے کیونکہ ہوا و پانی سب اس کے مطیع ہیں۔

بیوتکم۔ رہائش کے لئے گھر اس نے دیئے اور چوپاؤں کے چمڑوں کے ہلکے پھلکے گھر بھی عطا کیے تاکہ مقیم کے لئے پکا گھر اور مسافر کے لئے سفری گھر رہن سہن کے لئے آسانی کا باعث ہو۔

اصوافھا۔ بھیڑوں اور دنبوں کی اون کو کہتے ہیں۔

أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ

کیا نہیں دیکھتے پرندوں کو جو فضائے آسمانی میں مسخر ہیں نہیں روکتا ان کو مگر اللہ

إِلَّا اللَّهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (۷۹) وَاللَّهُ

تحقیق اس میں نشانیاں ہیں ایمان لانے والے لوگوں کے لئے اور اللہ

جَعَلَ لَكُم مِّن بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُم مِّن

نے پیدا کئے تمہارے لئے تمہارے گھر رہائش کے لئے اور پیدا کئے تمہارے چوپاؤں کے

جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ

چمڑوں سے گھر جن کو تم ہلکا پاتے ہو کوچ کے دن اور قیام

وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَ

کے دن اور ان کی پشم اور اُون اور بالوں سے لباس اور سامان

أَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ (۸۰) وَاللَّهُ جَعَلَ

ایک وقت تک کے لئے بناتے ہوا اور اللہ نے پیدا

لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ

کئے تمہارے لئے من جملہ دیگر مخلوق کے سائے اور پیدا کئے تمہارے لئے

أَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَ

پہاڑوں سے غاریں اور پیدا کیں تمہارے لئے قمیصیں جو تم کو گرمی سے بچاتی ہیں

اَوْبَارِهَا ۔ یہ اونٹوں کی اُون کو کہا جاتا ہے ۔ اَشْعَارِهَا ۔ اس کا بکریوں کے بالوں پر اطلاق ہوتا ہے ۔ اثاث سے مراد لباس و لبترے وغیرہ مراد ہیں اور متاع سے تجارتی نقطہ نگاہ مقصود ہے

اِلٰی حِیْنٍ ۔ تا حین حیات یا اُس وقت تک جب تک اللہ چاہے کیونکہ رزق کی عطا اور اس کی بقا اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔

ظِلٰلًا ۔ ایسے اجسام پیدا کئے جو گرمیوں میں تم کو سایہ دیتے ہیں جیسے درخت پہاڑ وغیرہ۔

اَکْنَانًا ۔ پہاڑ کی غاریں یا ان کے علاوہ مکانوں کی رہائش کے مقصد کو پورا کرتی ہیں۔

تَقِیْکُمُ الْحَرَّ ۔ چونکہ عرب میں گرمی زیادہ ہوتی ہے ۔ لہٰذا لباس کو گرمی کا محافظ ہونا ظاہر فرمایا اور ضمناً سردیوں کا بچاؤ بھی معلوم ہو جاتا ہے

سَرَابِیْلَ ۔ اس لباس سے مراد لوہے سے تیار کردہ زرہیں ہیں جو جنگ میں پہنی جاتی ہیں۔

لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ - ان تمام نعمات کو گننے کے بعد پھر ایک دفعہ دعوت دے دی کہ ان کو پہچانو اور اللہ کی معرفت حاصل کرکے اُس کے سامنے جھک جاؤ کفر و انکار سے باز آجاؤ اور شرافتِ انسانیہ کا تقاضا یہی ہے کہ محسن کے احسان کے سامنے جھک جائے۔

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ - اس کا عمومی مقصد یہ ہے کہ ہر نعمتِ پروردگار کی قدر اس کے شکر سے کی جائے اور چونکہ تمام نعمات میں سے نعمت نبوت و ولایت اہم نعمتیں ہیں لہٰذا ان کی قدردانی ہر غیرت مند انسان کا فریضہ ہے اور تفسیر برہان میں آئمہ سے مروی ہے کہ یہ ان لوگوں کی سرزنش ہے جنہوں نے حضرت رسالت مآب سے ولایت علی کا اعلان سنا اور پھر جان بوجھ کر اس کا انکار کر گئے۔

سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمْ بَاْسَکُمْ کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ

اور قمیصیں جو کہ لڑائی میں بچاتی ہیں اسی طرح پوری کرتا ہے اپنی نعمت تم پر

عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

تاکہ تم اس کے سامنے جھک جاؤ پس اگر پھر جائیں تو تیرے

عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۲﴾ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ

اوپر صرف تبلیغ کرنا ہے لوگ اللہ کی نعمت کو پہچان کر انکار

ثُمَّ یُنْکِرُوْنَهَا وَاَکْثَرُهُمُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَیَوْمَ

کرتے ہیں اور اکثر ان کے کفران کرتے ہیں اور جس دن

نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَهِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ

ہم اٹھائیں گے ہر امت سے گواہ پھر نہ سنی جائے گی بات ان کی

رکوع نمبر ۱۸

قیامت کے دن آئمہ کا گواہ ہونا

وَیَوْمَ نَبْعَثُ - یعنی بروز محشر ہر امت کے اعمال پر امتوں کے انبیاء بطور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ ہر زمانہ کی امت کے ساتھ اس زمانہ کا امام بطور گواہ پیش ہوگا۔ بعض لوگ جہلاء کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر شہید کے لفظ سے آئمہ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ محض دھوکا اور فریب ہے کیونکہ ہر وقت ہر جگہ ہر شے پر حاضر و ناظر صرف ذات پروردگار ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں البتہ اس کی قدرت میں ہے کہ وہ آئمہ کو یا انبیاء کو متعدد مقامات پر ایک وقت میں یا متعدد اوقات میں بھیج دے اگر وہ ملک الموت کو ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر قبض ارواح کے لئے بھیج سکتا ہے تو وہ آئمہ

کو بھی یہ طاقت دے سکتا ہے اور ملک الموت کے متعلق تو ثابت ہے کہ خدا نے قبض ارواح کی خاطر اس کو بیک وقت متعدد مقامات پر حاضر ہونے کی طاقت دے رکھی ہے۔ لیکن آئمہ یا انبیاء کے متعلق یہ بات ثابت نہیں ہے بلکہ یہ ثابت ہے کہ وہ ایک جگہ جب ہوتے تھے تو دوسری جگہ ان سے خالی ہوتی تھی لہذا ان کو وہاں بلانا پڑتا تھا اور ان کو چل کر وہاں پہنچنا پڑتا تھا۔ پس اُن کا حکم ان کا دین ان کی فرمائشات اور ان کی ولا ہر مومن کے دل میں حاضر ہے وہ اگر ایک پل دل سے الگ ہو تو ایمان جاتا رہتا ہے اس معنی کے لحاظ سے وہ بے شک حاضر ہیں اور محشر کی شہادت کا مقصد یہ ہے کہ وہ پروردگار کے حضور میں اپنی تبلیغی مساعی کی رپورٹ پیش کریں گے کہ ہم نے ان لوگوں تک اُصول مذہب اور احکام دین پہنچا دیئے تھے اور ان کو اچھی طرح سمجھا دیئے تھے پس وہ عذر کو قطع کر دیں گے۔ اسی بنا پر تو آئیت مجیدہ میں صاف اعلان ہے کہ انکار کرنے والوں اور غلط کاروں کو بولنے کی اجازت نہ ہوگی۔ یا یہ کہ ان کی کوئی گذارش نہ سنی جائے گی جس طرح کہا جاتا ہے۔ اَذِنتُ لَہٗ ذیں نے اس کی بات سنی) اللہ ان کو اپیل معافی کا موقع دیا جائے گا کہ وہ عذر پیش کر کے معافی حاصل کر لیں استعتاب کا معنی ہے معافی مانگنے کا موقعہ دینا۔

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ
جو کافر تھے اور نہ ان کو معافی مانگنے کا موقع دیا جائے گا اور جب دیکھیں گے ظالم
ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾
عذاب کو پس نہ کم کیا جائے گا ان سے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی
وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا
اور جب دیکھیں گے جنہوں نے شرک کیا اپنے شرکاء کو تو کہیں گے اے رب

اس جگہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ کو معلوم ہے تو وہ آئمہ سے گواہی کس لئے لے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شہادت اثبات مطلب کے لئے نہیں ہے بلکہ لوگوں کو بدکاریوں سے روکنے کا یہ ایک بہانہ ہے کیونکہ جب پتہ ہو گا کہ بروز محشر جب خدا کے سامنے میرے گناہ کھلیں گے اور مجمع عام میں رسوائی ہو گی اور آئمہ کی شہادت بھی ہو گی تو ایسی صورت میں ارتکاب معاصی سے شرم کرے گا۔

شُرَكَآئُهُمْ۔ اس جگہ شرکاء سے وہ اشخاص مراد ہیں جن کو مشرک لوگ خدا کا خدائی میں شریک مانتے تھے۔

فَاَلْقَوْا۔ القاء کا معنی ہے ڈالنا اور کسی تک بات پہنچانی ہو تو القاء سے تعبیر کرتے ہیں اور کسی سے حاصل کرنی ہو تو تلقّی سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ الخ۔ گویا بروز محشر مشرکین کو اپنے شرکاء نقد جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔ اور مشرکین اللہ کے سامنے اپنی فرمانبرداری پیش کریں گے۔ یعنی نخوت تکبر اور غرور سب ختم ہو جائیں گے

پس عاجزی کو پیش کریں گے۔

ضَلَّ عَنْھُمْ ۔ ان کو جو دنیا میں یہ وہم وخیال تھا کہ ہمارے خدا ہم کو عذاب سے چھڑالیں گے وہ سب باطل ہوجائے گا۔ کیوں کہ یہ ان کا افترا تھا۔

فَوْقَ الْعَذَابِ ۔ عذاب نار کے ساتھ بچھوؤں اور سانپوں وغیرہ کا عذاب ان پر بڑھادیا جائے گا۔

شَهِيْدًا ۔ حدیث میں ہے کہ آئمہ خلق پر شہید ہوں گے اور رسولؐ آئمہ پر شہید ہوگا اور یہ اُن کے نفسوں سے ہوں گے۔ یعنی ان کے ہم جنس بشر ہی ہوں گے اور یہ بھی مروی ہے کہ نیک مومن بھی گواہی دیں گے۔

نَزَّلْنَا ۔ یعنی ہم نے تجھے کتاب دی جس میں ہر مسئلہ ضروریہ شرعیہ کا واضح بیان موجود ہے یعنی قیامت تک کے پیش آمدہ ضروری مسائل شرعیہ کا حل قرآن مجید میں موجود ہے خواہ نص و ظاہر کے لحاظ سے قرآن میں ہو یا اشارہ کے ذریعے

هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ

یہ ہمارے شرکاء ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارتے تھے پس (بقدرتِ خدا) وہ ان کو

فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَاَلْقَوْا

جواب دیں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو ۔ اور پیش کریں گے

اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

اللہ کی طرف اس دن اپنی اطاعت اور باطل ہوجائیگی وہ بات جس کا افترا باندھتے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

تھے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکا اللہ کے راستے سے ان کو عذاب

زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

کے اوپر دوہرا عذاب بڑھائیں گے بوجہ اس کے کہ وہ تھے فساد کرتے

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ

اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر امت سے گواہ ان کے اوپر اپنے نفسوں سے اور لائیں گے

سے کیونکہ فرمانِ رسالت اور فرمانِ امام بحکم قرآن کتاب کا فرمان ہے کیونکہ آیۂ اطاعت وولایت ہی اس کا مرجع ہے۔

علم آئمہ کی وسعت قرآن مجید کے متعلق تبیانا لکل شئی کا ارشاد ہے یعنی ہر امر ضروری کی وضاحت لفظاً یا ظاہراً یا حکماً اس میں موجود ہے اور قرآن چونکہ تمام کتب سماویہ کی جامع اور ان کے علوم

پر حاوی کتاب ہے لہٰذا اس کے عالم انبیاء سابقین سے افضل ہوں گے اور چونکہ آئمہ طاہرین علیہم السلام علم قرآن میں حضرت رسالت مآبؐ کے صحیح وارث تھے لہٰذا وہ باقی تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آئمہؑ سے متعدد احادیث وارد ہیں۔ تفسیر برہان میں ایک حدیث کے ذیل میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسےٰ کے متعلق خدا فرماتا ہے كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اور من تبعیض کے معنی میں ہوتا ہے یعنی الواح میں موسےٰ کے لئے ہم نے ہر شی میں سے کچھ لکھا تھا تو اس سے معلوم ہوا کہ سب کچھ اس میں نہ تھا بلکہ کچھ تھا۔ لیکن قرآن مجید کے متعلق صراحت سے فرمایا کہ اس میں سب کچھ کی وضاحت ہے تو قرآن کا عالم توراۃ کے عالم سے افضل ہوگا۔ بنا بریں حضرت علیؑ ان سے افضل ہے۔ یہ بیان آپ نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا تھا کہ موسےٰؑ و عیسےٰؑ افضل ہیں یا علیؑ -؟

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ

تجھ کو گواہ ان کے اوپر اور ہم نے اتاری تجھ پر کتاب جو واضح بیان ہے ہر شے کا

هُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨٩﴾ ع ١٨

اور ہدایت اور رحمت اور خوش خبری ہے مسلمانوں کے لئے

امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت موسےٰؑ نے عالم سے ایک سوال کیا تھا جس کا ان کے پاس جواب نہ تھا اگر میں ان کے پاس موجود ہوتا ان کے پاس موجود ہوتا تو میں ان دونو کو اپنے اپنے مسئلہ کا جواب دیتا اور میں ایسا مسئلہ ان سے پوچھتا، کہ وہ جواب نہ دے سکتے۔ حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ کی تفصیل اگلی جلد میں آئے گی۔

نیز بروایت سدیر آپ سے مروی ہے کہ جب حضرت موسےٰ اور عالم کی ملاقات ہوئی اور باہمی گفتگو کا سلسلہ جاری ہوا تو موسےٰ نے ایک پرندہ کو دیکھا جسے خطاف عربی میں کہتے ہیں اور وہ تیتر کی قسم سے ہے کہ وہ پرندہ سیٹی بجاتا اور آسمان کی طرف پرواز کرتا تھا پھر دریا میں غوطہ زن ہو جاتا تھا تو عالم نے موسےٰ علیہ السلام سے کہا کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ پرندہ کیا کہتا ہے؟ حضرت موسےٰ نے نفی میں جواب دیا پس عالم نے جواب دیا کہ یہ کہتا ہے آسمان و زمین کے رب کی قسم تم دونوں کا علم اللہ کے مقابلہ میں ایسا ہے جس طرح میری چونچ کا قطرہ دریا کے مقابلہ میں، پس حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اگر میں ان دونوں کے پاس ہوتا تو ان سے ایسا مسئلہ دریافت کرتا جس کا جواب دونوں کے پاس نہ ہو سکتا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے اپنی مخصوص جماعت کے زمرہ میں ارشاد فرمایا مجھے

رب کعبہ کی قسم (تین بار) اگر میں موسٰے اور خضرؑ کے درمیان ہوتا تو دونوں پر ثابت کرتا کہ میں ان سے اعلم ہوں اور ان کو ایسی باتیں بتاتا جن سے وہ بے علم ہوتے اور کلینی کی روایت میں ہے آپ نے فرمایا کہ موسٰے اور خضر کو ما کان کا علم تھا اور ان کے پاس مایکون کا علم نہیں تھا یعنی وہ ماضی کا علم رکھتے تھے لیکن مستقبل کا علم ان کے پاس نہ تھا۔ تاقیامت اور ہم نے وراثۃً نبی علیہ السّلام سے وہ علم حاصل کیا ہے۔ لیکن یہ یاد رکھئے کہ ان کا علم جتنا بھی وسیع تھا وہ سب حضرت رسالت مآبؐ کے ذریعے سے علم مستفاد تھا اور حضرت رسالت مآبؐ کا علم خدا سے مستفاد تھا اور جو علم غیب اللہ کے ساتھ مختص ہے وہ علم ذاتی ہے نہ کہ مستفاد۔

تفسیر برہان میں ایک مرسلہ روایت درج ہے کہ جب حضرت موسٰے اور حضرت خضر علیہما السّلام کے درمیان کشتی غلام اور دیوار وغیرہ کے بارے میں تلخ کلامی ہوئی اور اس کے بعد حضرت موسٰی واپس گھر پلٹ کر آگئے تو ہارون نے دریافت کیا آپ خضر سے کیا کچھ سیکھ آئے ہیں؟ حضرت موسٰے نے جواب دیا وہ ایسی باتیں تھیں جن سے بے علمی نقصان دہ نہیں ہوتی ہاں ایک اس سے بھی عجیب وغریب واقعہ ہمیں پیش آیا تھا پس ہارون نے پوچھا کر وہ کیا تھا؟ تو آپ نے فرمایا جب ہم دونو دریا کے کنارے سفر کر رہے تھے تو ایک دفعہ ہم وہاں کھڑے ہوگئے اور دیکھا کہ خطاف کی شکل کا ایک پرندہ دریا کے کنارے اُترا اور اس نے اپنی چونچ میں پانی لے کر اسے مشرق کی طرف پھینکا پھر دوبارہ مغرب کی طرف پھینکا پھر تیسری مرتبہ آسمان کی طرف اور چوتھی دفعہ زمین پر گرادیا اس کے بعد پانچویں دفعہ پانی لے کر دریا میں ڈال دیا اس کے بعد پھڑپھڑاتا ہوا ہوا میں پرواز کر کے چلا گیا ہم دونو حیران تھے کہ اس پرندے نے ایسا کیوں کیا اور اس کی غرض کیا تھی؟ اسی اثنا میں بشکل آدمی اللہ کی جانب سے ایک فرشتہ آیا اور ہم سے پوچھنے لگا کہ آپ اس جگہ حیران کیوں کھڑے ہیں؟ ہم نے اُس پرندے کی داستان سنائی اور اپنی حیرت کی وجہ بیان کی وہ کہنے لگا کہ تمہیں خبر نہیں کہ وہ کیا کہہ گیا ہے؟ ہم نے کہا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ تو وہ کہنے لگا اس پرندے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے اللہ کی قسم جس نے مشرق کو مشرق بنایا، مغرب کو مغرب بنایا۔ آسمان کا شامیانہ تنا اور زمین کا فرش بچھایا وہ آخری زمانہ میں ایک نبی مبعوث فرمائے گا جس کا نام محمدؐ ہوگا اور اس کا ایک وصی ہوگا جس کا نام علی ہوگا اور تم دونو کا علم اُس کے علم کے مقابلہ میں اس طرح ہے جس طرح یہ قطرہ آب بھرے سمندر کے مقابلہ میں ہے۔

رکوع نمبر ۱۹ درسِ اخلاق

اِنَّ اللّٰہَ ۔ آیت مجیدہ میں خداوند کریم نے عدل احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے اور زنا بدکاری اور ظلم سے منع فرمایا ہے اور یہی چیزیں اخلاق کریمانہ کے بنیادی اصول و دستور ہیں اور علم الاخلاق کے جملہ فروعی مسائل کی بازگشت انہی تین اصولوں کی طرف ہوا کرتی ہے۔ پس یہی انسانی بلند کردار کا محور و مرکز ہیں۔ عدل کے تین مقام ہیں (۱) اللہ کے حقوق میں عدل (۲) اپنے نفس کے

حقوق میں عدل (۳) معاشرہ کے حقوق میں عدل۔ پس حقوق اللہ میں عدل یہ ہے کہ اس کے اوامر کو بجالائے اور اس کی منع کردہ چیزوں سے بچے اور اسی کا نام ہے تقویٰ۔ پس مخلوق کا اپنے خالق کے حقوق میں عدل تقویٰ ہے اور اس کے کم وبیش ادنیٰ و اعلیٰ مراتب ہیں اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام تمام متقیوں کے امام و پیشرو ہیں۔ جناب رسالتمآب کے بعد اس مقام عدل میں ان سے کوئی نہیں بڑھ سکا اور اپنے نفس کے حقوق میں عدل یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہر بدعادت سے بچائے اور ہر نیک عادت کی طرف اس کو آگے بڑھائے۔ پس نفس کو حیوانی پستی سے بلند کر کے اوج شرف انسانی سے ہمکنار کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑے اور حقوق معاشرہ میں عدل یہ ہے کہ معاشرہ کے تمام شعبوں میں شرعی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھے۔ مثلاً عورت و مرد کے حقوق اولاد و والدین کے حقوق، آقا و غلام کے حقوق، سلطان و رعایا کے حقوق مزارع اور مالک کے حقوق بائع و مشتری کے حقوق ہمسایوں کے حقوق علما کے حقوق مساجد کے حقوق اور استاد کے حقوق وغیرہ اور ان کلیات کو شمار میں لانا بھی کافی مشکل ہے چہ جائیکہ ان کی جملہ جزئیات پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے۔ بہرکیف ان تمام شعبہ جات میں عدل گستری انسان کی بلندیٔ کردار کی ضمانت ہے اور ہم نے عدل کی قدرے مفصل بحث اپنی کتاب لمعۃ الانوار فی عقائد الابرار میں کر دی ہے۔ عدل و انصاف کے اصولوں کو سمجھنے اور اپنانے والوں کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت فائدہ مند ہوگا

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَائِ ذِي الْقُرْبٰى

تحقیق اللہ امر کرتا ہے انصاف احسان اور قریبیوں کو دینے کا اور روکتا ہے زنا

وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ

بدکاری اور ظلم سے تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل

بیان پروردگار کی سلاست اور اس کی پرکشش روش کو ملاحظہ فرمائیے کہ پہلے عدل پھر احسان پھر صلہ رحمی کو ترتیب دیا۔ نکتہ سنج اور ذہن رسا طبائع اس طرز بیان کی جاذبیت اور حقائق کی ترجمانی میں اس کی پرمغز حکمت و تدبر نگارش کو دیکھ کر کیوں نہ مسحور ہوں جب کہ مکہ کے بدترین دشمنانِ پیغمبر بھی سوائے عناد و سرکشی کے اس کے انکار کا اور کوئی بہانہ نہ پیش کر سکے۔ دیکھئے عدل کا معنی مساوات کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس قدر حق ہے اسی قدر ہی اس کو پورا کیا جائے۔ پس حقوق اللہ حقوق النفس اور حقوق العباد میں صرف واجب کی پوری پوری رعایت سے عدل کا تقاضا پورا ہو سکتا ہے۔ اور یہی تقویٰ کی پہلی منزل ہے۔ پس اس کے بعد احسان کا حکم دیا جو ادنیٰ درجہ سے اعلیٰ درجہ کی طرف ترقی کا زینہ ہے گویا واجب کا ادا کرنا ہے عدل اور اس سے بڑھ کر مستحب کو عمل میں لانا ہے۔ احسان مثلاً مشتری کو پورا تول کر دینا عدل ہے اور زیادہ دینا احسان ہے اور جملہ حقوق کی یہی حالت ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ایک مقام پر تقوے کے اوپر احسان کا عطف ہے۔ اِتَّقَوْا وَ

اَحْسَنُوْا ۔ اور پھر فرمایا کہ خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور عمومی احسان سے صلہ رحمی کرتے ہوئے اپنے اقارب پر احسان کرنا چونکہ زیادہ اہم ہے لہذا اُس کو بعد میں ذکر فرمایا اور یہی حسن کردار کی آخری منزل ہے۔ اور رسول کی صلہ رحمی ہر مسلمان کا چونکہ اہم فریضہ ہے لہذا ذی القربیٰ سے مُراد آل محمد تاویل کے طور پر اُس کی اہم فرد ہیں اور حضرت صادق آلِ محمدؐ سے منقول ہے کہ آیت مجیدہ میں ذی القربیٰ سے مُراد ہم ہیں۔ چونکہ کردارِ انسانی کا حسن نفی و اثبات کے دونو پہلوؤں کے اندر ہے گویا اوصاف ناشائستہ کی نفی اور اوصاف شائستہ کا اثبات جب تک نہ ہو کردار میں بلندی آہی نہیں سکتی۔ عاداتِ رذیلہ کی نفی کو تخلیہ کہتے ہیں اور خصائلِ حمیدہ کے اثبات کو تحلیہ کہا جاتا ہے۔ تو جس طرح تحلیہ میں عدل و انصاف احسان اور صلہ رحمی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اسی طرح تخلیہ میں فحشاء و منکر اور بغی کو بھی جملہ صفاتِ بد میں مرکزی مقام حاصل ہے اور جس کی سعادت نے یاوری کی اور توفیق ایزدی شاملِ حال ہوئی۔ پس ان تینوں بدعادتوں سے بچ نکلا اور سعادت کے کندھوں پر سوار ہو کر اوجِ انسانیت کے زینوں پر منازل ارتقاء کو طے کرنے کے اہل بن گیا۔

جس طرح حُسن کردار میں صلہ رحمی کو آخری منزل ارتقاء حاصل تھی اسی طرح اُس کے مقابلہ میں فحشاء (زنا) کو پستیٔ کردار میں آخری یعنی پست ترین مقام حاصل ہے گویا جس طرح وہ عدل کے تدریجی زینوں میں سے آخری بلند زینہ تھا اسی طرح یہ یعنی (ظلم) کے تدریجی زینوں میں سے آخری پست ترین زینہ ہے وہ حسن اخلاق میں نیک ترین خصلت تھی اور یہ اخلاقِ رذیلہ میں سے بدترین عادت ہے۔ جب یہ عادت مقامِ عدل سے کوسوں دُور ہے تو مقامِ احسان سے یا بعد والی ارتقائی منازل سے تو اس کا لگاؤ ہی کوئی نہیں۔ پس بدترین انسان نما حیوان ہے وہ آدم زادہ جو مقام اخلاق میں اس قدر پستی میں گرا ہوا ہو۔ اسی لئے انسان کو بلندی کی طرف دعوت کے لئے پست ترین منزل سے اوپر کو کھینچا تھا لہذا پہلے فحشاء سے بچنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ہر وہ عادتِ رذیلہ جو کردار انسانی کے لئے ناشائستہ ہو اُس سے گریز کرنے کا حکم دیا اور اُس کو منکر سے تعبیر فرمایا اور سب سے آخر بغی سے رد کا جس کا معنی ہے ظلم اور یہ عدل کی ضد ہے پس جس طرح عدل کی تین قسمیں تھیں اسی طرح حقوق کے لحاظ سے ظلم کی بھی تین قسمیں ہوں گی یعنی حقوق نفسیہ میں ظلم حقوقِ خالق میں ظلم اور حقوق معاشرہ میں ظلم تو جب انسان پستی کی ان منازل سے نکل جائے تو مقام تخلیہ میں اُس نے اپنے نفس کی خیر خواہی کر لی اب مقام تحلیہ میں عدل و احسان کے زیور سے آراستہ ہو کر آگے بڑھنا کوئی مشکل نہیں ہو گا۔

مقام بیان میں اگرچہ مقام تحلیہ کا ذکر مؤخر ہے اور تخلیہ مقدم ہے لیکن مقام ارتقاء میں معاملہ بالعکس ہوا کرتا ہے یعنی پہلے جسم کی میل کچیل دور ہو تب زیورات سے آراستگی کوئی معنی رکھتی ہے ورنہ مضحکہ خیز۔ اسی طرح اوصاف حمیدہ اپنے اندر جذب کرنے کے لئے عاداتِ رذیلہ سے بچنا پہلے ضروری ہوا کرتا ہے مقام بیان میں چونکہ وجود عدم سے اشرف ہے لہذا وجودی پہلو کو عدمی پر سبقت دے دی گئی ہے۔ واللّٰہ اعلم۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ منع کرنے میں ہر سہ صفاتِ بد کو الگ الگ ذکر کیا ہے حالانکہ منکر کے لفظ میں سب آجاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بُرائی کی تین صورتیں ہوتی ہیں (۱) وہ بُرائی جو ظاہر نہیں کی جاتی وہ فحشا ہے (۲) وہ برائی جو ظاہر کی جاتی ہے اور نہی عن المنکر کا فرد بنتی ہے وہ منکر ہے اور وہ برائی جو دوسروں پر برتری کو ظاہر کرے وہ بغی ہے (لخصا)

اور بعضوں نے کہا ہے کہ فحشا کا معنی زنا اور منکر ہر وہ فعل جس کو شریعت ناجائز کہے اور بغی کا معنی ظلم ہے۔ جس طرح ہماری تقریب سابق میں مفصلاً ذکر ہوا ہے۔ نیز ایک قول یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا ایک جیسا ہونا عدل ہے اور باطن کا ظاہر سے خوب تر ہونا احسان ہے اور ظاہر کا باطن سے اچھا ہونا فحشاء و منکر ہے۔

عثمان بن مظعون سے مروی ہے کہ چونکہ حضورؐ مجھے بار بار اسلام لانے کی دعوت دیتے تھے لہذا شرم کے بارے میں مسلمان ہو گیا تھا لیکن دل نہیں مانتا تھا ایک دن میں خدمت نبویؐ میں موجود تھا کہ آپ نے ٹکٹکی باندھ کر آسمان کی طرف نظر کی جیسے کہ کوئی بات سمجھ رہے ہوں۔ جب آپ کی وہ حالت ختم ہوئی میں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے جبریل کو دیکھا ہے اور وہ یہ آیت لایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ الخ۔ پس یہ سنتے ہی میرے دل میں اسلام راسخ ہو گیا۔ میں نے ابوطالب سے یہ ماجرا بیان کیا تو انہوں نے فرمایا اے قریش۔ محمدؐ کی اتباع کرو گے تو ہدایت پاؤ گے کیونکہ وہ تم کو مکارم اخلاق کا درس دیتا ہے پھر میں ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچا اور وہی ماجرا بیان کیا تو وہ کہنے لگا کہ اگر یہ بات محمدؐ نے کہی ہے تو وہ بھی خوب ہے اور اگر اُس کے خدا نے کہی ہے تو بھی خوب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے بہ نفس نفیس یہ آیت ولید بن مغیرہ کے سامنے پڑھی تو اُس نے کہا کہ دوبارہ پڑھئے۔ پس آپ نے دوبارہ پڑھی تو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا اور بے تحاشا اس کے منہ سے نکلا۔ اِنَّ لَهٗ لَحَلَاوَةً وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةً وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ وَاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ وَمَا هُوَ قَوْلُ الْبَشَرِ۔ یعنی تحقیق یہ کلام شیریں اور بیان دل کش ہے اس کی شاخیں اور جڑیں دور رس ہیں اور یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہے۔

تفسیر برہان میں آیت مجیدہ کی تاویل یہ ہے کہ عدل سے مُراد حضرت رسالت مآبؐ اور احسان سے مُراد حضرت امیر المومنینؑ اور ایتاء ذی القربیٰ سے مراد مودت اہل بیت اور فحشاء و منکر و بغی سے علی الترتیب، تین دشمنانِ اہل بیت ہیں جن سے بیزاری کا حکم دیا گیا ہے۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ۔ بعض لوگوں نے حضرت رسول کریمؐ کی بیعت کی تھی اور اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے لیکن چونکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی تو دوسری قوموں نے ان کو اپنی کثرت و طاقت کے بل بوتے پر ڈرایا دھمکایا اور اسلام کو چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹنے کی ترغیب دی چنانچہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ کر اور بیعت نبوی کو توڑ کر کفر کو اختیار کر لیا پس خداوند کریم باقی مسلمانوں کو عہد کی وفا کی تلقین کر رہا ہے کہ اپنی قلت سے گھبرا کر کثرت سے مرعوب ہو جانا جوانمردی نہیں بلکہ تمہارا فریضہ ہے کہ جب تم نے اللہ سے عہد کر لیا اور قسم بھی اٹھائی ہے تو اس کو پورا کرو۔

وَلَا تَكُونُوا ۔ کہتے ہیں قریش میں ایک بیوقوف عورت تھی جس کا نام ریطہ بنت عمرو بن کعب تھا وہ دوپہر تک سوت کاتتی تھی اور پھر اُس کو کچا کرکے اون بنالیتی تھی اور پھر اس کو کاتنے لگ جاتی اور یہی اس کا دستور تھا۔

اَنْكَاثًا ۔ نکث کی جمع ہے اون یا بالوں کو کاتنے اور بٹ دینے کے بعد دوبارہ بٹ نکال کر پہلی صورت پر لانا یعنی پختہ کرنے کے بعد کچا کرنا خواہ وہ رسہ ہو یا تاگا ہو اس کو نکث کہا جاتا ہے اسی بنا پہ امام کی اطاعت قبول کرنے اور بطیب خاطر یعنی بلا جبر و اکراہ اس کی بیعت کرلینے کے بعد اس کو توڑ کر اس کے خلاف خروج کرنے کو بھی نکث کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ جنگ جمل میں علیؑ سے لڑنے والوں کو ناکثین کہا جاتا ہے۔

اس مقام پر اگرچہ ہر عہد خداوندی کو توڑنے پر سرزنش وارد ہے لیکن جس چیز کے متعلق عہد لیا گیا ہو وہ جس قدر اہم ہوگی اس عہد کی منزلت اسی قدر ہی بلند ہوگی اور مسلمانوں نے رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے بعد جو غدیر خم کے روز حضرت علی کی ولیعہدی اور ولایت کا عہد کیا اس کی اہمیت کتب تاریخ میں سیر کرنے سے معلوم ہوتی ہے ۔ حالانکہ

تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾ وَاَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا

کرو اور وفا کرو اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد کی جب عہد کرو اور نہ توڑو

تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ

قسموں کو بعد پکا کرنے کے حالانکہ تم اللہ کو ضامن بنا چکے ہو۔ تحقیق اللہ جانتا ہے جو

عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

تم کرتے ہو اور نہ ہو جاؤ

عہود اسلامیہ میں سے جس قدر عہد غدیری میں اہتمام کیا گیا شاید اور کہیں یہ صورت واقع نہ ہوئی ہوگی ۔ پس اس عہد کو توڑ کر اپنی من مانی حکومت کی تشکیل یقیناً منافع دنیاویہ سے مستفید ہونے کی غرض سے ہو سکتی ہے ، ورنہ جس کو خدا کی خوشنودی کی ضرورت ہو اس کو اپنے عہد و پیمان کے توڑنے کی کیا ضرورت ہے ۔ اسی بنا پر تفسیر آئمہ میں صاف صریح ہے کہ ان آیات میں خدا مسلمانوں سے ولایت علی کے بارے میں عہد شکنی کرنے والوں کو تنبیہ فرما رہا ہے ۔ گویا ولایت علیؑ کا عہد ہی اس کا تاویلی مصداق ہے ۔

اَنْ تَكُوْنَ ۔ (۲۴۵) بعض لوگوں کا دستور تھا بلکہ ہر دور میں یہ ہوتا رہتا ہے کہ ظاہراً قسم اٹھا لیتے ہیں اور عہد بھی کر لیتے ہیں لیکن دل میں اُس کو پورا کرنے کا خیال نہیں ہوتا ۔ خداوند کریم اسلامی عہد کرنے والوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ مسلمانوں کی کم تعداد کو دیکھ کر اور کفار کی کثرت سے مرعوب ہو کر عہد شکنی اور قسم کی خلاف ورزی نہ کرو ۔ کیونکہ اگر بذریعہ جبر و اکراہ چاہتا تو سب کو ایک مسلمان قوم بنا دیتا ۔ لیکن یہ اس کی مصلحت کے خلاف ہے پس اُس نے اسلام و کفر کا معاملہ انسان کے اختیار پر چھوڑ دیا ہے

تاکہ جنت و جہنم میں لوگ اپنے اختیار سے جائیں۔ اور قیامت کے دن حق و باطل کی اس دنیاوی جنگ کا نتیجہ معلوم ہو گا کہ صبر کرنے والوں کا انجام کیا ہے اور ظلم کرنے والوں کا حشر کیا ہے؟

یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ۔ ضلالت اور ہدایت کا اللہ کی طرف منسوب ہونا ہم نے تفسیر ہذا کی دوسری جلد میں بیان کیا ہے

كَالَّتِىْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ

اس عورت کی طرح جو اُدھیڑ دے اپنے کاتے ہوئے کو بٹنے کے بعد کچا سوت بناتے

اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ

ہو اپنی قسموں کو دھوکا اپنے درمیان اس لئے کہ ایک قوم تعداد میں زیادہ ہے دوسری

اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

قوم سے سوائے اس کے نہیں کہ خدا آزماتا ہے تم کو اس سے اور واضح کرے گا تمہارے

مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

لئے قیامت کے دن جس میں تم اختلاف کرتے تھے اور اگر چاہتا اللہ تو کر تا تم کو ایک

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْ

قوم لیکن وہ گمراہی میں چھوڑتا ہے جسے چاہے اور ہدایت پر لاتا ہے جسے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

چاہے اور ضرور پوچھے جاؤ گے اُس سے جو عمل کرتے ہو

تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ یہ آیات حضرت علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں اس عہد کی توثیق کے متعلق ہیں جس میں جناب رسالت مآب نے فرمایا تھا کہ تمام مومنوں کے امیر ہونے کے عہدہ کا علی کو سلام کرو۔

تفسیر برہان و صافی میں بروایت کافی امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جب حضرت علی کی ولایت کا حکم نازل ہوا اور حضورؐ نے فرمایا کہ سَلِّمُوْا عَلٰى عَلِيٍّ بِاِمْرَةِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی علی کا امیر ہونے کی حیثیت سے سلام کرو اور دو شخصوں کو زیادہ تاکید فرمائی تو وہ کہنے لگے کہ یہ اللہ کا حکم ہے؟ تو وَلَا تَنْقُضُوا الخ نازل ہوئیں۔ بہرکیف اس قسم کی روایات آیاتِ مجیدہ کی باطنی تفسیر ہیں۔

وَلَا تَتَّخِذُوْۤا۔ مجمع البیان میں ہے کہ حضرموت کے علاقہ کا ایک آدمی عبدان نامی بارگاہ نبوی میں فیض یاب ہوا اور اُس نے امرأ القیس کندی کے خلاف یہ دعویٰ دائر کر دیا کہ یہ شخص میرا ہمسایہ ہے اور اس نے ناجائز طور پر میری زمین

پر قبضہ کر لیا ہے اور لوگ اگرچہ مجھے حق بجانب جانتے ہیں لیکن یہ شخص اپنی قوم میں معظم و محترم ہے لہذا شاید اُس کے
خلاف میرے حق میں گواہی دینے کو کوئی بھی تیار نہ ہو۔ پس آپ نے امرؤالقیس کندی کو طلب فرمایا تو اس نے مدعی کے
دعوے کو غلط قرار دے کر اپنے غاصب ہونے کا صریح انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ تم قسم اٹھالو تو فوراً مدعی (عبدان)
نے درخواست کی کہ حضور! یہ شخص فاجر ہے ہو سکتا ہے کہ جھوٹی قسم اٹھالے آپ نے فرمایا اگر تمہارے پاس گواہ نہیں
ہیں تو اس کی قسم پر تم کو فیصلہ ماننا پڑے گا۔ چنانچہ امرؤالقیس قسم کے لئے آگے بڑھا تو آپ نے اس کو مہلت دے دی
یعنی اس مقدمہ کے فیصلہ سنانے کی تاریخ بڑھا دی۔ پس یہ آیتیں اتریں اور آپ نے فیصلہ سنانے سے پہلے ان کو
پڑھا تو امرؤالقیس کہنے لگا کہ حضور! میرے پاس جو مال و دولت ہے وہ ضائع ہونے والی چیز ہے اور آخر کار ایک
دن اس نے ختم ہی ہو جانا ہے در حقیقت میرا مدعی حق بجانب ہے اور مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں نے اس کی کس قدر زمین دبا رکھی ہے لہذا اس کی جس قدر مرضی ہو میری زمین لے لے بلکہ چونکہ میں اُس زمین کے بعض فصل بھی برداشت کر چکا ہوں لہذا میں اسی کو اپنے حق سے دوگنا دیتا ہوں۔ پس اگلی آیت اتری۔ من عمل۔ الخ۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ
اور نہ بناؤ اپنی قسموں کو دھوکا اپنے درمیان ورنہ پھسل جائے گا قدم بعد پختگی کے اور
بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ
چکھو گے عذاب کو بوجہ اس کے جو روکا تم نے اللہ کے راستے سے اور تمہارے
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (۹۴) وَلَا تَشْتَرُوْا
لئے بڑا عذاب ہوگا اور نہ لو اللہ کے
بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ
عہد کے بدلہ میں چند ٹکے سوائے اس کے نہیں کہ جو اللہ کے پاس ہے

نتیجہ۔ یعنی ایسے شخص کو قناعت و صبر کی پاکیزہ زندگی بخشیں گے۔

حکم استعاذہ

اِذَا قَرَاْتَ۔ اس مقام پر نحوی قواعد کی رو سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ فا کا استعمال عطف اور
ترتیب کے لئے ہوتا ہے تو اس مقام پر قرأت قرآن پر فاستعذ کا عطف اس امر کو ثابت کرتا ہے
کہ پہلے قرآن پڑھ لیا جائے اور بعد میں بلافاصلہ اعوذ باللہ پڑھا جائے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ پہلے استعاذہ ہونا چاہیے اور بعد
میں قرأت قرآن ہونی چاہیے۔ پس اس کا حل یہ ہے کہ اس جگہ قرأت سے مراد ارادۂ قرأت ہے یعنی جب قرأت قرآن

کا ارادہ کرو تو استعاذہ کر کے قرأت کو شروع کرو۔ جس طرح قرآن مجید میں دوسرے مقام پر ہے اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ۔ الخ۔ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ جب نماز کا ارادہ کرو تو پہلے وضو کرو۔ نیز محاورۂ عام میں کہا جاتا ہے اِذَا اَکَلْتَ فَاغْسِلْ یَدَیْکَ۔ یعنی جب کھانا چاہو تو ہاتھ دھو لو۔ وغیرہ

فَاسْتَعِذْ۔ اس کی صورت یہ ہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ یا یوں کہہ دیا جائے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ اور اس پر امت کا اجماع ہے کہ نماز یا غیر نماز میں قرأت سے پہلے اس کا پڑھنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ پس اس مقام پر امر استحباب کے لئے ہے۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُہٗ (۲۴۵): تفسیر اہل بیت میں ہے کہ شیطن مومن کے بدن پر مسلّط ہوتا ہے لیکن ان کے ایمان پر مسلّط نہیں ہو سکتا اور غیروں کے بدن اور ایمان وہ نور پر مسلّط ہوتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام سے مروی ہے کہ شیطان مومن کو ولایت سے نہیں ہٹا سکتا۔ باقی گناہوں میں اس کو مبتلا کر سکتا ہے جس طرح کہ غیروں کو کر سکتا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ

وہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم جانو   جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہوگا اور

مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا

جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور ہم جزا دیں گے ان کو جو صابر ہیں اپنے

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ

اجر کی بہتر اس سے جو عمل کرتے تھے   جو عمل کرے

عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اچھا مرد ہو یا عورت اور وہ مومن بھی ہو تو ہم اس

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ

کو پاکیزہ زندگی بخشیں گے اور اس کو جزا دیں گے ان کے

بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ

اجر کی بہتر اس سے جو وہ عمل کرتے تھے   پس جب پڑھو قرآن کو تو پناہ

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ

مانگو ساتھ اللہ کے شیطان سے جو رجیم ہے تحقیق نہیں ہے

لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

اس کا غلبہ ان لوگوں پر جو ایمان لائیں اور اللہ پر توکل کریں

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَی الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِکُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

سوائے اس کے نہیں اس کا غلبہ ان پر ہے جو اس سے محبت کریں اور جو اسکی بدولت شرک کریں

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّکَانَ اٰیَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا

اور جب ہم تبدیل کریں آیت کو آیت کے بدلے میں اور اللہ ہی جانتا ہے جو اتارتا ہے تو کہتے ہیں

اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ

کہ تو افترا کرتا ہے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں جانتے کہہ دیجے

نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّکَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ

اس کو اُتارا ہے روح القدس نے تیرے رب کی طرف سے ساتھ حق کے تاکہ ثابت کرے اُن

اٰمَنُوْا وَهُدًی وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ

کو جو ایمان لائیں اور ہدایت و خوشخبری ہے مسلمانوں کے لئے اور تحقیق ہم جانتے ہیں

اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ

وہ کہتے ہیں کہ اس کو سکھاتا ہے ایک آدمی وہ جس کی طرف نسبت دیتے

رکوع نمبر۲

وَاِذَا بَدَّلْنَآ ۔ یعنی جب کوئی آیت مصلحت وقت کے ماتحت منسوخ ہو اور اُس کی جگہ دوسری آئے تو کفار و مشرکین کہنے لگ جاتے ہیں کہ یہ خود بناتا ہے اور اللہ کی طرف منسوب کرتا ہے ورنہ اگر خدا نازل کرتا تو یہ ردوبدل نہ ہوتی۔

واللہ اعلم ۔ درمیان میں جملہ معترضہ ہے یعنی آیات اتارنے اور آیات کے منسوخ کرنے یا تبدیل کرنے کی مصلحتوں کو وہ خود جانتا ہے۔

اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ ۔ اہل مکہ کہتے تھے کہ اس کو ایک آدمی سکھاتا ہے اور یہ بنا بنا کر آیتوں کی شکل میں پیش کرتا ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھا (۱) بعض کہتے تھے کہ سلمان فارسی اس کو گذشتہ واقعات بتاتا ہے (۲) قریش میں ایک رومی نصرانی بلعام نامی لوہار تھا۔ کہتے تھے کہ وہ آپ کو واقعات بتاتا ہے (۳) بعض کے نزدیک رومی غلام تھا جس کا نام یعیش یا عائش تھا جو اہل کتاب میں سے اسلام لایا تھا اور بہترین مسلمان تھا (۴) عین التمر کے دو نصرانی نوجوان تھے ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام خیر تھا صیقل کا کام کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ حضور کو اپنی زبان میں ایک کتاب سنایا کرتے ہیں۔

لسانہ الّذی - خداوند کریم ان کی تردید فرماتا ہے کہ جس کے متعلق یہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضور کو سکھاتا ہے وہ خود تو عربی صحیح بول نہیں سکتا پس آپ کو کیسے سکھاتا ہے حالانکہ قرآن مجید عربی فصیح میں ہے۔

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۳﴾ اِنَّ

زبان عجمی ہے اور یہ زبان عربی فصیح ہے تحقیق

الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ

جو لوگ نہیں ایمان لاتے اللہ کی آیات پر نہ ہدایت کرے گا ان کو اللہ اور ان

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا

کے لئے دردناک عذاب ہوگا سوائے اس کے نہیں کہ جھوٹا افترا باندھتے ہیں وہ جو نہیں

يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

ایمان لاتے اللہ کی آیات پر اور وہی جھوٹے ہیں

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ

جو کفر کرے اللہ کا بعد ایمان لانے کے سوائے ان کے جن کو مجبور کیا گیا درحالیکہ

قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ

ان کا دل ایمان سے مطمئن تھا لیکن جو کھلا کر دے کفر کے لئے اپنے سینہ کو تو ان

صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ

پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب

يُلْحِدُوْنَ - الحاد کا معنی ہے مائل کرنا اور یہاں مراد ہے نسبت دینا یعنی جس کی طرف نسبت دیتے ہیں۔

اَعْجَمِيٌّ - عجمی اس کو کہتے ہیں جو عرب کا رہنے والا نہ ہو اور اعجمی وہ ہے جو فصیح عربی نہ بول سکتا ہو پس اس مقام پر عجمی نہ کہا کیونکہ بعض عجمی فصیح عربی بول سکتے ہوں مثلاً سیبویہ عجمی تھا لیکن لغت عربی فصیح کا ماہر تھا جیسے کہ امام النحو ہوا (مجمع البیان)

مَنْ كَفَرَ - اصل میں تقدیر عبارت یہ ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ وَشَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ الخ - یعنی جس نے اللہ کا کفر کیا اور مرتد ہو گیا اور جس کا دل کفر کے لئے کشادہ ہوا یعنی بدل و جان اس نے کفر کو قبول کیا تو غضب پروردگار میں آ گئے

بیان تقیہ اور عمار کا واقعہ | اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ - مروی ہے کہ عمار اور اس کا ماں باپ یاسر اور سمیہ اور

صہیب بلال اور خباب کو کفار مکہ نے اذیت پہنچائی۔ چنانچہ عمار کے ماں باپ شہید کر دئے گئے اور یہ اسلام کے پہلے
شہید ہیں عمار نے تشدد کے خوف سے کلمات کفر زبان پر جاری کر لئے لوگوں نے حضورؐ سے عمار کے مرتد ہونے کی شکایت کی آپ نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اور میں جانتا ہوں کہ عمار کا دل ایمان سے سرشار ہے اور ایڑی سے چوٹی تک اس کا پورا وجود ایمان سے پر ہے اور اس کے گوشت و خون میں بھی ایمان رچا ہوا ہے اتنے میں عمار بھی پہنچ گیا اور روتا ہوا بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ کیا گذری ہے؟ عمار نے عرض کی کہ بری گذری ہے میرے آقا! میں نے تو آپ کے حق میں ناشائستہ الفاظ مجبوراً زبان سے جاری کئے اور میں نے بادل ناخواستہ ان کے خداؤں کو بھی اچھے الفاظ سے یاد کیا حضورؐ عمار کی باتیں بھی سنتے تھے اور

عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ
ہے یہ اس لئے کہ انہوں نے پسند کر لیا دنیاوی زندگی کو آخرت پر اور تحقیق
الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
اللہ کافر لوگوں کو ہدایت پر مجبور نہیں
الْكٰفِرِينَ ﴿١٠٧﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوبِهِمْ
کرتا وہ لوگ ہیں کہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں،
وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿١٠٨﴾
کانوں اور آنکھوں پر اور وہ غافل ہیں
لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٠٩﴾ ثُمَّ
بے شک وہ ہی آخرت میں خسارہ پانے والے ہوں گے پھر
إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ
تحقیق تیرا رب ان کے لئے جنہوں نے ہجرت کی بعد مصیبت پڑنے کے پھر
جٰهَدُوا وَصَبَرُوٓا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ
جہاد کیا اور صبر سے کام لیا تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان
رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا
ہے جس دن آئے گا ہر نفس کہ جھگڑا کرے گا اپنے متعلق
وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾
اور پورا دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے عمل کیا اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے

اس کی بہتی ہوئی آنسوؤں کو اپنے رومال سے پونچھتے جاتے تھے پس آپ نے فرمایا کہ اگر پھر بھی ایسا اتفاق بن جائے تو ایسے الفاظ کہہ دینا یعنی دل میں ایمان کو محفوظ رکھ کے زبان سے تقیہ کر لینا۔ اسی جلد میں تقیہ کا بیان سورہ یوسف کی آیت کے ذیل میں جب پر گزر چکا ہے۔

طَبَعَ اللّٰهُ۔ اس کی تفسیر دوسری جلد میں گزر چکی ہے۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور بیان کرتا ہے اللہ مثال بستی کی جو باامن مطمئن تھی ان کو اپنا رزق کشادہ

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ

ملتا تھا ہر جگہ سے پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا کفر کیا

اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا

تو چکھایا ان کو بھوک اور خوف کا مزہ بوجہ اس کے

يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ

جو کرتے تھے اور تحقیق ان کے پاس آیا رسول انہی سے تو اس کو جھٹلایا

فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا

پس پکڑ لیا ان کو عذاب نے کہ وہ ظالم تھے پس کھاؤ اس سے جو

اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا۔ کہتے ہیں عیاش بن ابی ربیعہ اور ابوجندل بن سہیل نے کفار کے ڈر سے کلمات کفر زبان پر جاری کئے پھر ہجرت کر کے مدینہ پہنچے اور جہاد اسلام میں شریک ہوئے اُن کے حق میں یہ آیت اتری ہے

رکوع نمبر ۲۱

تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی اپنے نفس سے دفاع کی خاطر ہر نفس کا تبینِ اعمال ملائکہ سے جھگڑا کرے گا اور قسمیں اُٹھا اُٹھا کر کہے گا کہ میں نے شرک یا کفر نہیں کیا تھا یا یہ کہ مجادلہ کا معنی عذر داری ہو یعنی اپنے نفس کو بچانے کے لئے عذر پیش کرے گا۔

ضَرَبَ اللّٰهُ۔ بعضوں نے کہا ہے کہ اس بستی سے مراد مکہ ہے کہ خوشحالی کے بعد سات سال تک خدا نے ان کو قحط کے عذاب میں مبتلا کیا حتیٰ کہ چمڑے اور خون سے بھری ہوئی اون بھی کھا گئے اور بھوک کے عذاب کے ساتھ ساتھ ان کو مسلمانوں کی لوٹ مار کا خوف بھی تھا اور اس بھوک اور خوف کے عذاب کا اثر جسمانی کمزوری و بدحالی تھا جس کو لباس سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ عذاب حضرت رسالت مآبؐ کی بددعا سے ان پر نازل ہوا۔ تفسیر صافی میں قمی سے

منقول ہے کہ یہ بستی ایک نہر کے کنارے پر نہایت سرسبز و شاداب تھی تو ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہوئے آٹے سے استنجا کرنا شروع کر دیا پس خدا نے نہر کو خشک کر دیا اور ان پر قحط مسلط ہو گیا حتٰے کہ وہی استنجا کردہ روٹی کے ٹکڑے ان کو کھانے پڑے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد رومال سے ہاتھ صاف کرنا ناپسند کرتے تھے جب کہ اس میں کچھ کھانا لگا ہوا ہو جب تک اس کو پہلے چوس نہ لیتے تھے اور فرماتے تھے میں دسترخوان سے گرے ہوئے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ریزوں کو تلاش کرتا ہوں تو میرے غلام ہنستے ہیں آپ نے فرمایا گذشتہ زمانہ میں ایک خوش حال بستی کے بسنے والوں نے طعام کی بے حرمتی کی تھی وہ کہتے تھے ڈھیلوں کی بہ نسبت روٹی کے ٹکڑوں سے استنجا کرنا ہمارے لئے آسان ہے پس خدا نے ٹڈی جیسی ایک مخلوق بھیج دی جس نے ان کے فصلات تباہ کر دیے، اور درختوں تک کو صاف کر گئی حتٰے کہ ان لوگوں کو وہی استنجا کردہ روٹی کے ٹکڑے بھی کھانے پڑ گئے، اور قرآن مجید میں خدا نے انہی کی مثال بیان فرمائی ہے۔

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

تم کو اللہ نے رزق دیا حلال و پاکیزہ اور شکر کرو اللہ کی نعمت کا اگر تم اسی کی

اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ

عبادت کرتے ہو سوائے اس کے نہیں کہ اس نے حرام کیا تم پر مردار خون

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

اور سور کا گوشت اور جس پر نام لیا جائے غیر اللہ کا پس جو

تفسیر برہان میں بروایت کلینی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں کھانا کھانے کے بعد سالن سے اپنی انگلیوں کو بھی چاٹ لیا کرتا ہوں حتٰے کہ مجھے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں ہمسایہ اس بات کو حرص پر محمول کرے حالانکہ بات یہ نہیں ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ گذشتہ زمانہ میں ایک قوم تھی جو نہری آبادی رکھتے تھے خدا کا ان پر بڑا فضل و کرم تھا پس انہوں نے نعمت خداوندی کی بے قدری کی حتٰے کہ روٹی کے ٹکڑوں سے بچوں کا استنجا کر کے پھینک دیتے تھے یہاں تک کہ روٹی کے ٹکڑوں کا بڑا ڈھیر جمع ہو گیا، ایک نیک مرد کا وہاں سے گذر ہوا اس نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے بچہ کا استنجا روٹی کے ٹکڑے سے کر رہی تھی اس نے وعظ و نصیحت کی اور اس کو اللہ کی نعمت کی توہین سے باز آنے کی تلقین کی اور اس صورت میں اس نعمت کے چھن جانے کا احساس دلایا تو وہ یہ سن کر کہنے لگی تو ہم کو بھوک سے ڈراتا ہے جب تک یہ ہماری نہر اتر نہ جائے، جاری ہے ہمیں بھوک کا قطعاً کوئی خطرہ ہی نہیں، پس دریائے غضب پروردگار جوش میں آیا اور عذاب کا عقاب ان کے سروں پر پھڑپھڑانے اور منڈلانے لگا وہ نہر

بقدرتِ خدا خشک ہوئی آسمان سے مینہ نہ برسا اور زمین خشک سالی کی زد میں آگئی۔ پس وہ لوگ آخرکار استنجا کردہ روٹی کے ڈھیر کی طرف محتاج ہوئے اور نتیجہ یہ ہوا وہی روٹی ترازو کے ذریعہ سے تل کر اپنے اپنے حقوق کے مطابق تقسیم ہونے لگی اور میں نے ایک روایت میں کہیں دیکھا ہے کہ امام حسین علیہ السّلام کے ایک غلام نے نجاست میں پڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو پاک وصاف کرکے کھالیا تو امام نے اس کو آزاد کر دیا اور فرمایا جو شخص اللہ کی نعمت کی قدر کرے اس کو خدا دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے میں کیوں نہ اس کو غلامی سے آزاد کروں۔

اِنَّمَا حَرَّمَ ۔ اس کی تفسیر جلد ۵ میں گذر چکی ہے۔

غَیْرَ بَاغٍ ۔ اس کی وضاحت تفسیر کی دوسری جلد صفحہ ۲۵ پر گذر چکی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا ۔ یعنی تمہاری بدلگام زبانیں بلادلیل اگر کسی شئی کو حلال یا حرام کہتی ہیں تو اس کو اللہ پر افترا کرتے ہوئے حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو۔

حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا :۔ یہودیوں پر مبلینہ حرام چیزوں کا تذکرہ سورہ انعام کی تفسیر یعنی ج ۵ صفحہ ۲۶ میں ملاحظہ فرمائیے۔

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

مجبور ہو جائے نہ بغاوت کرنے والا اور نہ ظلم کرنے والا ہو پس تحقیق اللہ غفور رحیم ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ

اور نہ کہو اس کو جسے تمہاری زبانیں جھوٹ کا لباس دیتی ہیں کہ یہ حلال ہے

وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ

اور وہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹا افترا باندھو تحقیق وہ لوگ جو افترا باندھتے

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ

ہیں اللہ پر جھوٹا نہ چھٹکارا پائیں گے نفع تھوڑا ہے اور

وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا

ان کا عذاب دردناک ہے اور ان پر جو یہودی تھے ہم نے حرام کیا

مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

وہ جو تجھ پر بیان کر دیا اس سے پہلے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ

كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے پھر تحقیق تیرا رب ان لوگوں کے لئے

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ۔ اور بعض چیزوں کا ان پر حرام کرنا ان کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر تھا وہ ہمارا ظلم نہیں بلکہ ان کے

اپنے ظلم کی پیداوار تھی۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ ۔ معنی یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نیکی کے قائد و معلّم تھے یا امام و ہادی تھے ان کو اُمّت اس لئے کہا گیا ہے کہ اُمّت کا شیرازہ ان کے ذریعے سے قائم تھا پس

رکوع نمبر ۲۲

عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ

جنہوں نے جہالت سے برا کام کیا پھر توبہ کی اس کے بعد اور نیکی

وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

کی تحقیق تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ

تحقیق ابراہیم (لوگوں کا) امام اللہ کا اطاعت گذار اور ثابت قدم تھا اور نہ تھا

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ

مشرکوں میں سے شکر گذار تھا اس کی نعمتوں کا اس کو اللہ

وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا

نے چن لیا اور ہدایت کی سیدھے راستے کی اور ہم نے دی اس کو دنیا

حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

میں نعمت اور تحقیق وہ آخرت میں منزل صالحین میں ہوں گے

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ

پھر ہم نے وحی کی تیری طرف کہ اتباع کر ملت ابراہیم کی کہ وہ ثابت قدم تھا اور

مجاز مرسل کے طور پر مسبب پر مسبب کے نام کا اطلاق ہوا یا اس لئے کہ وہ اپنے زمانہ کے واحد موحد تھے پس وہ ایک مستقل اُمّت تھے کفار کے مقابلہ میں۔

حَنِيْفًا ۔ اسلام پر ثابت قدم اور ادیانِ باطلہ سے یکسو

حَسَنَةً :۔ مطلق نعمت یا نعمتِ نبوّت و رسالت اور ابراہیمؑ کا یہ شرف مخصوص ہے کہ تمام مذاہب والے ان کو اپنا قائد و پیشرو سمجھتے ہیں اور جملہ کتب سماویہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَا :۔ یہاں سوال ہوتا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ جب سید الانبیاء ہیں تو ان کو ابراہیم کی ملت کی اتباع کا حکم دینا گویا افضل کو مفضول کی اطاعت کی طرف بلانے کا حکم ہے جو یقیناً نازیبا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اتباع اس لئے ہے کہ وہ پہلے گذر چکے ہیں اور بعد میں آنے والا گذر جانے والے کے پیچھے ہوا کرتا ہے پس اس جگہ اتباع اطاعت کے معنی میں

نہیں تاکہ اشکال وارد ہو۔

اختلفوا :- اختلاف کے متعلق کئی وجوہ بیان کئے گئے ہیں (۱) ان کو بروز سینچر شکار کرنے سے روکا گیا تھا۔ پس وہ جمعہ کے روز جال لگا لیتے تھے اور سینچر کو اس میں مچھلیاں پھنس جاتی تھیں جن کو وہ اتوار کو نکال لیا کرتے تھے (۲) ان کو پہلے پہل جمعہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا پس اس میں انہوں نے اختلاف کیا تو ان پر سینچر کی تعظیم کا حکم اترا۔ اس قصہ کی تفصیل سورہ اعراف میں گذر چکی ہے۔ تفسیر الانوار النجف ج ۸ ص ۱۷۱۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ

نہ تھا مشرکوں میں سے سوائے اس کے نہیں کہ مقرر کیا گیا

عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ

سینچر کا دن ان پر جنہوں نے اس میں اختلاف کیا اور تحقیق تیرا رب حکم کرے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾

ان کے درمیان بروز قیامت اس چیز کے بارے میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ

بلاؤ طرف راہ خدا کے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ

الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ

اور ان سے بحث کرو اچھے طریقہ سے تحقیق تیرا رب

هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ

خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستہ سے گمراہ ہو اور وہ خوب جانتا ہے

طریق تبلیغ

بالحکمۃ :- جن لوگوں کو تبلیغ کی جائے ان کے مراتب کا خیال رکھنا اور ہر ایک سے اُس کے مزاج اور شان کے مطابق بات کرنا زیادہ موزوں اور موثر ہوا کرتا ہے۔ پس عالم کے ساتھ عالمانہ طرز پر گفتگو اور جاہل کے ساتھ اس کے مزاج کے مطابق بات زیادہ فائدہ مند ہے اور اسی بنا پر کہا گیا ہے **كَلِّمُوا النَّاسَ عَلَىٰ قَدْرِ عُقُولِهِمْ** - یعنی لوگوں سے ان کے عقول و اذہان کے مطابق بات کیا کرو۔ خداوند کریم نے اس آیت مجیدہ میں اسی طرز تبلیغ کی طرف راہنمائی فرمائی ہے۔ چونکہ لوگوں کے ذہن و عقل کے اعتبار سے اور منصف و مجادل ہونے کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں۔ ایک ذہین اور اہل فہم و دانش طبقہ پس ان

بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا

ہدایت پانے والوں کو اور اگر انتقامی کاروائی کرو تو اتنی کرو جتنی تمہارے ساتھ

عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

کی گئی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے زیادہ بہتر ہے

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

اور صبر کر اور نہیں ہوگا تیرا صبر مگر اللہ کی توفیق سے اور نہ غم کھا ان پر

وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

اور نہ تنگ دل ہو اس سے جو وہ مکر کرتے ہیں تحقیق اللہ

مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کریں اور جو احسان کرنے والے ہوں

سے حکمت کی گفتگو کی جائے یعنی دلائل ساطعہ اور براہین واضحہ سے اُن کے شکوک و شبہات کا قلع قمع کیا جائے اور قرآن مجید کی روشنی میں ان کو دین اسلام کے اصولوں سے روشناس کرایا جائے۔ پھر دوسری قسم منصف مزاج عوام کی ہے ان کو مواعظ حسنہ مثالیں اور نیک لوگوں کے اچھے انجام اور برائیوں کے بدنتائج سمجھائے جائیں اور پیار و محبت کے لہجہ میں ان سے گفتگو کی جائے۔ تیسری قسم ہے مناظر طبع جھگڑالو لوگوں کی تو ان سے بحث اچھے اور سلجھے ہوئے طریقہ سے کی جائے اوچھاپن نہ ہو بلکہ متانت و دیانت کو ہی صداقت کا مسلم اصول سمجھنا چاہیے۔ ضدی لوگ اگرچہ نہ مانیں لیکن منصف مزاج طبقہ حق کے دامن سے وابستہ ہو جایا کرتا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ۔ جنگ احد میں جب حضرت حمزہ کی لاش کا مثلہ کیا گیا تو طیش میں آکر مسلمانوں میں سے بعض نے کہا اگر ہم کو موقعہ ملا تو ہم ان کے زندہ آدمیوں کی یہی حالت کریں گے جو انہوں نے مرنے کے بعد حمزہ کی لاش سے کی ہے۔ یا یہ کہ ایک کی بجائے ستر آدمیوں کا مثلہ کریں گے تو یہ آیت اُتری پس جناب رسالت مآبؐ نے فرمایا۔ میں نے صبر کو اختیار کیا ہے۔

maablib.org

پارہ ۱۵

MAAB 1431
maablib.org

سورہ بنی اسرائیل

○ اس کی آیات کی تعداد ایک سو گیارہ ہے۔
بعض کے نزدیک پورا سورہ مکیہ ہے اور بعض کے نزدیک پانچ یا آٹھ آیتوں کے علاوہ باقی سورہ مکیّہ ہے۔

(۱) بروایت ابی بن کعب جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ جو شخص سورہ بنی اسرائیل کی تلاوت کرے اور والدین کے ذکر سے اس کا دل نرم ہو جائے تو جنّت میں اس کو دو قنطار اجر دیا جائے گا اور ایک قنطار بارہ سو وقیہ کا ہو گا جب کہ ایک ایک وقیہ پوری روئے زمین اور اس کی جملہ آبادی سے بہتر ہو گا۔

(۲) امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے جو شخص سورۂ بنی اسرائیل کو ہر شب جمعہ پڑھے تو وہ حضرت قائمؑ علیہ السّلام کی زیارت کر کے مرے گا اور آپ کے اصحاب میں سے ہو گا۔

(۳) تفسیر برہان میں امام جعفر صادق علیہ السّلام سے منقول ہے کہ جو شخص سبز ریشمی پارچہ پر اس کو لکھ کر تعویذ کرے تو اس کا نشانہ خطا نہ ہو گا اور اگر چھوٹا بچّہ کلام نہ کر سکتا ہو تو اس سورہ کو زعفران سے لکھ کر دھو کر بچّہ کو پلایا جائے تو بحکم پروردگار اس کی زبان کھل جائے گی اور بچہ بولنے لگے گا۔

(۴) تفسیر صافی میں منقول ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اس سورہ مجیدہ کی آخری دو آیتیں قُلِ ادْعُوا اللّٰہ سے آخر تک چوری کے لئے باعث امان ہے۔

(۵) اس سورہ کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے کیوں کہ اس میں بنی اسرائیل کا اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور اس کا دوسرا نام سورۂ اسراء بھی ہے اور اسراء کا معنی ہے لے جانا چونکہ اس کی ابتداء حضورؐ کو معراج پر لے جانے کے ذکر سے کی گئی ہے اس لئے اس کا نام سورہ اسراء رکھا گیا ہے۔

○

ذکرِ معراج

چونکہ پارہ ۱۵ اور سورہ بنی اسرائیل کی ابتداء ذکرِ معراج سے ہو رہی ہے لہذا مناسب ہے کہ معراج کے بعض پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے مثلاً کیا معراج ممکن ہے یا نہیں مسجد اقصےٰ کا مفہوم کیا ہے جسمانی معراج تھا یا فقط روحانی آپ کیسے گئے کیا کیا دیکھا کیا باتیں ہوئیں اور کیا حضرت علیؑ بھی شریکِ معراج تھے؟ وغیرہ۔

امکانِ معراج

ایک وقت تھا جب کہ علمائے ہیئت نے خرق و التیام کے مسئلہ کو آسمان پر چڑھایا ہوا تھا خدا معلوم یہ مسئلہ کب سے چلا اور اس کی ضرورت کیوں پیش آئی کس نے اس مفروضہ کو گھڑا اور کیوں گھڑا بہر کیف بڑے زور شور سے اس مسئلہ نے کتبِ علم ہیئت میں اپنا مقام پیدا کیا اور علم حکمت کی فلکیات کی ابحاث میں یہ مسئلہ معرکۃ الآرا قرار پایا چنانچہ متاخرین آنکھیں بند کر کے متقدمین کے اس مفروضہ کو اُصولِ مسلّمہ کی طرح مانتے چلے آئے نہ کسی نے اس دعویٰ کے خلاف احتجاج کیا اور نہ کسی کو اس کی مروّجہ ادلّہ میں قدغن کی جرأت ہوئی پس حضرت رسالت مآبؐ کے امکانِ معراج کے راستہ میں یہ مسئلہ کوہ گراں بن کر ہر دَور کے علماء اسلام کے افکار و انظار کو چیلنج کرتا رہا چنانچہ بہت سوں کے ہاتھ سے دامنِ حق چھوٹ گیا اور معراج کا انکار کر بیٹھے اور جو اقرار پر ڈٹے رہے وہ معراجِ روحانی کی حد سے آگے نہ بڑھ سکے البتہ تھوڑے اللہ کے بندے تھے جنہوں نے باطل کی غوغا آرائیوں پر کان دھرے بغیر آوازِ قدرت پر لبیک کہی اور ہر قسم کی موشگافیوں سے بے نیاز ہو کر صدائے وحدت کو من و عن تسلیم کرتے ہوئے عرفان و ایقان کی منازل کی طرف آگے بڑھے، کیونکہ جب اللہ ہر شے پر قادر ہے تو وہ جب چاہے جس طرح چاہے جہاں جہاں چاہے اپنے کسی بندے کو سیر کرا سکتا ہے، مخلوق و مصنوع کا کوئی فرد کسی وقت اس کی قدرت و مشیّت کے آگے حائل نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن مجید میں اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ، کا فقرہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ از خود نہیں گئے بلکہ اللہ ان کو لے گیا پس جب وہ لے گیا تو اس کے لئے سب کچھ ممکن ہے۔

سائنس کے اس دَور میں جو علم ہیئت کے سابقہ مفروضے کے جھوٹ کی قلعی کھلی تو آسمانوں میں خرق والتیام کے محال جاننے والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں جب دیکھا کہ ترقی یافتہ ممالک نے سائنسی آلات کے ذریعے ارضی مواد سے طاقت حاصل کر کے آسمانوں کی بلندیوں کو سر کرنے کا پروگرام مرتب کر لیا ہے۔ اور آئے دن چاند اور دیگر سیارات پر ڈیرہ ڈالنے اور قبضہ جمانے کی خاطر راکٹوں کا بے پناہ سلسلہ قائم ہونے کی خبریں شائع ہونے لگی ہیں جن کو کوئی ذی ہوش ٹھکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حتّٰے کہ چاند کی سطح کی تصویریں اتاری جا رہی ہیں اس پر آبادی کے امکانات پر رائے زنی ہو رہی ہے، طاقتور حکومتیں اس پر اپنا پرچم لہرانے کے لئے بے تاب ہیں اور وہاں تک پہنچنے کے لئے فضائی اڈوں کی تجاویز بھی زیرِ غور ہیں تو ان پیش آمدہ حالات کے ماتحت جب کہ مسئلہ خرق والتیام ایک افسردہ خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور مادی قوتوں سے استفادہ کرنے والوں نے جب آسمانوں کی تسخیر اور ان کی سیر کو صرف ممکن نہیں بلکہ قریب الوقوع قرار دے دیا ہے تو وہ ذات جو مقصودِ کائنات ہو جس نے زمین پر بیٹھے ہوئے چاند سے اپنی نبوت کی گواہی طلب کر لی ہو۔ اور اس نے دو ٹکڑے ہو کر اپنے مسخر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کی ہو اور وہ ذات جو قوتِ روحانیہ میں تمام روحانیوں سے اشرف و اعلیٰ حیثیت کی حامل ہو حتّٰی کہ سید الملائکہ

حضرت جبریل جس کا ادنیٰ غلام ہو اس کے لئے آسمانی بلندیوں کا سر کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے اور پھر جب بلانے والا اور لے جانے والا اللہ ہو تو کس کی مجال ہے کہ اس کو ناممکن کہہ سکے؟

معراج جسمانی

اس حد تک تو تمام اہل اسلام بلا تفریق مذاہب متفق ہیں کہ حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے اور ہمارے نزدیک معراج کا عقیدہ ضروریاتِ مذہب سے ہے چنانچہ اس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے اور حضورؐ سے ایک روایت منقول ہے جس میں ارشاد ہے کہ جو معراج کا انکار کرے وہ میری اُمت سے خارج ہے۔ جو لوگ فلاسفۂ یونان اور قدیم ہیئت دانوں کے بے سر و پا مزخرفات پر اندھا دھند ایمان لائے انہوں نے جہاں ان کی دوسری بے تکی باتوں کے سامنے سر تسلیم خم کیا وہاں آسمانوں کے خرق والتیام کو ناممکن کہتے ہوئے معراج جسمانی کے انکار کی جسارت بھی کرنے لگے۔ اس بارہ میں نہ اُن کے کان آیات خداوندی سے متاثر ہوئے اور نہ فرمان پیغمبر ان کو مطمئن کر سکا۔ جس طرح آج کل کے گرویدۂ مغرب میں تربیت یافتہ عقیم العقل لوگوں کا وتیرہ ہے بلکہ ہر وہ انسان جس کا ذہن و دماغ احکام شرعیہ اور حدودِ دینیہ سے باغی ہو وہ دین کے ہر مسئلہ کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اُسے بار بار کریدتا ہے تاکہ کسی صورت میں اس سے گلو خلاصی ہو جائے اور اس طرزِ عمل کو وہ اپنی روشن دماغی تصور کرتے ہوئے تحقیق و تدقیق سے تعبیر کرتا ہے اور اس قسم کے بال کی کھال اتارنے والے جہاں علماء کے لئے مستقل دردِ سر بنتے ہیں وہاں عوام کے لئے شرعی احکام سے بغاوت کی داغ بیل ڈال لینے کے موجب ہوتے ہیں اور نہ معلوم ان کا ناقد دماغ جہاں ہر مسئلہ شرعیہ کو ہدف تنقید بنانے کی جسارت کرتا ہے وہاں اہل مغرب کے اقوال و اعمال کو یکسر آنکھیں بند کر کے کیوں قابل تسلیم قرار دیتا ہے۔ ان کے نزدیک پیغمبر کا قول اہل مغرب کی تصدیق کا محتاج ہے لیکن اہل مغرب کا کوئی قول پیغمبر کے فرمان کی موافقت یا مطابقت کا محتاج نہیں حتیٰ کہ آج کل سائنسی دور کی تحقیقات نے جب مسئلہ خرق والتیام کو عملاً ایک فرسودہ و بیہودہ خیال ثابت کر دیا اور امکانِ معراج نئی روشنی میں محتاجِ بیان نہ رہا تاہم ثبوت معراج میں مغرب زدہ اذہان کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ وہ چاند پر راکٹ اترنے کی خبروں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے اور ان کو تسلیم کرتے ہیں حتیٰ کہ دلیل طلب کرنے والے کو تاریک دماغ اور قدامت پسند قرار دیتے ہیں لیکن معراج رسول کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور اس کو بعید از عقل کہنے میں ذرہ بھر توقف نہیں کرتے۔

اہل اسلام میں معراج کے متعلق تین خیال پہلے سے اب تک ہیں۔ پیغمبر اسلام اور اسلام کی قدروں سے ناواقف لوگ دشمنانِ اسلام کی تنقیدات سے مرعوب ہو کر معراج کو خواب کہتے رہے اور جنہوں نے اس کو خواب کی حقیقت سے آگے بڑھایا وہ اسے معراج روحانی کہہ کر آگے نہ بڑھ سکے اور مذہب شیعہ کا صحیح عقیدہ یہ ہے کہ معراج جسمانی حضرت پیغمبرؐ کو نصیب ہوا اور آپ کی خصوصیات میں سے ہے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں فرمایا ہے کہ جو لوگ اس کو نیند کا واقعہ بتاتے ہیں سراسر غلط ہے کیونکہ ایسی صورت میں نہ معجزہ رہتا ہے اور نہ اس پر کوئی دلیل ناطق ہے اور معراج کے متعلق ہمارے ہاں متعدد روایات موجود ہیں کہ حضورؐ آسمانوں پر

تشریف لے گئے اور بہت سے صحابہ ان کے راوی ہیں مثلاً ابن عباس - ابن مسعود - انس - جابر بن عبداللہ - حذیفہ - عائشہ اور امّ ہانی وغیرہ البتہ ان میں الفاظ کی کمی و بیشی ضرور ہے اور ہم ان کو چار قسموں پر تقسیم کرتے ہیں۔

(۱) ایک وہ حدیثیں ہیں جن کی صحت کا ہمیں علم ہے کیونکہ تواتر سے منقول ہیں اور وہ وہ ہیں جن میں حضور کا معراج پر جانا منقول ہے پس ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ خواب میں نہیں بلکہ بیداری کے عالم میں تشریف لے گئے۔

(۲) وہ حدیثیں جن کا مضمون عقلاً ممکن ہے اور اُصول بھی ان کو قبول کرتے ہیں مثلاً آسمانوں کی سیر انبیاء و ملائکہ کے ساتھ ملاقاتیں، عرش سدرۃ المنتہیٰ اور جنّت و نار وغیرہ کو دیکھنا۔

(۳) وہ حدیثیں جو ظاہراً اُصول سے ٹکراتی ہیں لیکن ان کی تاویل کی جاسکتی ہے مثلاً جنّتیوں کو جنّت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں دیکھنا ان میں اُصولی مخالفت یہ ہے کہ جو لوگ اُمّتِ محمدیہ میں ابھی پیدا نہیں ہوئے وہ قبل از وقت جنّت یا جہنم میں اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لئے کیسے پہنچ گئے؟ پس ان کی تاویل یہ ہے کہ حضورؐ کو ان کی مثالیں دکھائی گئیں یا ان کے نام و کام بتائے گئے

(۴) وہ حدیثیں جو ظاہراً صحیح نہیں اور نہ اُن کی تاویل کی جاسکتی ہے۔

پس ان کو ہم قبول نہیں کرتے مثلاً یہ کہ آپ نے اللہ کو دیکھا یا اُس کے ساتھ تخت پر بیٹھے یا آپ کے پیٹ کا اپریشن ہوا اور اس کو دھویا گیا وغیرہ۔ کیوں کہ خداوند کریم جسم و جسمانیات اور مخلوق کی تشبیہ سے بلند و بالا ہے اور حضورؐ ہر عیب و کثافت سے طاہر و مطہر پیدا ہوئے نیز دل کو عقیدہ کی کثافتوں سے پانی کے ساتھ دھونا غیر معقول بات ہے۔

براق کا حُلیہ

مغرب زدہ اسلام سے باغی اذہان کی تسکین اس میں ہوتی ہے کہ ہر بعید از عادت بات کو غلط کہہ کر اس کا انکار کر دیں وہ جدید تحقیقات کی روشنی میں سائنس کی خارقِ عادت مصنوعات کو آسانی سے مان سکتے ہیں لیکن خلاقِ کائنات کی خارقِ عادت تخلیق کو تسلیم کرتے ہوئے بھی جھجکتے ہیں۔ بلکہ تسلیم کرنے کو کورانہ تقلید سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ پیغمبروں کے جملہ معجزوں کا انکار اور ان کی رکیک تاویلیں اسی کور باطنی کا شاخسانہ ہیں۔ چنانچہ مرزا قادیانی نے مغربیت کی اسی روش سے فائدہ اُٹھا کر جدید اسلامی پود کو اپنے رنگ میں رنگنے کا کردار ادا کیا ہے اور تمام نبوی معجزوں کو اُس نے تمثیل قرار دے کر غیر پختہ اسلامی نونہالوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لیا ہے حالانکہ بغیر مادۂ موجودہ کے تخلیق کائنات پر قادرِ خدا جہاں بے حد و حساب مخلوق کو کتمِ عدم سے منصۂ شہود پر لا سکتا ہے اُس کی قدرت سے اس قسم کے جزوی تخلیقی کارنامے نہ بعید ہیں نہ مشکل۔ بنا بریں براق کا جو حلیہ کتبِ احادیث میں مرقوم و مسطور ہے اُس پر عقلی استبعاد کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

تفسیر مجمع البیان میں اس کا حُلیہ اس طرح ہے کہ گدھے سے بڑا خچر سے چھوٹا چہرہ انسان نما دم بیل کی گردن کے بال گھوڑے کی طرح اور پاؤں اُونٹ کی مانند تھے جنّت کی زین سے مزین تھا اُس کے پچھلے دو پٹھوں کے اوپر دو پَر تھے اور اس کے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ حدِ نگاہ تک تھا۔

تفسیر برہان میں امام رضا علیہ السّلام سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ خداوند کریم نے براق

کو میرے لئے مسخر فرمایا وہ جنت کے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا ہے نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا اگر خدا اس کو اذن دے تو ایک ہی دوڑ میں دنیا و آخرت کا احاطہ کرے اور وہ جنت کے تمام حیوانوں میں سے زیادہ خوبصورت ہے۔

بروایت روضۃ الواعظین جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہے کہ اس کا چہرہ انسان نما رخسار گھوڑے جیسے گردن کے بال موتیوں کی لڑیوں کی طرح کان زبرجد سبز جیسے اور آنکھیں چمکدار تاروں کی مانند مضبوط جسم اور ہاتھ پاؤں دراز ہیں آدمیوں کی طرح سانس لیتا ہے بات سنتا ہے اور سمجھتا ہے گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ہے (یعنی اس کا قدوقامت درمیانہ مناسب اور نہایت موزوں ہے)

اہل مکہ کا ردعمل

تفسیر برہان میں بروایت قمی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میں مکہ میں محو خواب تھا علی دائیں جعفر طیار بائیں اور حمزہ میرے پیش رو موجود تھے میں نے فرشتوں کے پروں کی آواز سنی ایک نے پوچھا کہ اے جبریل تو نے کس کے پاس جانا ہے تو اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کے پاس اور یہی تمام بنی آدم کا سردار ہے اور یہ اس کا وصی وزیر داماد اور خلیفہ ہے وہ اس کا چچا حمزہ ہے اور وہ اس کا چچا زاد بھائی جعفر طیار ہے جس کو دو نئے تازہ پر عطا ہوں گے اور ملائکہ کے ساتھ جنت میں پرواز کرے گا۔ اس نبی کی آنکھیں سوتی ہیں لیکن کان سنتے ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ انہوں نے ایک کہانی بیان کی کہ ایک بادشاہ ہے جس نے گھر بنوایا دستر خوان لگایا اور دعوت کے لئے قاصد بھیجا حضورؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا وہ بادشاہ اللہ ہے دنیا گھر ہے جنت اس کا دستر خوان ہے اور دعوت دینے والا میں ہوں۔ پس جبریل نے بڑھ کر براق حاضر کیا اور بیت المقدس تک سیر کرائی نبیوں کے محراب اور نشانیاں دکھائیں آپ نے نماز بھی ادا کی پھر راتوں رات واپس بھی پہنچے۔ واپسی پر قریش کے قافلہ کے پاس سے گذرے ان کے ایک برتن سے پانی پیا اور باقی پانی کو گرا دیا اور وہ اس وقت ایک گمشدہ اونٹ کو تلاش کر رہے تھے۔ آپ نے صبح ہوتے ہی قریش کو اپنے معراج کا قصہ سنایا تو ابوجہل نے کہا اب موقعہ ہے اس کے متعلق سوال کرو۔ چنانچہ انہوں نے پوچھنا شروع کیا۔ اے محمدؐ ہم میں سے بعض لوگ بیت المقدس دیکھ چکے ہیں ذرا بتائیے اس کے محراب کتنے ہیں۔ ستون کس قدر ہیں اور قندیلیں کتنی آویزاں ہیں؟ اتنے میں جبریل نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے موجود کر دیا اور آپ نے ان سب کو جواب باصواب دے دیا جب آپ نے ان کو قافلہ کی خبر سنائی تو کہنے لگے قافلہ آئے گا تو بات کی حقیقت کھل جائے گی آپ نے فرمایا وہ قافلہ فلاں تاریخ کی صبح طلوع آفتاب کے وقت پہنچے گا۔ اور سب سے آگے سرخ رنگ کا اونٹ ہو گا۔ چنانچہ سب قریش اس دن طلوع آفتاب سے پہلے انتظار میں شہر کے باہر جا کھڑے ہوئے پس ادھر سورج نے طلوع کیا اور ادھر قافلہ بھی آپہنچا اور آگے آگے سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ جب ان سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے بتایا کہ واقعی فلاں شب کو ہمارا اونٹ گم ہوا تھا اور فلاں مقام پر ہم نے پانی رکھا تھا جب صبح ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ اس برتن سے پانی گرایا جا چکا ہے۔ پس سننے اور یقین کرنے کے بد بجائے ایمان کے ان کی سرکشی میں اور اضافہ ہو گیا۔

تفسیر برہان کی ایک روایت میں ہے کہ آپ جاتے ہوئے ابوسفیان کے قافلے کے پاس سے گذرے شب تاریک

تھی۔ بارشدہ اونٹوں کے قریب سے گذرے تو براق کی سرسراہٹ سے اونٹ ڈر گئے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو آواز دے کر بلایا کہ او فلاں: دیکھ تو سبھی اونٹ ڈر گئے ہیں اور فلاں کا بھار گر چکا ہے اور اس کا اگلا پاؤں بھی ٹوٹ چکا ہے۔ چنانچہ واپس آنے پر ابوسفیان نے اس خبر کی تصدیق کی لیکن ضد اور ہٹ دھرمی پر پکے رہے اور مروی ہے کہ ان اونٹوں پر گندم لدی ہوئی تھی۔

تفسیر برہان میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ بروایت ابوسعید خدری جناب رسالتمآبؐ نے فرمایا کہ میں نے واپسی پر جبریل سے پوچھا کہ تیری کوئی خواہش ہو تو بتاؤ پس اس نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ اللہ کی جانب سے اور میری طرف سے خدیجہ کو سلام کہنا چنانچہ آپؐ نے سلام پہنچایا تو جناب خدیجہ نے جواب میں عرض کیا اِنَّ اللّٰہَ السَّلَامُ وَمِنْہُ السَّلَامُ وَاِلَیْہِ السَّلَامُ وَعَلٰی جِبْرَائِیْلَ السَّلَامُ۔

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ آپؐ نے جب اہل مکہ کے سامنے اپنا معراج بیان فرمایا تو مطعم بن عدی نامی ایک شخص کہنے لگا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دو ماہ کا سفر آپ ایک گھنٹہ میں طے کر لیں پھر کہنے لگے کہ اپنے سفرنامے میں کچھ بیان کیجئے۔ چنانچہ آپ نے قافلہ کا ذکر کیا اور ان کے اونٹ کا گم ہونا اور پیالہ سے پانی پینا بیان فرمایا انہوں نے کہا کہ یہ ایک نشانی ہے آپ نے پھر دوسرے قافلہ کے اونٹوں کا ڈرنا اور بھار کا گرنا نیز ایک اونٹ کی ٹانگ کا ٹوٹنا بیان فرمایا تو کہنے لگے چلو یہ دوسری نشانی ہے پھر کہنے لگے کہ ہمارے اونٹ کہاں تھے تو آپ نے فرمایا مقام تنعیم میں ان کے پاس سے گذرا ہوں پھر آپ نے ان کی تعداد بتائی کہ ۲۳ تھے اور لدے ہوئے مال کی فہرست بتائی اور ان کے ہمراہ غلاموں کے نام بھی بتائے اور حلیے بیان کئے اور فرمایا کہ طلوع شمس کے وقت وہ آن پہنچیں گے سب سے آگے گھنے بالوں والا اونٹ ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ تیسری نشانی ہے پس انتظار کے لئے شہر کے باہر پہنچے کہ اب فیصلہ کن بات ہو گی ادھر ایک نے کہا کہ وہ سورج طلوع ہو رہا ہے۔ تو دوسرے نے فوراً آواز دے کر کہا کہ لو وہ قافلہ بھی آپہنچا ہے چنانچہ سب کے سب مبہوت و حیران رہ گئے دوسری نشانیوں کی تصدیق بھی ہو گئی لیکن ایمان لانے کی جرأت نہ کر سکے۔

معراج کا سفرنامہ

مکہ مکرمہ میں حضرت علی علیہ السلام کی ہمشیرہ جناب ام ہانی زوجۂ ہبیرہ بن ابو وہب مخزومی کے گھر حضرت رسالتمآبؐ بستر استراحت پر آرام فرما تھے۔ بعضوں نے مسجد الحرام میں حضور کا محو خواب ہونا ذکر کیا ہے اور حدود حرم کے اندر کی ساری زمین پر بھی مسجد الحرام کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بہرکیف بروایت قمی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ تین فرشتے جبریل میکائیل اور اسرافیل براق کے ساتھ نازل ہوئے۔ ایک کے ہاتھ میں لگام تھی۔ دوسرا رکاب تھامے ہوئے تھا اور تیسرا براق کی زین کو درست کر رہا تھا۔ بروایت عیاشی جبریل جنت سے پانی بھی لایا جس سے آپ نے غسل فرمایا۔ بروایت کافی ذات رب العزت نے نور کی ایک عماری کا انتظام فرمایا تھا جو نور عرش میں سے چالیس اقسام نور پر مشتمل تھی جن میں سے ہر ایک کے دیکھنے کی انسانوں میں تاب برداشت نہ تھی جب آپ اس پر سوار ہو کر جانب آسمان روانہ ہوئے تو اس نور کی کرنیں آسمان اول تک پہنچیں۔ پس فرشتے ایک جگہ جمع ہو کر سجدہ ربانی میں گر گئے۔ جبریل نے

نعرہ تکبیر بلند کیا۔ بروایت قمی آسمان اول پر موکل ایک فرشتہ ہے جس کا نام اسمٰعیل ہے اس کے ماتحت ستر ہزار فرشتہ ہے اور ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار فرشتوں کا سردار ہے۔ پس جبریل کی آواز سن کر آسمان کا دروازہ کھولا گیا اور فرشتوں نے آپ کا شایانِ شان استقبال کیا۔ پھر آپؐ نے آسمان اول کی سیر فرمائی۔

بروایت ابن بابویہ حضور بیت المقدس میں تشریف لائے اور یہاں ستر نبیوں کو نماز پڑھائی پس جبریل نے زمین کے خزانوں کی کنجیاں حوالہ کیں کہ آپ کو اختیار ہے چاہیں تو نبوت کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت بھی لے لیں اور چاہیں تو نبوت کے ساتھ عبدیت کی زندگی گذاریں پس آپ نے بادشاہت کو ٹھکرا کر عبدیت قبول کی پس آپ نے پہلے آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ملاقات کی ان کے گرداگرد چھوٹے چھوٹے بچے تھے جن کی وہ تربیت فرما رہے تھے جبریل نے کہا یہ مومنوں کے بچے ہیں جن کی پرورش حضرت ابراہیمؑ کرتے ہیں۔ اور قمی کی روایت میں آسمان ہفتم پر حضرت ابراہیمؑ کا ہونا مذکور ہے چنانچہ بعد میں ذکر ہوگا اور آسمان پر جانے سے پہلے حضورؐ نے مسجد کوفہ میں بھی دو رکعت نماز ادا کی تھی جیسے کہ روایات میں موجود ہے نیز آپ نے مدینہ طیبہ اور طور سینا پر بھی علی الترتیب دو دو رکعت نماز پڑھی ہے (صافی) اور بروایت قمی اسی آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات و گفتگو ہوئی پھر ملک الموت سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمام مرنے والوں کے ارواح کو تو ہی قبض کرتا ہے؟ اس نے جی ہاں کہا۔ آپ نے پوچھا کیا تو سب کو دیکھتا ہے تو اس نے کہا ساری دنیا میرے قبضہ میں اس طرح ہے جس طرح انسان کے ہاتھ میں ایک روپیہ ہو وہ جس طرح چاہے اس کو الٹ پلٹ کرتا رہے اور میں دنیا کے ہر گھر میں روزانہ پانچ مرتبہ جھانکتا ہوں اور جب کسی مرنے والے کے غم میں گھر والے رو رہے ہوتے ہیں تو میں ان کو کہا کرتا ہوں مت روؤ میں نے تمہارے پاس بار بار آنا ہے حتٰی کہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا آپ نے فرمایا کہ موت بہت سخت چیز ہے تو جبریل نے کہا کہ حضورؐ! بے شک موت سخت ہے لیکن موت کے بعد کا عالم اس سے سخت تر ہے پھر ایک فرشتہ کو دیکھا جس کا آدھا جسم آگ تھا اور آدھا جسم برف تھا نہ برف آگ پر غالب اور نہ آگ برف پر غالب تھی اور وہ تسبیح پروردگار میں رطب اللسان تھا۔ پھر کافی تعداد میں ملائکہ دیکھے جن کی خلقت عجیب و غریب تھی ان کے جسم کے ہر ہر حصے سے الگ الگ لب و لہجہ میں تسبیح و تقدیس پروردگار کی صدائیں بلند تھیں اور خوف خدا سے وہ سب مشغول گریہ بھی تھے۔ جبریل نے بیان کیا کہ ان کی پیدائش ہی اسی طرح کی ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی جب سے پیدا ہوئے ہیں اپنے ساتھی فرشتے کو نظر اٹھا کر دیکھا ہے اور نہ اس سے بات کی ہے نہ یہ اوپر کو دیکھتے ہیں اور نہ نظر جھکا کر نیچے کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور ہمیشہ ان کے خشوع و خضوع کا یہی عالم ہے۔ میں نے ان کو سلام کیا اور انہوں نے اشاروں اشاروں میں مجھے سلام کا جواب دیا لیکن جب جبریل نے ان سے میرا تعارف کرایا تو انہوں نے تعظیم و تکریم کا فریضہ ادا کیا اور پھر حسب عادت مشغول عبادت ہوئے۔ بروایت کافی جب آسمان اول کے تمام فرشتے آداب بجالائے تو احوال پرسی کرتے ہوئے عرض کی کَیْفَ اَخُوْکَ یعنی تیرے بھائی کا کیا حال ہے اِذَا نَزَلْتَ فَاقْرَأْہُ السَّلَامَ جب واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارا سلام کہنا۔ آپ نے پوچھا تم اس کو کس

طرح پہچانتے ہو تو انہوں نے جواب دیا ہم کیسے اس کو نہ پہچانیں کہ آپ کا اور ان کا اور ان کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا گیا ہے ۔ اور ہم ہر روز پانچ مرتبہ یعنی ہر نماز کے وقت اس کے شیعوں کے چہروں کی زیارت کیا کرتے ہیں اور آپ کی ذات پر اور اس جناب پر ہم درود و سلام پڑھا کرتے ہیں ۔

اس کے بعد پھر پروردگار عالم نے چالیس اقسام نور کا مجھ پر اضافہ کیا جن میں سے ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف تھا ۔ پس دوسرے آسمان کی طرف روانگی ہوئی ۔ اس نور کی شعاعیں جب دوسرے آسمان پر پڑیں تو فرشتوں میں تحیر و اضطراب کی لہر پیدا ہوئی ۔ چنانچہ سب سجدہ پروردگار میں جھک گئے اور اس کی تسبیح و تقدیس بجالائے ۔ جبریل نے حضور کا تعارف کرایا تو سب آداب و سلام بجالائے اور عرض کی کہ زمین پر پلٹ کر علی کو ہمارے سلام عرض کرنا آپ نے فرمایا کہ تم کو اس کی معرفت کیسے ہوئی تو عرض کرنے لگے روز اول سے تیرا اور اس کا اور اس کے شیعوں کا ہم سے میثاق لیا جا چکا ہے اور ہم ہر دن اس کے شیعوں کی پانچ وقت زیارت کرتے رہتے ہیں (اوقات نماز میں) بروایت قمی حضور نے دوسرے آسمان پر دو خالہ زاد نبیوں یعنی عیسیٰ اور یحییٰ سے ملاقات کی ۔ اور بے حد وحساب ملائکہ کو الگ الگ انداز سے جدا جدا زبانوں کے ساتھ محو تسبیح و تقدیس دیکھا پھر بروایت کافی چالیس اقسام نور کا اور اضافہ ہوا ۔ جن میں سے ہر ایک کی نوعیت و شکل دوسرے سے الگ تھی اور تیسرے آسمان کی طرف عروج فرمایا نور کی خیرہ کن شعاؤں کی تاب نہ لاکر فرشتے بحر تحیر میں غوطہ زن ہو کر سجدہ میں گر گئے اور تسبیح و تقدیس پروردگار بجالائے ۔ جبریل نے کلمہ شہادت زبان سے جاری کیا اور حضور کا تعارف کرایا پس سب ملائکہ بہر تعظیم جھکے سلام کیا اور احوال پرسی کرتے ہوئے عرض گذار ہوئے کہ علی کہاں ہیں ؟ آپ نے فرمایا کہ وہ زمین پر ہیں لیکن تم اس کو کس طرح پہچانتے ہو پس کہنے لگے کہ ہم ہر سال بیت المعمور پر حج کرنے کو جاتے ہیں وہاں ایک سفید تختی پر آپ کا علی کا حسن و حسین کا اور قیامت تک کے ہونے والے ان کے شیعوں کا نام مذکور و مسطور ہے پس ہم ہر روز پانچ دفعہ اوقات نماز میں ان کے لئے برکت کی دعا کرتے ہیں بروایت قمی اس آسمان پر حضور نے حضرت یوسف سے ملاقات فرمائی اور بے حد وحساب فرشتوں کو جداگانہ حالات میں محو عبادت دیکھا بروایت کافی پھر چالیس انواع نور کا اضافہ ہوا جو پہلے انوار سے مختلف تھے اور آسمان چہارم پر پہنچے حسب سابق ملائکہ نے رسمی کلام کے بعد حضرت علی کے متعلق پوچھا اور آپ نے وجہ تعارف دریافت فرمائی تو کہنے لگے کہ ہم اس کو اور اس کے شیعوں کو بھی پہچانتے ہیں جو بشکل نور عرش پروردگار کے ارد گرد موجود ہیں ، نیز بیت المعمور میں ایک نور کی تختی ہے جس پر محمد و علی و حسن و حسین و باقی آئمہ اور قیامت تک کے ہونے والے تمام شیعوں کے نام مسطور ہیں اور ان کا ہم سے عہد لیا گیا ہے اور ہر جمعہ ہمارے سامنے اس عہد کو دہرایا جاتا ہے ۔ پس حکم ہوا کہ سر بلند کرو چنانچہ تمام حجابات دور ہو گئے اور عالم بالا کے تمام ممکنات کو ملاحظہ فرمایا پھر حکم ہوا کہ نیچے دیکھو چنانچہ پردے ہٹے اور زمین تک ہر شی کا معائنہ فرمایا ۔ پھر زیر عرش چشمہ صاد سے وضو فرمایا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی ۔ بروایت قمی آسمان چہارم پر حضرت ادریس سے ملاقات ہوئی ۔

(دوسری روایات میں چرخ چہارم پر حضرت عیسیٰؑ کا ہونا ملتا ہے۔ نیز بیت المعمور بھی اسی آسمان پر ہے اور انبیاء کو نماز پڑھانا اور سوال وجواب کا تذکرہ بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر برہان میں سورہ یونس کی تفسیر میں بروایت عیاشی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضورؐ معراج پر تشریف لے گئے تو مناجات پروردگار سے فارغ ہو کر بیت المعمور پر پہنچے جو چوتھے آسمان پر کعبہ کی محاذات میں واقع ہے وہاں پروردگار نے تمام انبیاء و مرسلین اور ملائکہ مقربین کو جمع فرمایا جبریل نے اذان و اقامت کہی پس حضورؐ نے آگے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو ارشاد ہوا۔ سئل الذین یقرؤن من الکتاب مِنْ قَبْلِکَ الخ۔ آیت ۹۴ سورہ یونس۔

بروایت ابن شہر آشوب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ فرماتے ہیں جب شب معراج میں چرخ چہارم پر پہنچا تو جبریل نے اذان و اقامت کہی۔ پس تمام نبیوں صدیقوں شہیدوں اور فرشتوں کو جمع کیا گیا اور میں نے آگے بڑھ کر ان کو نماز پڑھائی نماز سے فارغ ہو کر جبریل نے کہا ان سے دریافت کیجئے کہ کسی امر کی شہادت دیتے ہیں تو انہوں نے جواب میں عرض کی نَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَاَنَّ عَلِيًّا اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ تفسیر ثعلبی اور خطیب کی اربعین سے بروایت ابن مسعود حضرت رسالت مآبؐ سے منقول ہے کہ جب میں شب معراج جبریل کے ہمراہ چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے یاقوت سرخ کا ایک مکان دیکھا جبریل نے کہا یہ بیت المعمور ہے جس کو آسمان و زمین کی خلقت سے پچاس ہزار برس پہلے پروردگار نے پیدا کیا ہے پس مجھے حکم ہوا کہ اٹھ کر ان کو نماز پڑھاؤ۔ چنانچہ میں نے تمام نبیوں کو نماز پڑھائی سلام کے بعد ایک فرشتہ نے پروردگار کی طرف سے سلام پہنچا کر یہ پیغام سنایا کہ ان سے دریافت کرو کہ آپ سے قبل ان کی بعثت کس لئے ہوئی، پس میں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا، عَلٰی وِلَایَتِكَ وَوِلَایَةِ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِب۔ یعنی تیری اور علی کی ولایت پر ہم مبعوث ہوئے ہیں۔)

چوتھے آسمان کی سیر کے بعد بروایت قمی پانچویں آسمان پر پہنچے وہاں حضرت ہارون بن عمران سے ملاقات ہوئی اور پہلے کی بہ نسبت کافی تعداد میں فرشتوں کو دیکھا پھر چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی اور لاتعداد ملائکہ دیکھے اس کے بعد ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی۔ قمی کی روایت میں بیت المعمور اسی آسمان پر ہے جو فرشتوں کے لئے مقام حج ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے آسمان ہفتم پر نور کے سمندر دیکھے کہ ان کی چمک آنکھوں کے لئے خیرگی کا باعث تھی پھر ظلمات کے سمندر بھی دیکھے اور برف کے سمندر بھی ملاحظہ کئے۔ جبریل نے کہا بے شک اللہ کی یہ مخلوق عظیم ہے لیکن جو ابھی تک آپ نے نہیں دیکھی وہ اس سے بھی عظیم تر ہے۔ پس آپ خوشنود ہو کر شکر پروردگار ادا کیجئے۔ جب مخلوق اس قدر عظیم ہے تو خالق کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ پھر مخلوق اور خالق کے درمیان نوّے ہزار حجابات ہیں۔ اور اللہ کی طرف سب سے قریب تر جبرا اور اسرافیل کا مقام ہے لیکن ہمارے آگے چار حجابات ہیں (۱) حجاب نور (۲) حجاب ظلمت

(۳) حجاب غمام (۴) حجاب ماء - پس آسمان کی عجائبات دیکھنے کے بعد بیت المعمور میں نماز ادا کی - چشمہ کوثر سے پانی پیا - اور چشمہ رحمت میں غسل کیا پھر جنت کی سیر کی وہاں ایک عورت کو سیر کرتے ہوئے پایا اور پوچھا تو کون ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں زید بن حارثہ کی کنیز ہوں - چنانچہ میں نے صبح سویرے اس کو اس کی خوش خبری سنائی - پس وہاں کے پرندے دیکھے انار دیکھے جو حجم میں بہت بڑے تھے پھر ایک درخت دیکھا جس کا تنہ اس قدر بڑا تھا کہ تیز پرواز پرندہ اس کے ارد گرد سات سو برس پرواز کر سکتا تھا اور جنت کے ہر مکان میں اس درخت کی شاخ موجود تھی میں نے جبریل سے پوچھا تو اس نے کہا کہ شجرہ طوبیٰ ہے اس کی تفصیل اسی جلد میں سورہ رعد کی آیت نمبر ۲۹ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

میں نے جبریل سے نور کے سمندروں کے متعلق دریافت کیا تو اس نے کہا کہ وہ سرادقات عرش ہیں اگر درمیان میں یہ حائل نہ ہوتے تو عرش کا نور باقی تمام مخلوق کو ختم کر دیتا - پس میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا جس کا ایک ایک پتہ ایک بڑی جماعت کو سایہ دے سکتا تھا۔

جہنم میں عذاب پانے والے

بروایت قمی منقول ہے حضورؐ نے آسمان اول کی سیر میں ایک فرشتہ کو دیکھا - جس کی شکل ڈراؤنی تھی پوچھا کہ یہ کون ہے ؟ تو جبریل نے بتایا یہ مالک داروغہ جہنم ہے پس جبریل نے اس فرشتے کو حضورؐ کی آمد کی اطلاع دی اور تعارف کرایا - چنانچہ وہ آپ کے شایان شان فرائض استقبال و آداب بجا لایا اور سلام کے بعد آپ کو جنت کی بشارت سنائی آپ نے فرمایا کہ جہنم کے منہ سے ڈھکنا الگ کرو - چنانچہ تعمیل حکم کرتے ہوئے اس نے ڈھکنا کھولا تو اس کے دیو پیکر شعلے بلند ہوئے - آپ نے دوبارہ اس کا منہ بند کرنے کا حکم صادر فرمایا تو اس نے ڈھکنا اوپر رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا - بروایت عیاشی منقول ہے کہ اس کے بعد آپ کو کبھی ہنستے ہوئے کسی نے نہ دیکھا - نیز اسی روایت میں اس سے قبل مروی ہے کہ آپؐ نے ایک دھماکے کی آواز سنی تو جبریل سے وجہ پوچھی اس نے بتایا آج سے ستر برس پہلے میں نے جہنم کے کنارہ پر کھڑے ہو کر اس میں ایک پتھر ڈالا تھا - اب وہ اس کی تہ پر پہنچا ہے اور یہ اسی کی آواز ہے۔

بروایت ابن بابویہ آپ نے ایک قوم کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر ان کی ہنسلیوں میں پڑے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہے تھے جبریل نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں جن کو خدا نے حلال عطا فرمایا تھا لیکن یہ لوگ حلال کو چھوڑ کر حرام کے پیچھے دوڑتے تھے پھر ایک قوم کو گرفتار عذاب دیکھا جن کے چمڑوں کو جہنم کی سلاخوں سے سیا جا رہا تھا - جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق عورتوں کی عصمت لوٹتے تھے - ان کے بعد دیکھا ایک مرد پر بوجھ لادا جا رہا ہے جس کو وہ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا لیکن بجائے کمی کے اس میں اور اضافہ کیا جاتا ہے پس وہ اسی عذاب میں مبتلا ہے - جبریل نے کہا یہ وہ شخص ہے جو دنیا میں قرضے اٹھاتا تھا پس بغیر ادا کئے خود اٹھا لیا گیا - بروایت قمی حضورؐ نے فرمایا خدا نے آسمان پر دو فرشتے مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک ہر وقت باآواز بلند دعا کرتا ہے اے اللہ تو سخی کو زیادہ عطا فرما اور دوسرا ہر وقت یہ

دعا کرتا ہے اے اللہ تو بخیل کو برباد کر۔ پھر آپ نے ایک قوم کو دیکھا جن کے ہونٹ اونٹ کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور ان کے پہلوؤں سے گوشت کاٹ کر ان کے منہ میں ڈالا جاتا تھا۔ جبریل نے کہا یہ چغل خور لوگ ہیں۔ اس کے بعد ایک قوم کو دیکھا جن کے سروں کو جہنمی ہتھوڑوں سے کوٹا جا رہا تھا۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو نماز عشا پڑھے بغیر سو جاتے تھے۔ پھر ایک قوم کو گرفتار عذاب دیکھا جن کے منہ میں آگ ڈالی جاتی تھی اور وہ ان کی دبر سے نکل جاتی تھی۔ جبریل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو یتیموں کے مال پر دست درازی کر کے کھا جاتے تھے۔ پھر ایک قوم کو گرفتارِ مصیبت و عذاب میں دیکھا جن کے پیٹ بڑے بڑے تھے اور وہ آلِ فرعون کی طرح جہنم کی بھٹی میں دھکیلے جا رہے تھے جبریل نے بتایا یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔ پھر عورتوں کے گروہ کو عذاب میں گرفتار دیکھا کہ جہنم کے زنجیر ان کے پستانوں سے بندھے ہوئے تھے اور وہ لٹک رہی تھیں جبریل نے کہا یہ زناکار عورتیں ہیں جو اپنے شوہروں کا وارث حرامزادوں کو بنایا کرتی تھیں۔ پس آپ نے فرمایا خدا کا غضب ہے اس عورت پر جو کسی قوم کی نسب میں ایسے افراد کو داخل کر دے جو درحقیقت اس نسب سے نہ ہوں (یعنی زنا کر کے حرامزادہ اولاد پیدا کرے)

مقصدِ معراج

تفسیر برہان میں بروایت صفّار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضورؐ کو ایک سو بیس[۱۲۰] مرتبہ معراج نصیب ہوئی اور ہر دفعہ دوسرے فرائض سے بڑھ کر خدا نے آپ کو ولایت علی اور ولایت آئمہ اہل بیتؑ کی وصیت تلقین فرمائی۔ چنانچہ عیاشی سے بھی اسی مضمون کی حدیث مروی ہے۔ اور معراج کے سفرنامے میں ملائکہ کے سوالات و جوابات میں بھی اس امر کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ اور صاحب کتاب مجمع النورین شیخ ابوالحسن نجفی نے ذکر کیا ہے کہ معراج کا مقصد دو باتیں تھیں۔ ایک خلافت علی اور دوسری علی و بتول کی شادی اور کہا ہے کہ احادیثِ مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔

بروایت ابن بابویہ ابن عباس سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ پر اور وہاں سے حجاب ہائے نور کی طرف بڑھا تو خدا کی جانب سے ندا پہنچی۔ میں تیرا پروردگار ہوں۔ پس میرے لئے خشوع کر صرف میری ہی عبادت کر، مجھ پر توکل کر اور میری ہی ذات پر اعتماد کر۔ پس تیری عبدیت محبت، رسالت، نبوت اور تیرے بھائی کی خلافت پر راضی ہوں وہ میرے بندوں پر میری حجت اور میری مخلوق کا امام ہے۔ اُسی کے ذریعے سے میرے دوستوں اور دشمنوں کی پہچان ہو گی اور اسی کی بدولت شیطان کے لشکر اور میرے لشکر میں تمیز ہو گی اُسی کے ذریعے سے میرا دین قائم، حدیں محفوظ اور احکام جاری ہوں گے۔ تیری اور اُس کی اور اس کی نسل کے آئمہ کی برکت سے میری مخلوق پر میرا رحم و کرم ہو گا۔ تمہارا قائم میری زمین کو میری تسبیح تہلیل تقدیس تحمید اور تکبیر سے آباد کرے گا۔ میں اُسی کے ذریعے سے اپنی زمین کو دشمنوں سے پاک کروں گا اور اپنے دوستوں کو اس کا وارث بناؤں گا۔ اور اسی کی بدولت کفر کا کلمہ پست اور حق کا کلمہ بلند کروں گا۔ اُسی کے وسیلہ سے میں اپنے بندوں اور شہروں کو زندہ کروں گا اسی کے لئے میں زمین کے

maablib.org

خزائن اور ذخیروں کو ظاہر کروں گا اور اس کو اپنے ارادہ سے خفیہ اسرار کی اطلاع دوں گا اور اپنے دین کی سربلندی کے لئے ملائکہ سے اس کی تائید کروں گا وہ میرا برحق ولی ہے اور سچ مچ میرے بندوں کے لئے میرا ہادی ہے۔

نیز بروایت ابن بابویہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے معراج کا مقصد دریافت کیا گیا کہ خدا نے کیوں اپنے نبی کو آسمان پر بلایا پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور وہاں سے حجاب ہائے نور تک اور وہاں باتیں ہوئیں، حالانکہ وہ کسی مکان کا پابند نہیں ہے تو آپ نے فرمایا کہ واقعی خدا کسی مکان و زمان کا پابند نہیں لیکن اس نے اپنے فرشتوں کو شرف بخشنے کے لئے اور آسمانی مخلوق کو حضورؐ کے دیدار سے فیض یاب کرنے کے لئے ایسا کیا نیز اپنی عظمت کے عجائبات ظاہر کرنے کے لئے تاکہ زمین پر پہنچ کر وہ لوگوں کو سمجھائیں۔ الخ۔

تفسیر برہان میں کافی سے منقول ہے ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضور کتنی دفعہ معراج پر تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا کہ دو دفعہ (ممکن ہے یہاں دو سے مطلق تعدد مراد ہو یعنی کئی بار پس گذشتہ روایت سے کوئی منافات نہیں ہوگی) پس ایک مقام پر پہنچ کر جبریل نے کہا کہ ٹھہر جائیے چنانچہ آپ ٹھہر گئے۔ پس جبریل نے کہا یہ وہ مکان ہے جہاں آپ سے پہلے نہ کوئی فرشتہ پہنچا اور نہ کوئی نبی پہنچ سکا ہے۔ اور کہا کہ خدا نماز میں مشغول ہے۔ آپ نے پوچھا کہ اس کی نماز کیا ہے؟ تو جواب دیا کہ اس کی نماز یہ ہے۔ سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ اَنَا رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ۔ یعنی میں لائق تسبیح و تقدیس ہوں اور میں ہی ملائکہ اور روح کا پروردگار ہوں۔ اور میری رحمت میرے غضب سے آگے ہے۔ (آگے چل کر) آپ نے فرمایا میں نے نورِ عظمتِ پروردگار کا سوراخِ سوزن کی مقدار سے ملاحظہ کیا۔ پھر ارشادِ قدرت ہوا۔ اے محمد! میں نے لبیک کہی تو ارشاد ہوا۔ تیرے بعد تیری امت کا والی کون ہوگا؟ میں نے عرض کی کہ اللہ ہی اس کو جانتا ہے۔ پس ارشاد ہوا کہ علی بن ابی طالب ہی ہے جو مومنوں کا امیر اور مسلمانوں کا سردار اور نورانیوں کا قائد و رہبر ہے۔ پس امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اے ابو بصیر۔ خدا کی قسم علی کی ولایت زمین سے نہیں بلکہ آسمان سے اتری ہے۔

بروایت عیاشی ہارون بن خارجہ بیان کرتا ہے مجھ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دریافت کیا کہ تم سے مسجد کوفہ کتنی دور ہے میں نے کہا کہ بالکل نزدیک ہے۔ آپ نے فرمایا ایک میل کا اندازہ ہوگا؟ میں نے جواب دیا کہ اس سے بھی قریب ہے تو آپ نے فرمایا کیا تم سب نمازیں وہاں پڑھا کرتے ہو تو میں نے کہا کہ نہیں۔ پس فرمانے لگے اگر میں ہوتا تو کوئی نماز اس کے باہر نہ پڑھتا! پھر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کوئی ملک مقرب نبی مرسل اور عبد صالح نہیں گذرا جس نے مسجد کوفہ میں نماز ادا نہ کی ہو حتیٰ کہ حضرت محمد مصطفےٰ نے بھی شب معراج باذنِ پروردگار اس میں دو رکعت نماز پڑھی۔ پس آپ نے فرمایا تجھے معلوم نہیں اس کے دائیں طرف جنت کا باغ ہے اور اس کے بائیں طرف جنت کا باغ ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس میں ایک فریضہ نماز دوسری مساجد کی ہزار

نمازوں کے برابر ہے۔ اس کی نافلہ پانچ سو کے برابر ہے اور اس میں خاموش بیٹھنا بھی عبادت ہے۔ پھر انگلی کو گھما کر دیا دو مسجدوں کے بعد کوفہ سے افضل کوئی جگہ نہیں ہے۔

بروایت کلینی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ شب معراج ایک مقام پر پہنچ کر جبریل ٹھہر گئے آپ نے فرمایا اے جبریل اس عالم تنہائی میں تو بھی مجھے چھوڑ رہا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ آپ چلیں خدا کی قسم یہ وہ مقام ہے جہاں آپ کے علاوہ کوئی نہ پہنچ سکا۔

ایک روایت میں ہے جو ذاکرین و واعظین کی زبان پر عام مشہور ہے اور اس وقت میری زیر نظر کتاب بلکہ میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جبریل رُک گئے تو آپ نے پوچھا کیوں رُک رہے ہو تو جواب دیا کہ اس سے آگے میں نہیں بڑھ سکتا حتیٰ کہ اگر ایک انگلی کی مقدار بھی آگے بڑھوں تو میرے پر جل جائیں گے۔

تفسیر صافی میں کشف الغمہ سے مروی ہے کہ حضور رسالت مآبؐ سے پوچھا گیا کہ خدا نے شب معراج آپ سے کس لہجہ میں گفتگو فرمائی تھی تو آپ نے جواب دیا کہ حضرت علی کے لہجہ میں۔ چنانچہ میں نے عرض کی تھی اے پروردگار تو میرے ساتھ ہم کلام ہے یا علی ہے تو ارشاد ہوا اے احمد۔ میں وہ ہوں کہ میری مثل کوئی شے نہیں، نہ مجھے لوگوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ چیزوں سے میری وصف کی جا سکتی ہے میں نے تجھے اپنے نور سے پیدا کیا اور علی کو تیرے نور سے پیدا کیا۔ میں تیرے دل کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ تیرے دل میں علی بن ابی طالب سے زیادہ کسی کی محبت نہیں ہے۔ پس میں نے اسی کے لہجہ میں تجھ سے گفتگو کی ہے تاکہ تیرا دل مطمئن رہے۔ اور اسی معنی کی حدیث ینابیع المودۃ سے بھی نقل کی جاتی ہے۔

حضرت علیؑ کی مثال

تفسیر برہان میں ابو بریدہ اسلمی سے مروی ہے کہ حضرت رسالت مآبؐ نے فرمایا اے علیؑ تجھے خدا نے سات مقامات پر میرے ساتھ حاضر کیا ہے۔

پہلا مقام۔ جب میں شب معراج آسمان پر پہنچا تو جبریل نے مجھ سے دریافت کیا۔ اَیْنَ اَخُوْکَ۔ یعنی تیرا بھائی کہاں ہے تو میں نے کہا کہ پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں تو اُس نے کہا اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اس کو یہاں حاضر کر دے۔ چنانچہ میں نے دعا مانگی فَاِذَا مِثْلُکَ مَعِیَ۔ پس اچانک تیری مثال میرے ساتھ موجود تھی۔

دوسرا مقام۔ جب میں دوبارہ معراج پر گیا تو جبریل نے پوچھا تیرا بھائی کہاں ہے میں نے جواب دیا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں اس نے کہا اللہ سے دعا مانگو کہ وہ اس کو لے آئے چنانچہ میں نے دعا مانگی تو تیری مثال میرے ہمراہ تھی پس آسمانوں کے پردے اُٹھا دئے گئے۔ تو میں نے اس کے ساکن آبادیاں اور ہر فرشتہ کی قیام گاہ کا معائنہ کیا۔

تیسرا مقام۔ جب میں قوم جن کی طرف بھیجا گیا تو جبریل نے کہا۔ تیرا بھائی کہاں ہے۔ میں نے کہا پیچھے چھوڑ کر آیا ہوں۔ پس جبریل کی خواہش پر میں نے دُعا کی پھر دیکھا تو تو میرے ہمراہ تھا اس کے بعد اُن کے ہمراہ جس قدر گفتگو ہوئی

رہی تو ساتھ رہا۔

چوتھا مقام - لیلۃ القدر میں تو میرا شریک ہے اور کوئی نہیں۔

پانچواں مقام - نبوت کے علاوہ ہر بات میں تو میرا شریک ہے۔

چھٹا مقام - جب میں نے آسمان پر نبیوں کو نماز پڑھائی تو تیری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔

ساتواں مقام - احزاب کی ہلاکت ہمارے ہاتھوں پر ہوئی۔

مجالس شیخ سے مروی ہے ۔حضرت علی علیہ السلام خود بیان فرماتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے مجھے فرمایا کہ شب معراج ہر آسمان پر فرشتے مجھے مبارک باد کہتے رہے اور جبریل نے ملائکہ کے ایک جم غفیر کے ہمراہ یہ بات کہی: لَوِ اجْتَمَعَتْ اُمَّتُكَ عَلٰى حُبِّ عَلِيٍّ مَا خَلَقَ اللهُ النَّارَ - یعنی اگر تیری اُمت علی کی محبت پر جمع ہو جاتی تو خدا دوزخ کو پیدا نہ کرتا۔ اے علی خدا نے سات مقامات پر تجھے میرے ساتھ حاضر کیا کہ میں مانوس ہو گیا پس حدیث سابق کی طرح مقامات گنوائے اس میں پانچواں مقام یہ بیان کیا کہ جب میں اللہ سے مناجات کر رہا تھا اس وقت بھی تیری مثال میرے ساتھ تھی اور میں نے تیرے لئے کچھ چیزیں طلب کیں۔ چنانچہ سوائے نبوت کے اُس نے سب قبول فرمائیں اور فرمایا کہ نبوت تیرا ہی خاصہ ہے اور تو اس کا خاتم ہے۔ اور چھٹا مقام یہ کہ جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا تو تیری مثال میرے ساتھ تھی۔ پس ساتواں مقام حسب سابق بیان کیا اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ خدا نے دنیا کی طرف نظر کی تو مجھے عالمین کے مردوں پر منتخب فرمایا پھر تجھے چُنا پھر فاطمہ کو تمام عالمین کی عورتوں سے برگزیدہ کیا پھر حسنؑ و حسینؑ و باقی آئمہ کو تمام جہانوں پر برگزیدہ کیا۔ اے علی میں نے دیکھا ہے کہ چار مقامات پر تیرا نام میرے نام کے ساتھ مسطور مذکور ہے اور میں اُسے پڑھ کر مانوس ہوا ہوں۔

(۱) میں شب معراج جب بیت المقدس میں پہنچا تو پتھر پر لکھا ہوا دیکھا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَنَصَرْتُهٗ بِهٖ - میں نے پوچھا اے جبریل میرا وزیر کون ہو گا تو وہ کہنے لگا کہ علی بن ابیطالب

(۲) مجمع النورین مصنفہ شیخ ابوالحسن نجفی میں ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ پر یہی کلمات تحریر تھے۔

(۳) جب سدرۃ المنتہیٰ سے چل کر عرش کے قریب پہنچا تو ساقِ عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا اللهُ وَحْدِيْ مُحَمَّدٌ حَبِيْبِيْ وَصَفْوَتِيْ مِنْ خَلْقِيْ اَيَّدْتُهٗ بِوَزِيْرِهٖ وَاَخِيْهِ وَنَصَرْتُهٗ بِهٖ - یعنی میرے سوا کوئی الٰہ نہیں میں اللہ ایک اکیلا ہوں۔ محمد میرا حبیب اور تمام مخلوق سے برگزیدہ ہے۔ میں نے اس کی تائید اس کے وزیر اور بھائی کے ساتھ کی اور میں نے اس کو اس کا مددگار بنایا ہے۔

(۴) میں نے جنت میں شجرہ طوبیٰ کو دیکھا جس کی اصل علی کے گھر میں ہے اور جنت کے ہر محل میں اس کی شاخیں ہیں۔ اور اس کی اصل سے پانی دودھ شراب اور شہد کی چار نہریں جاری ہیں۔ بروایت مجالس شیخ آپ نے فرمایا

اے علیؑ اللہ نے تیرے لئے مجھے سات چیزیں عطا کیں۔

(۱) میں پہلا شخص ہوں جو قبر سے باہر آؤں گا اور تو میرے ہمراہ ہوگا (۲) تو پہلا شخص ہے جو پل صراط پر میرے ہمراہ کھڑا ہوگا اور دوزخ سے کہے گا۔ خُذِیْ فَهُوَ لَكِ وَ ذَرِیْ فَلَیْسَ هُوَ لَكِ۔ یعنی اس کو لے کہ وہ تیرا ہے اور اس کو چھوڑ دے کہ یہ تیرا نہیں ہے (۳) تو پہلا شخص ہے جس کو میرے ہمراہ لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھ زندہ ہوگا (۴) تو پہلا شخص ہے جو عرش کے دائیں جانب میرے ہمراہ کھڑا ہوگا۔ (۵) تو پہلا شخص ہے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا۔ (۶) تو پہلا شخص ہے جو جنت کے مقام علیین میں میرے ہمراہ جا کر سکون پذیر ہوگا (۷) تو پہلا شخص ہے جو رحیق مختوم سے پیئے گا جس پر کستوری کی مہر ہوگی۔

امالی شیخ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا جب میں مقام قاب قوسین پر پہنچا تو ارشادِ قدرت ہوا تو سب سے زیادہ دوست کس کو رکھتا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ علیؑ کو۔ تو ارشاد ہوا کہ مڑ کر دیکھو۔ چنانچہ میں نے جو دیکھا تو میرے بائیں جانب علیؑ موجود تھے۔

کیا حضرت علیؑ شریکِ معراج تھے

دورِ حاضر کی موشگافیوں میں سے ایک مثال یہ بھی ہے کہ عقیدۂ معراج پیغمبر میں عقیدۂ معراج علیؑ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس طرح حقیقتِ نماز میں تصرف کرتے ہوئے شہادتِ ولایت کو جزوِ تشہد سمجھ لیا گیا ہے۔ بدلگام مقرر اور بے مہار مولوی عقائد مذہب اور احکام شریعت میں اپنے اختراعات کو داخل کر کے ملتِ جعفریہ کے چہرہ کو مسخ کرنا اپنا محبوب مشغلہ سمجھے ہوئے ہیں، وہ اس قسم کی جذباتی جزئیات کو ناعاقبت اندیش عوام سے خراجِ تحسین حاصل کرنے کے لئے اپنے تفوق علمی کا زینہ سمجھتے ہیں پس شیطان ان کے اذہان میں اس قسم کے خیالات کی وحی کرتا ہے اور وہ بلا دریغ ان کا لوگوں میں پرچار کر کے ان کے عقائد و اعمال کا ستیاناس کرتے ہیں۔ اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِهِمْ۔ الخ۔

مذہبِ امامیہ میں معراج کا انکار کفر ہے کیونکہ اس کا وجوب ضروریات مذہب میں سے ہے۔ نیز یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ معراج پر جانا حضرت رسالت مآبؐ کا خاصہ ہے۔ اور ان کے مختصات میں سے ہے اور یہ شرف سوائے حضورؐ کے اور کسی کو نہیں مل سکا۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ نے جو کلام فرمایا وہ لہجہ علیؑ میں تھا۔ جیسا کہ کتب میں مسطور ہے۔

البتہ مقام اشتباہ وہ احادیث ہیں جن میں حضرت علیؑ کا وہاں ہونا حضرت رسالت مآبؐ نے خود بیان کیا تو اس کا حل یہ ہے کہ اکثر روایات میں مثال کا لفظ موجود ہے۔ جس طرح کہ گذشتہ روایات میں صاف مذکور ہے اور بعض روایات میں بارہ اماموں کے مثالی اجسام کا عرش پر موجود ہونا بھی مذکور ہے کہ فضائے نور میں مشغول عبادت پروردگار تھے۔ چنانچہ تفسیر کی تیسری جلد صـ۱۸۵ پر ہم نے بھی ایک روایت ذکر کی ہے۔ نیز ہر آسمان پر حضرت علی کی تمثال

کا ہونا بھی نقل کیا جاتا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے ہر آسمان پر حضرت علیؑ کی شکل کا ایک فرشتہ پیدا کیا ہے کہ آسمانی فرشتے اس کی زیارت سے حضرت علیؑ کی زیارت کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ بہر کیف یہ سب کچھ ممکن ہے۔ لیکن اس سے نہ تو حضرت علیؑ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے اور نہ شریکِ معراج ہونا لازم آتا ہے۔ اور امالی شیخ کی روایت جس میں مثال کا ذکر نہیں اس کا مقصد علمائے یہ بیان کیا ہے کہ حجابات سماوی کو اٹھا دیا گیا پس آپ نے جہاں باقی ممکناتِ عالم کا ملاحظہ فرمایا وہاں حضرت علیؑ کو اپنے پاس موجود پایا۔ یعنی حضرت علیؑ اپنے گھر میں اپنے بستر پر سوئے ہوئے حضرت رسالت مآبؐ کو مقام قاب قوسین پر اپنے پاس نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ بحار الانوار جلد ہفتم کی عمار والی روایت کا صریحی مفہوم یہی ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ وَصِرْتُ كَقَابِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنِ الْتَفِتْ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا بِعَلِيٍّ وَاقِفٌ مَعِيْ وَقَدْ خُرِقَتْ حُجُبُ السَّمٰوٰتِ وَعَلِيٌّ وَاقِفٌ رَافِعٌ رَاْسَهٗ يَسْمَعُ مَا يَقُوْلُ فَخَرَرْتُ لِلّٰهِ سَاجِدًا۔

حضورؐ نے فرمایا جس رات مجھے آسمان پر لے جایا گیا اور میں مقام قاب قوسین پر پہنچا یا اس سے بھی قریب تو خدا نے وحی کی کہ مڑ کر دیکھ جو میں نے مڑ کر دیکھا تو علیؑ میرے پاس کھڑے تھے کہ آسمانوں کے پردے پھٹے اور علیؑ سر بلند کئے ہوئے سن رہے تھے جو خدا کہتا تھا۔ پس میں سجدہ پروردگار میں جھک گیا۔

بہر کیف معراج پر صرف حضرت رسالت مآبؐ ہی تشریف لے گئے اور یہ اُن کا مخصوص شرف ہے ورنہ اگر حضرت علیؑ خود بنفس نفیس وہاں موجود ہوتے تو پیغمبر کی تسلی کے لئے لہجہ علیؑ اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی خود ذاتِ علیؑ کا وجود حضورؐ کی مانوسیت کے لئے کافی تھا۔ نیز آپ کا یہ فرمانا کہ یا علیؑ تو میرے ہمراہ تھا بے معنی ہو جائے گا کیونکہ ساتھ ہونے والے کو خبر دینا کہ تو میرے ساتھ تھا اُس وقت صحیح ہوتا ہے کہ یا تو اُسے یہ سفر فراموش ہو چکا ہو اور یا کسی خاص دوسرے امر کی طرف اشارہ مقصود ہو۔ حالانکہ یہاں نہ بھول چوک کو دور کرنا مقصود ہے اور نہ کوئی دوسری چیز محل اشارہ ہے بلکہ خود حضرت علیؑ کی معیت ہی مقصودِ بیان ہے تو اس کا صاف مقصد یہی ہے کہ پردے ہٹ چکے تھے اور تجھے میں اپنے ہمراہ ہی سمجھ رہا تھا۔ نیز حضرت علیؑ اگر معراج پر تشریف لے گئے ہوں تو زمین خدا کا حجتِ خدا سے خالی ہونا بھی لازم آتا ہے جس طرح کہ بعض علما نے ذکر فرمایا ہے۔ اگر حضرت علیؑ خود ہمراہ ہوتے تو بجائے حضرت علیؑ کو جتلانے کے حضورؐ آتے ہی قصہ معراج بیان کرتے وقت کفار قریش کے سامنے یہی بیان کرتے کہ ہم دونو بھائی گئے تھے اور اس کی تصدیق کفار دونو سے معلوم کرتے پھر تمام صحابہ کے سامنے جب بیان ہوا تو اسی اندازِ بیان کو ملحوظ رکھا جاتا۔ نیز حضرت علیؑ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ میں شریک معراج ہوں اور یہ کہ میں

فلاں فلاں مقام پر پیغمبر کے ہمراہ گیا تھا۔ پس جس طرح حضورؐ اپنے معراج کے چشم دید مناظر بیان فرماتے تھے حضرت علی بھی پیغمبرؐ سے نقل کرنے کی بجائے اپنا چشم دید واقعہ کہہ کر بیان فرماتے لہذا اس طرح نہ فرماتے کہ حضورؐ نے فرمایا یا علی تو میرے ساتھ سات مقامات میں موجود تھا بلکہ فرماتے ہیں حضورؐ کے ہمراہ سات مقامات پر موجود تھا پس یہ سب باتیں اس امر کا قرینہ ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علی کی نورانی تمثال دیکھی یا یہ کہ حجابات ہٹے تو حضرت علیؑ کو اپنے مقام پر وہیں سے دیکھا جس طرح باقی ملکوت سماوی کی سیر فرمائی۔ پس اس مسئلہ پر نہ طبع آزمائی کی ضرورت ہے اور نہ باہمی سر پھٹول کی حاجت معراج پیغمبر کا عقیدہ ضروریاتِ مذاہب سے ہے اور تفصیلات کا صحیح علم اللہ جانے یا اُس کا رسولؐ۔

اس میں شک نہیں کہ حدیثِ معراج میں حضرت علی علیہ السّلام کے بڑے بڑے فضائل موجود ہیں۔ اور حضرت علی کی تمثال کا ہر آسمان یا بیت المعمور پر یا عرش پر یا مقام قاب قوسین پر ہونا نیز آپ کے لہجہ میں پروردگار کا کلام کرنا ایسی فضیلت ہے جس میں آپ کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شجرہ طوبیٰ کا علی کے گھر میں ہونا اور ہر جنتی کے گھر میں اُسی کی شاخ کا ہونا حضرت علی کی اُخروی حکومت کی طرف اشارہ ہے۔ کتاب مجمع النورین ۳۵۳ میں حضرت رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ میں نے زیر عرش اُونٹوں کی ایک بہت بڑی قطار دیکھی جن کی ابتداء و انتہا معلوم نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک اونٹ پر بھار لدا ہوا تھا میں نے جبریل سے دریافت کیا کہ یہ اونٹ کس لئے ہیں اور ان پر بوجھ کس قسم کا ہے تو اس نے جواب دیا یہ سب تیری دختر نیک اختر فاطمہ کا جہیز ہے میں نے پوچھا ان میں کیا چیز بند ہے تو اُس نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا۔ پس میرے حکم سے ایک اونٹ کو بٹھایا گیا جب بھار کھولا تو کتابیں تھیں اور ہر ایک اونٹ پر ایک ہزار کتاب کا بھار تھا اور ہر کتاب میں حضرت علی علیہ السلام کی ایک ہزار فضیلت درج تھی

اس سے قبل ایک روایت معصوم سے گذر چکی ہے کہ ایک سو بیس مرتبہ آپ کو معراج ہوئی اور ہر بار حضرت علی کی خلافت و ولایت کی خدا نے تاکید فرمائی۔ چونکہ احکام شرعیہ فرعیہ کی بہ نسبت مسئلہ امامت بقاءِ اسلام کے لئے بنیادی حیثیت کا حامل تھا اس لئے بعید از قیاس نہیں بلکہ عین قرین عقل ہے یہ بات کہ مسئلہ ولایت و امامت معراج کی گفتگو کا اہم باب ہو اور اسے ہونا بھی چاہیے اور حضورؐ نے مقام بیان میں جا بجا حسب موقعہ و محل اس کا اظہار بھی فرمایا۔ پس نیک بخت لوگوں نے حضورؐ کے فرمان کو واجب الاذعان قرار دے کر علی کو اپنا امام و ہادی تسلیم کر لیا۔ اور بدبخت یا سر پھرے شکی مزاج افراد نے ان باتوں پر کان دھرنے کی بجائے اقتدار کی ہوس پرستی یا صاحبانِ اقتدار کی کاسہ لیسی کو مآلِ زندگی قرار دے لیا۔ بعض لوگ حضرت علی کے معراج پر جانے کو ثابت کرنے کے لئے جناب رسالت مآبؐ کے اس فرمان کو پیش کرتے ہیں کہ نبوّت اصل ہے اور امامت فرع ہے۔ پس جب نبی معراج پر تشریف لے گئے تو جو فرع تھی اسے پہلے وہاں پہنچنا چاہیے۔ ایسے عقل کے اندھوں کو کیا سمجھایا جائے جو ایسی واضحات کو بھی

نہیں سمجھ سکتے۔ حدیث شریف کا مقصد یہ ہے کہ نبوت کے علوم وحقائق امامت کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے ہیں جس طرح درخت کے ثمرات اس کی فروعات کی بدولت حاصل ہوتے ہیں اسی طرح درخت کا سایہ شاخوں کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے بہرکیف نبوت سے فیوض حاصل کرنے کا وسیلہ امامت ہے۔ پس اس کو بیچ بیچ درخت قرار دے کر امامت کو نبوت سے آگے بڑھانا کورِ باطنی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مقررین کے خطابیات کو عقائد مذہب کا اساس قرار دینا عاقبت نااندیشی ہے۔ کیوں کہ کسی تشبیہ میں بھی مشبّہ کو مشبہ بہ کی تمام خصوصیات کا حامل نہیں قرار دیا جاتا بلکہ ایک مخصوص واہم عادت وخصلت کو وجہ شبہ قرار دیا جاتا ہے۔ پس اگر کسی کو شیر سے تشبیہ دی جائے تو یہ مقصد نہیں ہوتا کہ شیر کے تمام اوصاف وخواص اس میں موجود ہیں حتیٰ کہ اس کو دُم بھی لگی ہوئی ہے بلکہ مقصد صرف اس میں شجاعت کو ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ اس مقام پر نبوت درخت کی اصل سے اور امامت کو اس کی فرع سے تشبیہ نبوت کے اہم کردار کی دیگی کی بنا پر ہے اور وہ ہے تبلیغ وہدایت یعنی امام اُمّت تک وہی احکام پہنچاتا ہے اور اُن امور کی تبلیغ کرتا ہے جو نبوت کے مقصد میں داخل تھے پس جس طرح درخت کی شاخیں وہی پھل پیش کرتی ہیں جو اس کی اصل سے مناسب ہو اسی طرح امامت کی زبان سے یا ان کے عمل سے ایسا امر ظاہر نہیں ہو سکتا جو مقصد بعثت نبوت کے منافی ہو۔ چنانچہ حضرت رسالت مآبؐ نے عمار سے فرمایا تھا کہ اگر تمام لوگ ایک وادی میں ہوں اور صرف علی دوسری وادی میں ہو تو تمام لوگوں کو چھوڑ کر علی کے پیچھے چلنا کہ علی تجھے کبھی ہدایت سے دور نہ کرے گا اور تجھے گمراہی میں نہ ڈالے گا۔

اگر یہاں درخت اور شاخ کی مثال سے دھوکا کھا کر حضرت علی کا معراج ثابت کیا جائے تو صرف علی کا نہیں بلکہ بارہ اماموں کا معراج ثابت ہو جائے گا اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ تمام سادات اولاد رسول کا معراج بھی ماننا پڑے گا کیونکہ یہ سب اُسی درخت کی شاخیں ہیں بلکہ تمام شیعہ بھی اس شرف میں داخل ہو جائیں گے کہ اُس درخت کے پتے ہیں بلکہ ان کو تو شاخوں سے بھی اونچا ہونا چاہیے۔ اسی جلد میں سورہ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۴ کی تفسیر میں كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ۔ الخ کے تحت حدیث مذکور کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے۔ بہرکیف اس قسم کے خطابیات مذہب کی اساس نہیں بن سکتے معراج حضرت رسالت مآبؐ کا مخصوص شرف ہے اس میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ یہ کہنا کہ وہاں حضرت علی کے ہاتھ کے مشابہ ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ اور انگوٹھی ظاہر ہوئی وغیرہ بالکل غلط اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ مذہب شیعہ اس قسم کی بے سروپا حکایات سے مبرّا و منزّہ ہے اور حضرت علیؑ کی فضیلت کے لئے یہ کیا کم ہے کہ لہجہ علی کا تھا اور بولنے والا اللہ تھا۔ اور رسولؐ سے جس قدر باتیں ہوئیں ان میں خلافت علی کا عہد سرفہرست تھا واللہ اعلم۔

★ تحفہ برائے ایصال ثواب ★
یہ کتاب مرحوم اکبر علی اے پیتھابھائی
کی ایصال ثواب کیلئے تحفہ ہے لہذا قارئین سے گزارش ہے
کہ ایک سورۃ فاتحہ سے مرحوم کی روح کو شاد فرمائیں
وفات ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ — 1977-6-1

از جناب فخر الواعظین مولانا محمد بخش خان صاحب جھمکانہ (سائل)

○

یا رب تو اس حقیر کو اب دل کا چین بخش
جس میں ہو تیری معرفت مجھ کو وہ عین بخش
اہل ولا کو پڑھنے کی توفیق کر عطا
تفسیر لکھ رہے ہیں جو قبلہ حسین بخش
پروردگار ہے تیری رحمت کا آسرا
سائل کے سب گناہ بحق حسینؑ بخش

○

MAAB 1431
maablib.org

MAAB 1431
maablib.org

تفسیر

انوار النجف

دورِ حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے والی آسان اُردو زبان میں قرآن مجید کی بہترین تفسیر ہے بلکہ آج تک سلیس اُردو زبان میں ایسی تفسیر نہیں لکھی گئی۔ اس کا خود بھی مطالعہ کیجئے اور اپنے بچوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیجئے نیز اپنے حلقۂ اثر میں اس کی اشاعت بڑھا کر خدمتِ قرآن مجید میں حصہ لے کر ثواب دارین حاصل کیجئے۔ تا حال اس کی آٹھ جلدیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

ہدیہ فی جلد

پانچ روپے غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک

لمعۃ الانوار

عقائد مذہب شیعہ

کے موضوع پر مفصل و بسوط کتاب ہے۔ دورِ حاضر کے اختلافی مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں نہایت آسان، مدلل اور قابلِ قبول انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

هدیہ

چھ روپے پچاس پیسے

ناشر

ملنے کا پتہ
(۱) مکتبہ انوار النجف ● دریا خان ● ضلع میانوالی
(۲) مولوی غلام حیدر صاحب دار العلوم محمدیہ بلاک ۱۹ سرگودھا

مطبوعہ انصار آرٹ پریس سرگودھا

MAAB 1431
maablib.org

maablib.org

maablib.org